جدید فقہی تحقیقات

تعلیم کے لئے قرض کا حصول

اسلامی نقطۂ نظر

[علم نافع کی اہمیت اور تعلیم جیسی ضرورت کے لئے غیر سودی اور سودی قرض کے شرعی حکم پر علماء وارباب افتاء کی فکر انگیز تحریروں اور فیصلوں نیز ان مباحثات کا مجموعہ جو ۱۸ویں سمینار منعقدہ مدورائی بتاریخ ۲-۴ر ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۸رفروری تا ۲رمارچ ۲۰۰۹ء میں پیش کئے گئے]۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	تعلیم کے لئے قرض کا حصول - اسلامی نقطہ نظر
صفحات	:	۳۳۲
قیمت	:	
سن طباعت	:	جنوری ۲۰۱۰ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱ - ایف جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublications@gmail.com

فون: 26983728

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

تعلیم کے لئے قرض کا حصول - اسلامی نقطہ نظر

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۹

پہلا باب (تمہیدی امور)

اکیڈمی کا فیصلہ		۱۳
سوالنامہ		۱۶
تلخیص	مولانا یحییٰ قمر فلاحی قاسمی	۱۸
عرض مسئلہ	مفتی جمیل احمد نذیری	۴۳

دوسرا باب (ماہرین کی تحریریں)

تعلیمی قرض اور ہندوستانی مسلمان	ڈاکٹر ایم آئی باگ سراج	۵۷
تعلیمی قرض (Educational Loan)	انجینئر طارق سجاد	۷۲
وجیا بینک (تعلیمی قرض)		۸۰

تیسرا باب (تفصیلی مقالات)

تعلیمی قرض کی شرعی حیثیت	مفتی محمد صادق محی الدین	۸۹
جدید اعلیٰ تعلیم کے لئے تعلیمی قرضے	مفتی جمیل احمد نذیری	۹۴
تعلیمی قرض	مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی	۱۰۶
اعلیٰ عصری تعلیم کے لئے بینکوں سے قرض حاصل کرنا	مولانا راشد حسین ندوی	۱۱۶
تعلیمی قرض کے شرعی احکام	مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	۱۳۵
بینکوں کے تعلیمی قرض کا حکم	مولانا سید اسرار الحق سبیلی	۱۴۰
تعلیمی قرض	مولانا خورشید انور اعظمی	۱۴۵
تعلیمی قرض کے سلسلہ میں شریعت کا موقف	مولانا خورشید احمد اعظمی	۱۵۰

تعلیم کے لئے بینکوں سے قرض حاصل کرنا	مولانا افتخار احمد مفتاحی	۱۵۵
تعلیم کے لئے قرض کا حصول	مولانا ریاض احمد قاسمی	۱۶۰
تعلیمی قرضے، ان کی صورتیں اور احکام	مفتی محمد جعفر ملی رحمانی	۱۶۹
تعلیمی قرض کی حیثیت اور اس کے احکام	مولانا عبد الحفیظ	۱۷۴
جدید تعلیم کی شرعی حیثیت	مولانا مفتی اقبال ٹنکاروی	۱۷۹
تعلیم کے لئے قرض حاصل کرنا	مفتی محمد شوکت ثنا قاسمی	۱۹۶
جدید تعلیم اور تعلیمی قرض کا شرعی حکم	مولانا محمد ارشد فاروقی	۲۰۳
اہل عصری علوم اور قرض کا حصول	مولانا محمد ممتاز خاں ندوی	۲۱۰
تعلیمی قرض اور احکام	مولانا محمد مصطفی قاسمی آواپوری	۲۱۹
حصول علم کے لئے سودی قرض	مفتی احمد نادر القاسمی	۲۲۶
تعلیمی قرض کا حکم	مولانا محمد شاہجہاں ندوی	۲۳۲
تعلیمی قرض اور اس کے مسائل	مولانا عبد اللہ خالد لونا واڑی	۲۴۰
تعلیمی قرض اور اس کے شرعی احکام	مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی	۲۴۷
سودی قرض لے کر تعلیم حاصل کرنا	مولانا عبد التواب اناوی	۲۵۴

چوتھا باب (مختصر جوابات)

تعلیمی قرض کا حکم	مفتی شیر علی گجراتی	۲۶۱
تعلیمی قرض کی شرعی حیثیت	مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی	۲۶۳
تعلیمی قرض کا شرعی حکم	مفتی محبوب علی وجیہی	۲۶۷
تعلیمی قرض - مسائل و احکام	مولانا قاضی عبد الجلیل قاسمی	۲۷۰
تعلیمی قرض کا شرعی حکم	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۲۷۳
تعلیمی قرض کی شرعی حیثیت	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۲۷۵
تعلیمی قرض کا شرعی حکم	مولانا نور الحق رحمانی	۲۷۸
تعلیمی قرض کی حقیقت	مفتی انور علی اعظمی	۲۸۱
قرض لے کر تعلیم حاصل کرنا	قاضی محمد ہارون مینگل	۲۸۵
تعلیمی قرض اور اسلام	مولانا عبد الحی مفتاحی	۲۸۷
تعلیم کے لئے قرض حاصل کرنا	مفتی سراج احمد ملی	۲۹۱
تعلیمی قرض سے فائدہ حاصل کرنا	مولانا عطاء اللہ قاسمی	۲۹۳

تعلیمی قرض	مفتی اسماعیل بھڑکودروی	۲۹۶
تعلیمی قرض کا حصول اور اس سے استفادہ	قاضی محمد زاہد حسین قاسمی	۲۹۸
تعلیمی قرض کا حکم	مولانا اشتیاق احمد اعظمی	۳۰۲
تعلیمی قرض اور اس کے احکام	مولانا ارشد مدنی چمپارنی	۳۰۵
تعلیمی قرض کی حیثیت اسلامی نقطہ نظر سے	مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی	۳۰۹
تعلیمی قرض کے مسائل	مولانا حافظ شیخ کلیم اللہ عمری	۳۱۱
تعلیمی قرض اسلامی نقطہ نظر سے	مولانا محمد سلمان (مکی) پالنپوری	۳۱۳
تعلیمی قرض کا حکم	مفتی شاہد علی قاسمی	۳۱۵
تعلیمی قرض کا شرعی حکم	مفتی ظہیر احمد قاسمی	۳۱۸
تعلیمی قرض کا شرعی حکم	مولانا اقبال احمد قاسمی	۳۱۹
تعلیمی قرض کی شرعی حیثیت	مولانا محمد ابوبکر قاسمی	۳۲۳
تعلیمی قرض کی حیثیت	مولانا مفتی لطیف الرحمن فلاحی	۳۲۷
عصری تعلیم کا شرعی حکم	مولانا محمد فاروق	۳۲۹
تعلیمی لون کی گنجائش ہے	مفتی عبدالرشید قاسمی	۳۳۰
تعلیمی قرض کا شرعی حکم	مولانا محمد اشرف	۳۳۲

☆☆☆

پیش لفظ

’’تعلیم‘‘ قوموں کی شہ رگ اوران کی سربلندی اورسرفرازی کی ضمانت ہے؛ اسی لئے اسلام میں تعلیم کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، یہاں تک کہ پہلی وحی جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی، اس میں تعلیم کا، علم کا اور تعلیم وتعلم کے ایک اہم ذریعہ قلم کا ذکر موجود ہے، نیز جب صحرائے عرب میں نبوت محمدی کا آفتاب طلوع ہوا تو کوئی برائی ایسی نہ تھی جو سماج میں نہ پائی جاتی ہو؛ لیکن اس دور کو جو نام دیا گیا وہ ہے ’’دورجاہلیت‘‘۔ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تمام خوبیوں اور بہتر باتوں کا سرچشمہ علم ہے اور تمام برائیوں اور عقیدہ وعمل کے بگاڑ کی جڑ جہالت ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں علم کو کس قدر اہمیت حاصل ہے؟

بعض مذاہب کے پیشوا سائنسی علوم کی حوصلہ شکنی کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ سائنس دانوں کو انعام سے سرفراز کرنے کی بجائے زہر کا پیالہ پلایا جاتا تھا؛ لیکن اسلام ایسا دین ہے جو انسانی فطرت سے پوری طرح ہم آہنگ اور عقل وسائنس سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے؛ اسی لیے اس نے ہمیشہ علم وتحقیق کی حوصلہ افزائی کی ہے، قرآن مجید میں جابجا تعقل، تدبر اور تفکر کی دعوت دی گئی ہے، کائنات کی بعض حقیقتوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور نافع علم کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم ودانش کی بات مؤمن کی متاع گم گشتہ ہے: "الکلمة الحکمة ضالة المؤمن" اس لئے پیغمبر ﷺ نافع علم کی دعا فرماتے تھے اور علم غیر نافع سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے۔

لہٰذا جیسے مسلمانوں کے لیے دینی تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے، اسی طرح عصری تعلیم

کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے، بدقسمتی سے اس وقت تعلیم جیسی خدمت کو تجارت بنادیا گیا ہے اور نہ صرف اعلیٰ اور پروفیشنل اور ٹیکنیکل تعلیم؛ بلکہ ابتدائی تعلیم کا حصول بھی غریبوں کے لیے آسان نہیں رہا، آج کل اس صورت حال کے نتیجہ میں بینک تعلیمی قرض جاری کیا کرتے ہیں، یہ قرض قومی بینکوں کی طرف سے بھی دیئے جاتے ہیں اور پرائیوٹ بینکوں کی طرف سے بھی، اور یہ نسبتاً دیر سے قابل ادائیگی ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ مسلمان طلبہ کے لیے ایسی اسکیموں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو کن حدود وشرائط کے ساتھ؟ اکیڈمی کے اٹھارہویں سمینار منعقدہ مدورائی (۲-۴/ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۸/فروری تا ۲/مارچ ۲۰۰۹ء) کے لیے جن موضوعات کا انتخاب کیا گیا تھا، ان میں ایک تعلیمی قرض کا بھی مسئلہ تھا، اس موضوع پر پچاس سے زیادہ مقالات آئے، مقالہ نگار حضرات کے درمیان بعض تفصیلات کی بابت اختلاف رائے بھی تھا؛ لیکن باہمی تبادلۂ خیال کے بعد چند نکات پر اتفاق ہوگیا۔

یہ مجموعہ اسی موضوع سے متعلق مقالات، مناقشات، تجاویز اور ماہرین کی تحریروں پر مشتمل ہے، اس مجموعہ کی تصحیح وترتیب کا کام عزیز گرامی مولانا مفتی محمد سراج الدین قاسمی (رفیق شعبہ علمی) نے انجام دیا ہے، امید ہے کہ اس اہم موضوع پر اکیڈمی کی اس پیش کش سے رہنمائی حاصل ہوگی اور اہل علم اور اصحاب ذوق اس سے استفادہ کرسکیں گے۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

۵/محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
۲۳/دسمبر ۲۰۰۹ء

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ

تعلیم کے لئے قرض کا حصول

اکیڈمی کا اٹھارہواں سیمینار مؤرخہ ۲ - ۴ / ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۸ فروری وکیم، ۲ مارچ ۲۰۰۹ء کو ریاست تملناڈو کے مشہور تجارتی شہر مدورائی میں ''جامعۃ الریحان'' کے زیر اہتمام منعقد ہوا، جس میں پورے ملک سے تقریباً ڈھائی سو علماء ومفتیان کرام نے شرکت کی، ان کے علاوہ متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین اور سری لنکا سے بھی ممتاز علماء شریک ہوئے، اس سیمینار میں موجودہ عالمی اور سماجی حالات وضرورتوں کے پس منظر میں چار موضوعات پر بحث ہوئی اور باتفاق رائے تجاویز منظور کی گئیں، یہ تجاویز حسب ذیل ہیں:

تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور ہر علم نافع کی اسلام نے حوصلہ افزائی کی ہے، اس ضرورت کی تکمیل کے لئے فرد، سماج اور حکومت تینوں کو اپنا کردار ادا کرنا ضروری ہے، اس پس منظر میں یہ سیمینار حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ:

ہمارے ملک میں تعلیم اتنی مہنگی ہوچکی ہے کہ ملک کے غریب شہریوں خاص کر مسلمانوں کی اکثریت کے لئے معاشی پسماندگی کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم کا حصول مشکل ترین امر بن گیا ہے، یہ ملک مختلف مذہبوں، زبانوں اور تہذیبوں کا گلدستہ ہے، اس میں کسی ایک طبقہ کا پچھڑ جانا یقیناً قومی ترقی کے لئے نقصاندہ ہے؛ اس لئے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے میں اپنا موثر رول ادا کرے، اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مسلمانوں کو بلاسودی قرض فراہم کرے، نیز تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسلمان بچوں کو معقول اسکالرشپ

فراہم کرے اوراس کے حصول کی شرائط کوآسان کرے۔

یہ اجلاس مسلمانوں کوتوجہ دلاتا ہے کہ:

۱- ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کو اولین ترجیح دیں اور اپنی آمدنی کا معقول حصہ ان کی تعلیم وتربیت پر صرف کریں۔

۲- مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی نئی نسل کی تعلیمی ضرورتوں کے پیش نظر ملکی، ریاستی اور علاقائی سطح پر اطلاعاتی ادارہ، انجمن، سنٹر قائم کریں، جوملک اور بیرون ملک میں اعلی تعلیم کے مواقع اورحکومت کی تعلیمی امدادی اسکیموں سے نئی نسل کو واقف کرائیں۔

۳- مختلف علوم اورکورسوں کے لئے اسکالرشپ فراہم کرنے والے اداروں، تنظیموں کے مابین رابطہ اور تعاون واطلاعات کے تبادلہ کا نظم قائم ہو؛ تاکہ طالب علموں کو اسکالرشپ کے حصول میں سہولت ہو۔

۴- ریاستی اورعلاقائی سطح پر ایسے تعلیمی فنڈ قائم کریں، جس سے ہونہار اور ضرورتمند بچوں کی اعلی تعلیم کے حصول میں مدد کی جاسکے۔

۵- عصری علوم کے ماہرین خصوصا ریٹائرڈ اور پروفیشنل حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنی معلومات اور تجربات سے نئی نسل کی موثر رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

۶- علماء اور اصحاب ثروت کو چاہئے کہ وہ ان حضرات کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی منظم کوشش کریں۔

۷- مسلمانوں کے عصری تعلیمی ادارے، اخراجات میں ایسی سہولتیں فراہم کریں کہ ضرورتمند وباصلاحیت طلبہ ان سے بآسانی فائدہ اٹھاسکیں، بالخصوص ڈونیشن کے بھاری اور غیر شرعی بوجھ سے مسلمان طلبہ وطالبات کو آزاد کریں، کہ یہ نہ صرف غیر اسلامی؛ بلکہ غیر انسانی طرزعمل بھی ہے۔

یہ اجلاس مسلمان طلبہ وطالبات کوتلقین کرتا ہے کہ:

۱- علم مؤمن کی متاع گم گشتہ ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ پروفیشنل علوم کو انسانی خدمت کے جذبہ سے حاصل کریں۔

۲- مسلمان طلبہ وطالبات کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی دینی پہچان کے ساتھ محنت اور تعلیمی مسابقت کو اپنا شعار بنائیں۔

۳- اپنے تعلیمی اخراجات کی تکمیل کے لئے حسب ضرورت اسکالرشپ اور غیر سودی قرض حاصل کرنے اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

۴- جس طرح سود کا لینا حرام ہے، اسی طرح شریعت نے سودی قرض لینے اور سود ادا کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے؛ اس لئے بنیادی طور پر تعلیم کے لئے سودی قرض حاصل کرنا جائز نہیں؛ البتہ اگر کسی کے پاس مالی گنجائش نہ ہو، غیر سودی قرض نہ مل پائے اور اس کے مطلوبہ تعلیم سے محروم رہ جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے طلبہ کو چاہئے کہ کسی معتبر مفتی کے سامنے اپنے حالات رکھ کر ان کے مشورہ پر عمل کریں۔

☆☆☆

سوالنامہ

تعلیم کے لئے قرض کا حصول

اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم کسی بھی قوم کی باعزت زندگی کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے، انفرادی طور پر بھی تعلیم ایک اہم ضرورت ہے اور اجتماعی حیثیت سے بھی، نیز اسلام میں دینی تعلیم تو مطلوب ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ ہر علم نافع کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور اسلام نے اس کے حصول کی ترغیب دی ہے، بدقسمتی سے اس وقت سرمایہ دارانہ نظام کے غلبہ کی وجہ سے ''تعلیم'' خدمت کے بجائے ''تجارت'' بن گئی ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ملک کے باشندوں کے لئے تعلیم کی فراہمی اصل میں حکومت کی ذمہ داری تھی، لیکن حکومت اس ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کر رہی ہے اور زیادہ تر پرائیوٹ ادارے کمرشیل بنیاد پر تعلیم کی سہولت فراہم کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس صورت حال نے تعلیم کو گراں کر دیا ہے اور متوسط آمدنی کے لوگوں کے لئے ان اداروں تک رسائی دشوار ہوگئی ہے۔

ان حالات میں حکومت نے تعلیم کے لئے خصوصی قرض (Educational Loan) کا نظم کیا ہے، جس میں خاص تعلیمی مقصد کے لئے قرض دیا جاتا ہے، اور یہ قرض تعلیم مکمل ہوجانے کے بعد قابل ادائیگی ہوتا ہے، اس قرض پر (جو نیشنلائز بینک کے واسطہ سے دیا جاتا ہے) عام قرضوں کے مقابلہ میں کافی کم شرح سود عائد کی جاتی ہے، حکومت کا دعوی ہے کہ یہ قرض —— جو طویل مدت کے لئے کم شرح سود پر دیا جاتا ہے —— اس کا مقصد سود حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ تعلیم میں تعاون کرنا ہے، اس پس منظر میں درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

۱- جدید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بارے میں شریعت کا نقطۂ نظر کیا ہے اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟

۲- سرکاری بینک عام معمول کے برخلاف تعلیمی قرضوں میں کم شرح سود لیتے ہیں اور یہ قرض زیادہ مدت کے لئے دیا جاتا ہے، نیز حکومت کا ادعا ہے کہ اس قرض کا مقصد نفع کمانا نہیں، تو کیا اس کم شرح سود کو سروس چارج (اجرت خدمت) پر محمول کیا جاسکتا ہے؟

۳- اگر ایک شخص اعلیٰ تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے، یا وہ بیرون ملک جاکر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کے معاشی حالات اس کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں، تو کیا اس کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؟

۴- اگر خود طالب علم کی معاشی حالت اس کی متحمل نہیں ہے، لیکن اس کے والد اس کی صلاحیت رکھتے ہیں تو کیا والد کے صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے اسے صاحب استطاعت سمجھا جائے گا، یا قرض کے جائز ہونے اور نہ ہونے کا تعلق طالب علم کے اپنے حالات سے ہوگا؟

۵- اگر طالب علم یا والد صاحب استطاعت ہوں، اس کے باوجود وہ فی الحال تعلیم میں اپنا پیسہ نہ لگانا چاہیں تو کیا ان کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا؟

☆☆☆

تلخیص مقالات:

تعلیم کے لئے قرض کا حصول

مولانا یحییٰ قمر اثری فلاحی

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے اٹھارہویں فقہی سمینار کا ایک اہم موضوع ''تعلیمی قرض'' ہے۔ اس موضوع پر اکیڈمی کو اب تک ۳۵ مقالات موصول ہو چکے ہیں۔ مقالہ نگار حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا شاہجہاں ندوی، حافظ شیخ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد سلمان کھلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا لطیف الرحمن فلاحی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا ارشد مدنی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا عبد اللہ خالد، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا عبد الحی قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولوی ریحان مبشر قاسمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا اقبال ٹنکاروی، مفتی محمد جعفر ملی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا شیر علی ترکیسری، مولانا محمد فاروق، مولانا عبد الحفیظ، مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی۔

فاضل مقالہ نگاروں کے مقالات کی روشنی میں سوالنامہ کے جوابات کی تلخیص پیش کی جارہی ہے:

سوال نمبر ۱: جدید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بارے میں شریعت کا نقطۂ نظر کیا ہے اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟

جدید اعلیٰ تعلیم کے حصول کا حکم

مقالہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد کا خیال ہے کہ جدید اعلیٰ تعلیم کا حصول فرض کفایہ ہے۔

[مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عبداللہ خالد، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عبدالتواب ناوی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا عبد الحفیظ، مولانا محمد فاروق]۔

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

قرآنی آیات:

﴿قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون﴾ (الزمر:۹)۔

﴿وعلم آدم الأسماء كلها﴾ (البقرۃ:۳۱)۔

﴿وعلمناه صنعة لبوس .....﴾ (الانبیاء:۸۰) اس آیت کے ذیل میں تفسیر قرطبی (۳۲۰/۱۱) [مولانا شاہجہاں ندوی]

﴿يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين أوتوا العلم درجات﴾ (المجادلۃ:۱۱)۔

احادیث:

”طلب العلم فريضة على كل مسلم“ (ابن ماجہ فی المقدمۃ، باب فضل العلماء:۲۲۴)۔

''من سلک طریقاً یلتمس فیه علماً سهل الله له طریقاً إلی الجنة'' (بخاری، ابوداؤد، ترمذی)۔

''اطلبوا العلم ولو بالصین'' (ابن ماجۃ کتاب العلم)-مولانا مظاہر حسین قاسمی۔

''الحکمة ضالة المؤمن فحیث وجدها فهو أحق بها'' (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ ۱/ ۳۴)۔

''أمرنی رسول اللهﷺ أن أتعلم السریانیة'' (أخرجہ البخاری فی الأحکام تعلیقا وأبوداؤد فی العلم: ۳۶۴۵)۔

اقوال صحابہ:

حضرت علیؓ کا قول: ''العلم ضالة المؤمن فخذ ولو من المشرکین'' (التراتیب الاداریۃ للکتانی ۲/ ۳۴۸) [مولانا شاہجہاں ندوی]۔

فقہی عبارتیں:

''أما فرض الکفایة من العلم، فهو کل ما لا یستغنی عنه فی قوام أمور الدنیا کالطب والحساب'' (ردالمحتار نقلا عن تبیین المحارم ۱/ ۱۲۶)۔

''فیتناول ما هو دینی کصلاة الجنازه ودنیوی کالصنائع المحتاج إلیها'' (ردالمحتار ۱/ ۱۲۶)۔

آراء علماء ومفکرین:

امام غزالی تحریر فرماتے ہیں:

''فالعلوم التی لیست بشرعیة تنقسم إلی ما هو محمود، وإلی ما هو

مذموم، وإلى ما هو مباح، فالمحمود ما يرتبط به مصالح أمور الدنيا، كالطب والحساب، وذلک ينقسم إلى ما هو فرض كفاية، وإلى ما هو فضيلة، وليس بفرض: أما فرض الكفاية فهو علم لا يستغنى عنه فى قوام أمور الدنيا، كالطب إذ هو ضرورى فى حاجة بقاء الأبدان، وكالحساب فإنه ضرورى فى المعاملات، وقسمة والوصايا والمواريث وغيرهما .... فإن أصول الصناعات أيضاً من فروض الكفايات كالفلاحة والحياكة والسياسة، بل الحجامة والخياطة، فإنه لو خلا البلد من الحجام تسارع الهلاک إليهم.... وأما ما يعد فضيلة، لا فريضة، فالتعمق فى دقائق الحساب، وحقائق الطب وغير ذلک مما يستغنى عنه، ولكنه يفيد زيادة قوة فى القدر المحتاج إليه، وأماالمذموم فعلم السحر والطلسمات وعلم الشعبذة والتلبيسات، وأما المباح منه، فالعلم بالأشعار التى لا سخف فيها، وتواريخ الأخبار، وما يجرى مجراه“ (احیاءعلوم الدین ۱/ ۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء)۔

[مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی]۔

علامہ یوسف القرضاوی ”مشكلة الفقر وكيف عالجها الإسلام“ میں رقم طراز ہیں:

”وليس العلم المطلوب محصوراً فى علم الدين وحده، بل كل علم نافع يحتاج إليه المسلمون فى دنياهم فإن تعلمه فرض كفاية كما قرر الغزالى والشاطبى وغيرهما من العلماء“ (۱۰۹)۔

[دیکھئے مقالہ: مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی]۔

معروف عالم اور فقیہ علامہ وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

”يختلف الحكم التكليفى تبعاً لفائدة العلم والحاجة إليه، فمنه ما تعلمه فرض ومنه ما هو محرم، والفرض منه ما هو فرض عين ومنه ما هو فرض كفاية،

فمن العلوم التی تعلمها فرض عین تعلم ما یحتاجه الإنسان من علم الفقه والعقیدة، قال ابن عابدین نقلاً عن العلامی من فرائض الإسلام: تعلم ما یحتاج إلیه العبد فی إقامة دینه وإخلاص عمله لله تعالی ومعاشرة عباده وفرض علی کل مکلف ومکلفة بعد تعلمه علم الدین والهدایة تعلم علم الوضوء والغسل والصلاة والصوم، وعلم الزکوة لمن له نصاب والحج لمن وجب علیه والبیوع علی التجارة لیحترزوا عن الشبهات والمکروهات فی سائر المعاملات وکذا أهل الحرف وکل من اشتغل بشیء یفرض علیه علمه وحکمه لیمتنع عن الحرام فیه"۔

وأما العلوم التی هی من فروض الکفایة فهی العلوم التی لا بد للناس منها فی إقامة دینهم من العلوم الشرعیة کحفظ القرآن والأحادیث وعلومهما والأصول والفقه واللغة والتصریف ومعرفة رواة الحدیث والإجماع والخلاف۔

ومن فروض الکفایة أیضاً: العلوم التی یحتاج إلیها فی قوام أمر الدنیا کالطب والحساب والصنائع التی هی سبب قیام مصالح الدنیا کالخیاطة والفلاحة" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۰؍ ۲۹۲-۲۹۳ بحوالہ ابن عابدین والمجموع ۱؍۲۶-۲۷)۔

[دیکھئے مقالہ: مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی]۔

بعض مقالہ نگار حضرات نے جدید اعلیٰ تعلیم کے حصول کو فرض کفایہ کی اصطلاح نہ استعمال کرتے ہوئے ناگزیر اور ضروری قرار دیا ہے۔

[مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا ارشد مدنی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مفتی انور علی اعظمی]۔

جبکہ بعض دوسرے مقالہ نگاروں کا خیال ہے کہ یہ مستحسن اور باعث اجر وثواب ہے۔

[مولانا محمد سلمان کھلی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا عبدالحی قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی]۔

مولانا شاہد علی قاسمی کا خیال ہے کہ یہ واجب غیرہ ہے۔

مولانا کلیم اللہ عمری اور مولانا افتخار احمد مفتاحی کی رائے ہے کہ جدید اعلیٰ تعلیم کا حصول مشروع ہے، البتہ علوم شرعیہ پہلے نمبر پر ہیں، ان کے بعد ہی جدید علوم کا نمبر آتا ہے۔

مقالہ نگاروں کی ایک جماعت نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ جدید اعلی تعلیم کا حصول جائز ہے۔

[مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید احمد اعظمی]۔

قاضی ہارون مینگل صاحب کے مطابق یہ تعلیم اگر دین اور اسلامی خدمت کو مدنظر رکھتے ہوئے حاصل کی جائے تو جائز ہے۔

مولوی ریحان مبشر قاسمی نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس تعلیم کے حصول میں حدود شرع کی پابندی ضروری ہے۔

اور مولانا اقبال ٹنکاروی کی رائے میں یہ تعلیم صحیح نیت کے ساتھ ہی جائز ہوگی۔

ان تمام ہی حضرات نے اپنی رائے کی دلیل کے طور پر جو نصوص اور عبارتیں پیش کی ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جنہیں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بعض حضرات نے "الأصل فی الأشیاء الإباحة" کے اصول سے بھی استدلال کیا ہے۔

سوال نمبر ۲: سرکاری بینک عام معمول کے برخلاف تعلیمی قرضوں میں کم شرح سود لیتے ہیں اور یہ قرض زیادہ مدت کے لئے دیا جاتا ہے، نیز حکومت کا ادعا ہے کہ اس قرض کا مقصد نفع کمانا نہیں، تو کیا اس کم شرح سود کو سروس چارج (اجرت خدمت) پر محمول کیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ کم شرح سود کو سروس چارج (اجرت خدمت) پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

[مولانا شاہجہاں ندوی، حافظ شیخ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد سلمان کھلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا

محبوب علی وجیہی، مولانا ارشد مدنی، مولانا عبداللہ خالد، مولانا اقبال احمد قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا عبدالحی قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولوی ریحان مبشر قاسمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا اقبال ٹنکاروی، مفتی محمد جعفر ملی، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا عبدالحفیظ]۔

ان حضرات نے اس رائے کی تائید میں درج ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

احادیث:

''کل قرض جرّ نفعاً فھو ربا''[مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا جعفر ملی وغیرہ]۔

''دعوا الربا و الریبة'' (ابن ماجہ، باب التغلیظ فی الربا)۔

''ما أسکر کثیرہ فقلیله حرام'' (السنن الکبری للنسائی ۳/۱۸۶، رقم الحدیث: ۶۸۲۰)۔

فقہی عبارتیں:

''الشبھة کالحقیقة فی باب الربا''[مولانا محمد سلمان کھلی]۔

''کل قرض جر نفعاً حرام أی إذا کان مشروطاً'' (رد المحتار ۵/۱۶۴)۔

اصول:

''ماحرم کثیرہ حرم قلیله''[مولانا محمد ہارون مینگل]۔

''ما کان سبباً لحرام حرام''(موسوعۃ قواعد الفقہیہ ۲/۹۱۴، رقم القاعدۃ: ۶۱۰)۔

آراء علماء:

مولانا تقی عثانی قرآن کی آیت ﴿یاأیھا الذین آمنوا اتقوالله وذروا ما بقی

من الربا إن كنتم مؤمنين﴾ کے بعد لکھتے ہیں:''إنه أمر بترک كل مقدار من الربا دون أى تفصيل بين القليل والكثير'' ایسے ہی دوسری آیت ﴿وحرم الربوا﴾ کے بعد لکھتے ہیں:''فإنه يدل على أن الربوا حرام مطلقاً ولا فرق بين قليله وكثيره'' (تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۵۶۷، ۵۶۸)۔

دیگر:

مولانا اسرار الحق سبیلی نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ عام طور پر قومیائے ہوئے بینک تعلیمی قرض پر دس تا بارہ یا چودہ فیصد سود وصول کرتے ہیں اور کرنٹ اکاؤنٹ کھاتہ داروں اور سیف لاکرس سے استفادہ کرنے والوں سے آدھا فیصد سروس چارج کے نام پر وصول کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے تعلیمی قرض پر عائد ہونے والے دس تا بارہ یا چودہ فیصد شرح سود کو کسی صورت میں سروس چارج شمار نہیں کیا جا سکتا ہے، یہ حقیقت میں سود (ربا) ہی ہے۔

مولانا شوکت ثناء قاسمی نے اپنی رائے کے حق میں درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

الف- سروس چارج کی رقم غیر معمولی نہیں ہوتی، جبکہ بینک ان قرضوں پر بارہ فیصد شرح سود عائد کرتا ہے، اس اعتبار سے اگر کوئی شخص چار لاکھ روپے پانچ سال کے لئے لے رہا ہے تو سود کی مجموعی رقم اصل رقم کے نصف سے بھی زائد ہو جائے گی۔

ب- سروس چارج کی رقم کسی چیز پر سالانہ فیصد کے لحاظ سے نہیں لی جاتی ہے، جبکہ اس قرض پر ہر سال بارہ فیصد کے لحاظ سے رقم لی جاتی ہے۔

ج- ایک ہی چیز پر سروس چارج کے نام سے ڈبل رقم نہیں لی جاتی ہے، جبکہ بینک قرض جاری کرتے وقت سروس چارج کے نام سے مجموعی قرض کی رقم سے دو فیصد کے لحاظ سے رقم وصول کرتا ہے۔ بینک بھی تعلیمی قرض کی کم شرح سود کو سروس چارج تسلیم نہیں کرتا، بلکہ بینک اور ماہرین بھی اس کو سود ہی مانتے ہیں۔ البتہ بینک تعلیمی قرض پر یہ رعایت دیتا ہے کہ شرح سود سالانہ

عائد کرتا ہے اور سالانہ شرح سود کی جو رقم ہوتی ہے اس کو اصل رقم کے ساتھ جوڑ کر اس پر سود نہیں لگاتا، بلکہ ہر سال کی شرح سود کا حساب الگ رہتا ہے، لیکن یہ سہولت تعلیم کے ختم ہونے کے ایک سال بعد یا تعلیم کی تکمیل اور ملازمت کے ملنے کے چھ ماہ بعد تک رہتی ہے، اس کے بعد وہ ساری رقم ایک ساتھ ملا دی جاتی ہے، اب اس کے بعد ادائیگی نہیں کی گئی یا ادائیگی میں تاخیر کی گئی تو مجموعی رقم پر سود لگایا جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ تعلیمی قرض جو زیادہ مدت کے لئے کم شرح سود پر جاری کیا جاتا ہے اس میں اصل رقم سے زائد جو رقم ہوتی ہے وہ سود ہے اور شریعت میں سود حرام ہے، خواہ وہ سود مفرد ہو یا مرکب۔

مولانا شاہد علی قاسمی کے مطابق تعلیمی قرضوں پر بینک جو معمولی سود لیتا ہے اس کو سروس چارج قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ وہ سود ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ جتنا زیادہ قرض لیا جاتا ہے اسی حساب سے سود میں بھی اضافہ کیا جاتا ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس شرح سود میں کچھ تبدیلی کر کے اگر اسے سروس چارج کی شکل دے دی جائے تو یہ جائز ہوگا۔

[مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا افتخار احمد مفتاحی]۔

مولانا راشد حسین ندوی صاحب کے الفاظ میں:

''البتہ اگر اس میں تبدیلی کر دی جائے اور سالانہ یا ماہانہ اضافہ کرنے کے بجائے دفتری مصارف کا جائزہ لے کر ٹھیک ٹھاک حساب کر کے ان کو یک لخت مقرر کر دیا جائے، وصولی خواہ قسط وار ہی کی جائے تو اس کو سروس چارج قرار دیا جاسکتا ہے اور شرعاً جواز کا حکم لگایا جاسکتا ہے، اس صورت میں یہ گنجائش بھی رہے گی کہ اس سروس چارج کو قرض کی مقدار پر فیصد کے حساب سے مربوط کر دیا جائے، یا ہر قرض پر یکساں چارج لگایا جائے، یعنی سروس چارج وصول کرنا بھی جائز ہے اور اس کو فیصد سے مربوط کرنا بھی جائز ہے''۔

اس رائے کی تائید میں ان حضرات نے درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

"یستحق القاضی الأجر علی کتب الوثائق أو المحاضر أو السجلات قدر ما یجوز لغیرہ کالمفتی" (درمختار مع الرد ۹/۱۴۷)۔

"قرض جاری کرنے اور اس کا حساب کتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں، بینک کے لئے اپنے قرضداروں سے بطور سروس چارج کے ان کو وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے جو اس منصوبہ پر قرض کے اجراء کے لئے پیش آئے ہیں۔

لہذا دلال کے کمیشن پر قیاس کرتے ہوئے زیر بحث مسئلہ میں قرض کے اجراء پر آنے والے دفتری اخراجات کو قرض کی مقدار پر فیصد سے مقرر کرنے کو جائز قرار دیا جائے گا" (مفتی تقی عثمانی صاحب فقہی مقالات ۱/۲۷۶)۔

بعض مقالہ نگاروں کا خیال ہے کہ اس کم شرح سود کو سروس چارج یا اجرت خدمت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

[مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا محمد فاروق]۔

مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی نے دلیل کے طور پر لکھا ہے کہ اس پر مفتی اعظم نظام الدین صاحب کا فتوی بھی موجود ہے (منتخبات نظام الفتاوی ۱/۱۱۸)۔

مولانا عبدالرشید قاسمی لکھتے ہیں کہ حکومت غیر مسلم ہے، وہ سود کی قباحت کا اعتقاد نہیں رکھتی، ورنہ شاید اس کا نام سود نہ رکھا جاتا اور تعلیمی قرض کے ضابطے بھی سود جیسے نہ بنائے جاتے، نیز خود حکومت کا ادعاء ہے کہ اس قرض کا مقصد سود کمانا نہیں ہے، ایسے حالات میں اگر اس کم شرح سود کو "الأمور بمقاصدھا" کے تحت سروس چارج پر محمول کر لیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ مسلمانوں کے خلاف ان کو ہر میدان میں کمزور اور پیچھے رکھنے کی منصوبہ بند کوششیں ہو رہی ہوں۔

مولانا عبدالتواب اناوی اپنے مقالہ میں رقم طراز ہیں:

''سوالنامہ میں مذکور تعلیمی قرض پر شرح سود کو اگر اجرت خدمت مان لیا جائے تو بھی کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ وہاں پر لکھنے پڑھنے، کاغذات کی حفاظت اور پیسوں کے لین دین کا عمل خود موجود ہے اور عمل پر اجرت دینا کوئی معیوب بات نہیں ہے، بلکہ اجرت عمل بہر حال جائز ہے۔

صورت مسئولہ کو خواہ قاضی کی اجرت کتابت وثائق اور مفتی کی کتابت فتوی پر قیاس کیا جائے یا اسے اجرت دلال پر قیاس کیا جائے، بہر دو صورت عمل پائے جانے کی وجہ سے صورت مسئولہ کو اجرت خدمت پر محمول کیا جانا چاہئے، کیونکہ اجرت دلال کا جواز بھی عمل ہی ہے''۔

اس کی تائید میں مختلف فقہی عبارتیں نقل کرنے کے بعد انہوں نے مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے: ''دونوں طرف سے دلالی جائز ہے جبکہ عرف ہو، اصالۃ دلالی کا معاملہ ناجائز ہے، مگر حاجت اور عرف کی بنا پر فقہاء نے اجازت دی ہے اور یہ اجازت اپنے عموم کی حیثیت سے یک طرفہ دو طرفہ سب کو شامل ہے، خواہ اس طرح کہ فی صد دس روپیہ یا فی روپیہ ایک آنہ اجرت مقرر کی جائے، وہ اجرت درست ہے جس قدر بھی ہو'' (فتاوی محمودیہ ۱۸/ ۶۱۷-۶۱۹)۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں: ''دلالی کی اجرت میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور فی صد کے حساب سے بھی سمسرۃ کی اجرت لینا جائز ہے'' (انعام الباری ۶/ ۴۵۷)۔

''مذکورہ عبارات وفتاوی سے مستفاد ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں قرض پر بڑھتی ہوئی رقم کو اجرت عمل، اجرت خدمت پر محمول کیا جائے گا، اسے سود کہنا ہی غلط ہے، کیونکہ سوالنامہ میں درج حکومت کا پہلا قول قول ثانی سے باطل ہو جاتا ہے، لہذا وہ سود ہے ہی نہیں، اسے سود نہیں کہا جائے گا''۔

[دیکھئے مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی]۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی لکھتے ہیں:

"تعلیمی قرضوں کے لئے سرکاری بینکوں سے استفادہ کرنے میں حکومت کی اس وضاحت کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے کہ اس پر لیا جانے والا اضافہ سود نہیں بلکہ سروس چارج ہے... ان سے استفادہ میں ان کی اصل حیثیت کو مدنظر رکھا جانا مناسب ہے"۔

سوال نمبر ۳: اگر ایک شخص اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے، یا وہ بیرون ملک جاکر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کے معاشی حالات اس کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں، تو کیا اس کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؟

اس سوال کے جواب میں اکیڈمی کو دو طرح کی آراء موصول ہوئی ہیں۔ مقالہ نگاروں کی تقریباً نصف تعداد کا خیال ہے کہ دوسرا کوئی نظم نہ ہونے کی صورت میں ایسے شخص کے لئے قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

[مولانا شاجہاں ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا لطیف الرحمن فلاحی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا عبد اللہ خالد، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا مصطفی قاسمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد فاروق]۔

ان حضرات نے اپنی رائے کے حق میں درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

قرآن:

﴿لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعہا﴾ (البقرۃ:۲۸۶)۔

فقہی عبارتیں:

مولانا شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں:

لیکن اگر حکومت کم شرح سود کے بغیر نظم نہیں کرتی ہے تو اپنے جائز حق تعلیم کو حاصل کرنے کے لئے مسلم طلبہ کا سود کی رقم دینا جائز ہوگا، اس صورت میں گناہ سود خور پر ہوگا، نہ کہ سود دینے والے پر، چنانچہ فقہاء نے اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے، یا ظلم وضرر کو دور کرنے کے لئے رشوت دینے کو جائز قرار دیا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۸/۳۵، نہایۃ المحتاج للرملی ۸/۲۳۶)۔

"یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (البحر الرائق: باب الربا، الأشباہ والنظائر: ۱۱۵)۔

اصول:

"فرض کفایہ متعین افراد کی نسبت سے فرض عین بن جاتا ہے" [دیکھئے مقالہ: مولانا سلطان اصلاحی]۔

"الضرورات تبیح المحظورات" (الأشباہ والنظائر: القاعدۃ الخامسۃ، الضرر یزال)۔

"الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ عامۃ کانت أو خاصۃ" (الأشباہ والنظائر: القاعدۃ الخامسۃ الضرر یزال)۔

لہذا اگر عصری علوم وفنون کی ضرورت کو شرعی ضرورت کے زمرہ میں شامل نہ بھی کیا جائے، شرعی حاجت کے قبیل سے تو ضرور ہوسکتا ہے، اور شرعی حاجت بھی بسا اوقات ضرورت کا درجہ حاصل کرلیتی ہے، موجودہ زمانہ کے حالات اور تقاضہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بالکل مناسب ہوگا کہ عصری علوم وفنون کی ضرورت شرعی ضرورت نہیں تو شرعی حاجت میں داخل ہے اور اس حاجت کو علوم کی عمومی وخصوصی ضرورتوں کے پیش نظر شرعی ضرورت کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

[مولانا شوکت ثناء قاسمی]۔

''إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتکاب أخفهما''

(الأشباہ والنظائر/ ۱۴۵)۔

اس سوال میں صورتحال یہ ہے کہ اگر اس اسکیم سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تو اعلی تعلیم سے محرومی ہوگی، جو ایک مفسدہ ہے، اور اگر اعلی تعلیم حاصل کی جائے تو یہ قرض اسکیم سے فائدہ اٹھائے بغیر ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک مفسدہ ہے۔غور کیا جائے کہ پہلی شق یعنی اعلی تعلیم سے محرومی کا مفسدہ بڑا مفسدہ ہے، اس لئے اس کی رعایت کرتے ہوئے چھوٹے مفسدہ کا ارتکاب یعنی قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا درست ہوگا۔ [مولانا شاہد علی قاسمی]

''وأما الحاجیات معناها أنها مفتقر إلیها من حیث التوسع ورفع الضیق المؤدی فی الغالب إلی الحرج والمشقة اللاحقة بفوت المطلوب''

(الموافقات ۳/ ۵)۔

مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں:

''اضطرار دوقسم کا ہوتا ہے، ایک اضطرار انفرادی وشخصی اور ایک اضطرار اجتماعی وقومی، پس جس طرح ''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' کے تحت اضطرار شخصی اور انفرادی میں سودی قرض لے کر سود دینے کی اجازت ہے، اسی طرح اضطرار اجتماعی وقومی میں بھی سودی قرض لینے کی گنجائش ہوگی (جدید فقہی تحقیقات ۴/ ۴۷۵)۔ [مولانا عبداللہ خالد]۔

''قال الحموی: ههنا خمسة مراتب: ضرورة وحاجة ومنفعة وزینة وفضول، فالضرورة بلوغه حدا إن لم یتناول الممنوع هلک أو قارب وهذا ذبیح تناول الحرام والحاجة کالجائع الذی لولم یجد ما یأکله لم یهلک غیر أنه یکون فی جهد ومشقة، وهذا لا یبیح الحرام ویبیح الفطر فی الصوم'' (حاشیۃ الأشباہ والنظائر/ ۱۰۸)۔

ضرورت وحاجت کی اس تعریف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جدید تعلیم کا حصول اگر چہ

ضرورت کے درجہ میں نہیں ہے لیکن حاجت کے درجہ میں ضرور شامل ہے، کیونکہ عبادت الٰہی کے لئے دینی علوم کا بقدر ضرورت ہر مسلمان کا سیکھنا فرض اور ضروری ہے، تو معاشی اور سیاسی ضرورت اور اسلام کی طرف سے دفاع کے لئے صحیح نیت کے ساتھ جدید علوم کا سیکھنا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے)[دیکھئے مقالہ: مولانا اقبال احمد ٹنکاروی]

بقیہ مقالہ نگار حضرات کی رائے کے مطابق اعلی تعلیم کے لئے اس صورت میں بھی قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

[مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا محمد سلمان کھلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا عبد الحی قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولوی ریحان مبشر قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا عبد الحفیظ]۔

ان حضرات نے اپنی رائے کی تائید میں درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

قرآن:

﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين. فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ (سورہ البقرہ: ۲۷۹-۲۸۷)۔

﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورۃ البقرہ: ۲۷۵)۔

﴿لايكلف الله نفساً إلا وسعها﴾ (القرآن)۔

اورشریعت ان چیزوں کو حرام قرار نہیں دیتی جو ناگزیر ہوں۔

[قاضی محمد ہارون مینگل]۔

حدیث:

"لعن الله آكل الربا وموكله وشاهديه وكاتبه وقال: هم سواء" (مسلم)۔

اصول:

"لأن اعتناء الشرع بالمنهیات أشد من اعتنائه بالمأمورات" (الاشباہ والنظائر/۷۸)۔

جدید تعلیم کی تحصیل فرض کفائی ہے اور سود کے لین دین سے بچنا فرض عین ہے، لہذا فرض عین کو چھوڑ کر فرض کفائی کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ شریعت اسلامیہ نے مامورات سے زیادہ منہیات کی جانب اعتناء کیا ہے۔

[دیکھئے مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی]۔

دیگر:

اعلی تعلیم کے لئے قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے کے عدم جواز کی دلیل اکثر حضرات نے یہ دی ہے کہ یہ نہ ضرورت کے درجہ میں ہے اور نہ ہی حاجت کے درجہ میں۔

[مولانا محمد ممتاز خان ندوی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا عبد الحی قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولوی ریحان مبشر قاسمی]۔

اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولوی ریحان مبشر قاسمی لکھتے ہیں:

"شریعت میں ضرورت کا اعتبار کیا گیا ہے، لیکن ہر ضرورت معتبر نہیں، بلکہ اس کے کچھ ضوابط وشرائط ہیں۔ علامہ تقی عثمانی اس سلسلہ میں دو شرائط بیان کرتے ہیں:

۱-"أن تكون الضرورة قائمة لا منتظرة، فيحصل في الواقع خوف الهلاك أو التلف على النفس أو المال"۔

۲-"أن لا يكون لدفع الضرر وسيلة أخرى من المباحات، ويغلب على ظن المبتلى به أن دفع الضرر ممكن بارتكاب بعض المحرمات" (المصباح ۵۵۸، اتحاد بکڈپو دیوبند)۔

ان مذکورہ بالا تفاصیل سے پتہ چلا کہ تعلیمی سلسلہ میں سودی قرض لینے کے حق میں ضرورت کا تحقق نہیں، اس لئے سودی قرض لینا شرعًا ناجائز وحرام ہوگا۔

پھر حاجت کی تعریف کرتے ہوئے وہ ثابت کرتے ہیں یہ حاجت کے دائرہ میں بھی نہیں آتا، وہ لکھتے ہیں:

''حاجت کا اعتبار اسی جگہ ہوگا جہاں نص نہ ہو، اور اگر ہوتو نص کی مخالفت لازم نہ آئے، دوسری شرط یہ ہے کہ حاجت کا اعتبار خود شریعت نے کیا ہو۔''أن تكون نصوص القرآن والسنة صرحت بنفسها باعتبار تلك الحاجة، مثل إباحة لبس الحرير للرجال في المرض والحرب۔

أن يكون أصل الحكم محتملاً، غير صريح في الكتاب والسنة، أو مجتهداً فيه، فحينئذ ترجح الإباحة في مواضع الحاجة، ذلك مثل: كشف المرأة عن وجهها، وأما في المسائل المنصوصة القطعية التي ليست محل اجتهاد، فالظاهر أن الحاجة لا تؤثر فيها، إلا إذا بلغت منزلة الضرورة، لأن الحاجة إذا كانت عامةً، فإنها تنزل منزلة الضرورة (المصباح/ ۵۷۰)۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

المشقة والحرج، وإنما يعتبران في موضع لا نص فيه، وأما مع النص بخلافه فلا، فلذا قال أبو حنيفة ومحمد بحرمة رعي حشيش الحرم وقطعه إلا الإذخر، وجوز أبويوسف رعيه للحرج ورد عليه بما ذكرناه'' (الاشباہ والنظائر/ ۷۲، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ عصری تعلیم کے حوالہ سے سودی قرض لینے میں حاجت کا تحقق نہیں ہوتا، اس لئے سودی قرض لینا شرعًا ناجائز وحرام ہوگا''۔

[دیکھئے مقالہ: مولوی ریحان مبشر قاسمی]۔

مولانا محمد ارشد مدنی کا خیال ہے کہ چونکہ اعلیٰ تعلیم کا حصول فرض نہیں ہے اس لئے اس کی خاطر قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا۔

سوال نمبر ۴: اگر خود طالب علم کی معاشی حالت اس کی متحمل نہیں ہے، لیکن اس کے والد اس کی صلاحیت رکھتے ہیں تو کیا والد کے صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے اسے صاحب استطاعت سمجھا جائے گا، یا قرض کے جائز ہونے اور نہ ہونے کا تعلق طالب علم کے اپنے حالات سے ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں بعض مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ والد کے صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں طالب علم بھی مستطیع سمجھا جائے گا۔

[مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد فاروق]۔

ان حضرات نے اپنی رائے کے حق میں درج ذیل دلائل ذکر کئے ہیں:

''وکذا تجب لولده الكبير العاجز عن الكسب كأنثى مطلقاً، وزمن ..... وطالب علم لا يتفرغ لذلك'' (الدر المختار ۵/ ۳۴۱)۔

رد المحتار میں اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حاصله أن السلف قالوا بوجوب نفقته على الأب، لكن أفتى أبوحامد بعدمه لفساد أحوال أكثرهم، ومن كان بخلافهم نادر في هذا الزمان، فلا يفرد بالحكم، دفعاً لحرج التمييز بين المصلح والمفسد، قال صاحب القنية: لكن بعد الفتنة العامة: يعني فتنة التتار، التي ذهب بها أكثر العلماء والمتعلمين، نرى المشتغلين بالفقه والأدب، الذين هما قواعد الدين، وأصول كلام العرب، يمنعهم الاشتغال بالكسب عن التحصيل، ويؤدي إلى ضياع

العلم والتعطيل، فكان المختار الآن قول السلف، وهفوات البعض لا تمنع الوجوب" (ردالمحتار ۵/۲۴۱-۲۴۲)۔

"إذا كان الابن في حضانة أمه، لم يمنع من الاختلاف لأبيه يعلمه، لأن للأب تعليمه وتأديبه وإسلامه في المكتب والصنائع" (التاج والاکلیل للمواق ۴/۲۱۵)۔

"وإن اختارها – أى الأم – ذكر، فعندها ليلاً، وعند الأب نهاراً، يعلمه الأمور الدينية والدنيوية، على ما يليق به، ويسلمه للمكتب – وهو اسم للموضع الذى يتعلم فيه – وذى حرفة، يتعلم من الأول الكتابة، ومن الثانى الحرفة على ما يليق بحال الولد" (مغنی المحتاج ۳/۴۵۸)۔

"وإذا استغنى الغلام عن الخدمة أجبر الأب أو الوصى أو الولى على أخذه؛ لأنه أقدر على تأديبه وتعليمه" (ردالمحتار نقلا عن شرح المجمع ۵/۲۶۸)۔

"وعن أبى يوسف أنه اعتبر القدرة على النفقة دون المهر، لأنه تجرى المساهلة فى المهر ويعد المهر قادراً عليه بيسار أبيه" (ہدایہ مع الفتح ۳/۱۹۲)۔

"وفى المجتبى البالغ إذا كان عاجزاً عن الكسب وهو صحيح فنفقته على الأب، وهكذا قالوا فى طالب العلم إذا كان لا يهتدى إلى الكسب لا تسقط نفقته عن الأب بمنزلة الزمن والأنثى" (البحر الرائق ۴/۲۱۸)۔

مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی نے اس کے لئے طالب علم میں دو شرطوں کے پائے جانے کو ضروری قرار دیا ہے:

۱- وہ طالب علم "علم نافع" کے حصول کا ارادہ رکھتا ہو، علم رکیک اور علم فلاسفہ میں مشغول نہ ہو۔

۲- وہ واقعی علم نافع میں اپنے اوقات لگا بھی رہا ہو، اور پوری یکسوئی سے اس کے حصول کی کوشش میں مصروف ہو۔

اس رائے کے حق میں انہوں نے فتاوی ہندیہ کی یہ عبارت پیش کی ہے:

''الذكور من الأولاد إذا بلغوا حد الكسب ولم يبلغوا في أنفسهم يدفعهم الأب إلى عمل ليكسبوا أو يؤاجرهم وينفق عليهم من أجرتهم وكسبهم، وقال الإمام الحلواني إذا كان الابن من أبناء الكرام ولا يستأجره الناس فهو عاجز وكذا طلبة العلم إذا كانوا عاجزين عن الكسب لا يهتدون إليه لا تسقط نفقتهم عن آبائهم إذا كانوا مشتغلين بالعلوم الشرعية لا بالخلافيات الركيكة وهذيان الفلاسفة ولهم رشد وإلا لا تجب'' (۱/۵۶۳)۔

اس کے برخلاف مقالہ نگاروں کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ والد کے صاحب استطاعت ہونے سے طالب علم مستطیع نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اس کا تعلق طالب علم کے اپنے حالات سے ہوگا۔

اس رائے کے حاملین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

[حافظ شیخ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا ارشد مدنی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا عبداللہ خالد، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا مصطفی قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولوی ریحان مبشر قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا جمیل احمد نذیری، مفتی محمد جعفر علی رحمانی، مولانا سلطان احمد اصلاحی]۔

ان حضرات نے اپنی رائے کے حق میں درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

''إن الطفل يعد غنياً بغنى أبيه، بخلاف الكبير فإنه لا يعد غنيا بغنى أبيه'' (حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۲۷۰)۔

''أما الكبار، فعلى الظاهر كما سيأتي، وإن لم يكونوا عاجزين، لا نفقة لهم'' (فتح القدیر، کتاب الطلاق ۴/ ۳۷۱)۔

''ولا إلى طفله بخلاف ولده الكبير (إلى) فيجوز لانتفاء المانع (قوله لانتفاء المانع) علة للجميع، والمانع أن الطفل يعد غنياً بغنى أبيه'' (شامی ۲/۷۷۲، فتاویٰ ہندیہ ۱/۱۸۹)۔

مفتی محبوب علی وجیہی لکھتے ہیں:

''اس صورت کو زکوۃ کے مسئلہ پر قیاس کیا جائے گا کہ جس بچہ کے والد صاحب استطاعت ہوں اور وہ بالغ ہو، لیکن وہ صاحب نصاب نہ ہوتو اسے زکوۃ دینا درست ہے اور اگر بچہ نابالغ ہے لیکن اس کے والد صاحب نصاب ہیں تو پھر بچہ بھی صاحب نصاب مانا جائے گا اور اسے زکوۃ دینا درست نہیں ہے، لیکن اگر بچہ کے والدین اس کی کفالت نہ کریں تو اسے زکوۃ دینا بھی درست ہے اور اس بچہ کو سود پر قرض لینا تعلیم حاصل کرنے کے لئے، یہ بھی جائز ہے۔شامی (۲/۱۵) میں ہے:

وإذا كان ولده صغيراً فلا بد عن كونه فقيراً أيضاً لأن الصغير يعد غنياً بغنى أبيه۔

اور زکوۃ میں مسئلہ یہ بھی ہے کہ طالب علم اگر صاحب نصاب ہوتو اسے جب بھی زکوۃ لینا جائز ہے لیکن سود پر قرض لینا جائز نہیں ہوگا، پہلے وہ اپنا مال خرچ کرے، اس کے بعد بدرجۂ مجبوری سود پر قرض لے سکتا ہے''۔

مولانا خورشید احمد اعظمی ''قنیہ'' کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فقہاء نے اس کو علوم دینیہ اور طالب علم کی رشد وصلاح کے ساتھ مقید کیا ہے، لہذا صورت مسئولہ میں طالب علم کے صاحب استطاعت نہ ہونے کے باوجود اس کے لئے سودی قرض لینا جائز نہ ہوگا اور والد کے مستطیع ہونے سے طالب علم صاحب استطاعت نہیں سمجھا جائے گا، علوم جدیدہ عصریہ کے لئے باپ کے اوپر تعلیمی نفقہ واجب نہیں۔

مولانا شوکت ثناء قاسمی اس بات کے دلائل ذکر کرنے کے بعد کہ بلوغ کے بعد شرعاً

باپ پر بچے کا نان ونفقہ اور دیگر اخراجات واجب نہیں ہوتے، لکھتے ہیں:

''فقہاء کی ان تشریحات کی روشنی میں طالب علم کی معاشی حالت اس لائق نہ ہو کہ اعلی تعلیم کے اخراجات برداشت کر سکے، لیکن اس کے والد کے پاس استطاعت موجود ہو اور اب تک کے جملہ اخراجات اس کے والد برداشت کر رہے تھے تو ایسی صورت میں اس طالب علم کے لئے اس قرض اسکیم سے استفادہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ سودی قرض بوقت ضرورت شدیدہ جب کہ اس کا کوئی دوسرا متبادل موجود نہ ہو لینے کی اجازت ہوتی ہے اور یہاں چونکہ والد کو استطاعت ہے اور اب تک اپنے لڑکے کے سارے اخراجات برداشت کر رہے تھے اس لئے اس شخص کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے''۔

مولانا راشد حسین ندوی مذکورہ بالا مختلف دلائل نقل کرنے کے بعد اپنی رائے پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''نابالغ کی تعلیم وتربیت کا ذمہ دار باپ ہوتا ہے، اور شریعت نابالغ کو باپ کی مالداری سے مالدار تسلیم کرتی ہے، لہذا اس عمر میں اگر باپ مالدار ہے تو اس پر اس طرح کی رقمیں صرف کرنا جائز نہیں ہوگا، اور بلوغ کے بعد اس پر اس طرح کی رقمیں صرف کی جاسکتی ہیں، لیکن اگر باپ مالدار ہے اور خرچ کرنے کا عرف بھی موجود ہے، بلکہ وہ خرچ کرنے پر راضی بھی ہے تو اس طرح کی رقمیں صرف کرنا اگر چہ اس حالت میں بھی جائز ہوگا، لیکن مکروہ ہوگا، اس لئے کہ بلا وجہ حلال وطیب سے روگردانی کی جارہی ہے''۔

مولانا عبد التواب اناوی اپنے مقالہ میں لڑکے اور لڑکیوں کے حکم میں فرق واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بالغ لڑکے کی کفالت باپ کے ذمہ واجب نہیں ہے، البتہ بالغ لڑکیوں کی کفالت قبل از نکاح ضرور باپ کے ذمہ ہوتی ہے، لہذا طلبہ علوم عصریہ جدیدہ اپنے احوال میں باپ کی حالت سے علاحدہ رہیں گے، البتہ طالبات علوم عصریہ جدیدہ اپنے باپ کے احوال کے تابع

ہوں گی۔لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ تقسیم عام ہے،صورت مسئولہ کے ساتھ خاص نہیں، کیونکہ صورت مسئولہ میں تو ہر طالب علم استفادہ کرسکتا ہے“۔

مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی ہندوستان کے خاص حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”ہندوستان کے خاص ماحول میں بلوغت کے بعد بھی جب تک لڑکا برسر روزگار نہیں ہوجاتا یا گارجین اسے مشترک خاندان سے الگ نہیں کرتا،عرفاً والد کی استطاعت ہی معتبر سمجھی جاتی ہے۔سرکاری محکموں میں بھی آمدنی کے سرٹیفکٹ میں خاندان کے سربراہ کی آمدنی کا ہی اعتبار ہوتا ہے۔اس لئے عرف کی رعایت کرتے ہوئے میرے نزدیک طالب علم کے پاس اگر استطاعت نہ ہو اور والد صاحب استطاعت ہو اور وہ اپنے لڑکے کو تعلیم دینے کا خواہش مند بھی ہو تو اسے اپنے مال سے خرچ کرنا چاہئے،تعلیمی قرض سود کے ساتھ لینا درست نہیں ہوگا۔

البتہ اگر والد صاحب استطاعت کے باوجود پڑھانا نہیں چاہتے، اور طالب علم اپنی اہلیت کی بنیاد پر آگے پڑھنا چاہتا ہے تو اس حالت میں لڑکے کی استطاعت ہی معتبر ہوگی اور ضرورتاً اس کے لئے تعلیمی قرض لینا درست ہوگا۔والد پر اعلیٰ تعلیم کے لئے مستطیع ہونے کے باوجود جبر نہیں کیا جاسکتا“۔

سوال نمبر ۵: اگر طالب علم یا والد صاحب استطاعت ہوں،اس کے باوجود وہ فی الحال تعلیم میں اپنا پیسہ نہ لگانا چاہیں تو کیا ان کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا؟

اس سوال کے دو اجزاء ہیں:

۱-اگر طالب علم صاحب استطاعت ہو۔

۲-اگر والد صاحب استطاعت ہوں۔

یہ سوال ظاہر ہے کہ ان لوگوں سے متعلق نہیں جو ایجوکیشن لون پر اخذ کردہ سود کو اجرت

خدمت پر محمول کرنے کے قائل ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ بقیہ تمام افراد کی متفقہ رائے ہے کہ طالب علم کے صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ عدم جواز کے قائلین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

[مولانا شاہجہاں ندوی، حافظ شیخ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا عبد اللہ خالد، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد فاروق]۔

اس کی دلیل کے طور پر ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت محض ضرورت یا حاجت کی بنیاد پر دی گئی ہے، اب جب وہ ضرورت اور حاجت ہی نہ رہی تو اس اجازت کی بنیاد ہی منہدم ہوگئی، لہذا اب اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا۔

اس سوال کا دوسرا جز یہ ہے کہ والد کے صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

بعض مقالہ نگاروں کا خیال ہے کہ اس صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا۔

[مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا عبد اللہ خالد، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی]۔

اس سلسلہ میں ان کی دلیل یہ ہے کہ والد کو اس کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ وہ شرعاً اس کا مکلف ہے، گزشتہ سوال کے جواب میں اس کے دلائل بیان ہو چکے ہیں۔

دوسرے بعض حضرات کا خیال ہے کہ والد کے صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں طالب علم کے لئے قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

[حافظ شیخ کلیم اللہ عمری، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا مصطفیٰ

قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد فاروق]۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ سود کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے، اور اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت بحالت مجبوری ضرورت وحاجت کی بناپر دی گئی ہے۔ والد کے صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں یہ حاجت باقی نہیں رہتی، کیونکہ والد پر طالب علم کا نفقہ واجب اوراس کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ہے۔

اس کے دلائل گزشتہ سوال کے جواب میں ذکر ہو چکے ہیں۔

مولانا جمیل احمد نذیری صاحب اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''یہ مجبوری درجہ کی چیز ہے، صاحب استطاعت افراد کے حق میں اس سے احتراز اولی ہے''۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی لکھتے ہیں:

''باپ بیٹے کے صاحب استطاعت ہوتے ہوئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا اسی صورت میں جائز ہوگا جب کہ ان کے اوپر بیٹی کی شادی یا اس جیسی کوئی دوسری ذمہ داری یا ذمہ داریاں ہوں جو تعلیم سے اہم تر ہوں، دوسری صورت میں ان کے لئے اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا''۔

☆☆☆

عرض مسئلہ

بینکوں سے تعلیمی قرض

مفتی جمیل احمد نذیری ☆

فقہ اکیڈمی نے بینکوں سے تعلیمی قرض کے سلسلے میں جو سوالنامہ جاری کیا تھا، اس کے کل ۲۹ جوابات اکیڈمی کے توسط سے راقم سطور تک پہنچے، مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا محمد سلمان پالنپوری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا لطیف الرحمٰن فلاحی، مولانا محمد ارشد المدنی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا عبد اللہ خالد لوہاواڑی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ریحان مبشر مئوی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی اقبال احمد قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آوا پوری، مولانا عبد الحیٔ مفتاحی۔

جدید اعلی تعلیم کے حصول کے بارے میں شریعت کا نقطۂ نظر:

پہلا سوال تھا: جدید اعلی تعلیم کے حصول کے بارے میں شریعت کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ اور

☆ بانی و مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نواده، مبارکپور، اعظم گڑھ (اترپردیش)۔

اس سلسلہ میں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟

اس کے جواب میں سارے مقالہ نگار حضرات نے بقدر ضرورت دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عصری تعلیم بشمول جدید اعلی تعلیم کے حصول کی اجازت دی ہے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ اسلامی دائرے میں ہو، انسانیت کے لئے نافع ہو، حرام علوم کی آمیزش سے پاک ہو۔

مولانا محمد مصطفی قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی اور مولانا راشد حسین ندوی نے علم، حصول علم، عصری تعلیم، خصوصا جدید اعلی تعلیم کے حصول کے بارے میں شریعت کا نقطہ نظر بہت ہی محققانہ اور تفصیل سے لکھا ہے۔

زیادہ تر مقالہ نگاروں نے جدید اعلی تعلیم کے حصول کو جائز قرار دینے پر اکتفاء کیا ہے لیکن بعض حضرات نے تاکیدی جملے استعمال کئے ہیں مثلاً:

جدید اعلی تعلیم خصوصا سائنس وٹکنالوجی کی تعلیم حاصل کرنا واجب وغیرہ ہے (مولانا شاہد علی قاسمی)۔

جدید اعلی تعلیم کا حصول بغرض صحیح مباح بلکہ مستحسن ہے (مولانا عبدالحئ مفتاحی)۔

انسانیت کے لئے نفع بخش اور مفید اعلی تعلیم کا حصول ایک ضرورت (فرض کفایہ) ہے (مولانا عطاء اللہ قاسمی)۔

مسلمان مرد وعورت ان علوم کو حاصل کریں اور ان کو یورپ کے ملحدانہ اثرات سے پاک کرکے اسلامی رنگ میں رنگ دیں (مولانا محمد مصطفی قاسمی)۔

جدید اعلی تعلیم کا حصول فرض کفایہ ہے (مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

اعلی عصری تعلیم کے جن شعبوں سے ملت کا مفاد وابستہ ہو ان کا سیکھنا فرض کفایہ ہے (مولانا راشد حسین ندوی)۔

مسلمانوں کو یہ تعلیم حاصل کرنی چاہئے کیونکہ دینی عزت ووقار کے ساتھ دنیاوی عزت

ووقار کا حصول بھی شریعت کے نزدیک ایک محمود ومطلوب صفت ہے (مفتی جمیل احمد نذیری)۔

اس موضوع پر مقالہ نگار حضرات کے دلائل کم وبیش مشترک ہیں، ایک تو یہی کہ ''الأصل في الأشياء الإباحة'' (الاشباہ ص۹۷) (اشیاء میں اصل اباحت ہے)۔

دوم یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے علم نافع کی دعا مانگی ہے اور علم غیر نافع سے پناہ چاہی ہے (ابن ماجہ ۱/۱۵۴، ترمذی حدیث ۳۴۸۲)۔

سوم یہ کہ حدیث نبوی ہے: ''طلب العلم فريضة على كل مسلم'' (ابن ماجہ حدیث: ۲۲۴) (علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

اس میں فرض عین اور فرض کفایہ، دونوں شامل ہیں، اور شریعت اسلامیہ کے مزاج و ماحول کی رعایت کرتے ہوئے ان علوم کی تحصیل مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ چنانچہ علماء محققین امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وغیرہ نے اپنے اپنے زمانوں میں بہت سے دنیاوی علوم، طب، زراعت، بنائی، سلائی، حساب، لوہاری وغیرہ کی تحصیل، فرض کفایہ قرار دی تھی (احیاء علوم الدین ۱/۱۹، ۲۳، حجۃ اللہ البالغہ، درمختار ورد المحتار ۱/۳۱ وغیرہ)۔

حضرت زید بن ثابتؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے یہودیوں کی زبان عبرانی و سریانی سیکھی (مسند احمد ص۱۵۵۲، ۱۵۹۴)۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی زبان تو فارسی تھی ہی، حضرت ابوہریرہؓ کو بھی فارسی آتی تھی (مشکوۃ ۲/۲۹۳ بحوالہ دارمی)۔

کچھ حضرات نے سورۂ بقرہ کی آیت ''وعلم آدم الأسماء كلها'' (سورۂ بقرہ: ۳۱) سے استدلال کیا ہے، کچھ حضرات کا استدلال ''ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة'' (سورۂ بقرہ: ۲۰۱) سے ہے (دیکھئے: مقالہ: مولانا شاہد علی قاسمی)۔

مولانا اسرار الحق سبیلی لکھتے ہیں کہ حدیث نبوی ''الكلمة الحكمة ضالة الحكيم فحيث وجدها فهو أحق بها'' (ترمذی وابن ماجہ، مشکوۃ ۱/۳۴) میں حکمت سے جدید

تعلیم مراد لینے کی گنجائش ہے۔

تعلیمی قرض میں کم سود، کیا سروس چارج پر محمول کیا جاسکتا ہے؟

سرکاری بینک عام معمول کے برخلاف تعلیمی قرضوں میں کم شرح سود لیتے ہیں اور یہ قرض زیادہ مدت کے لئے دیا جاتا ہے، نیز حکومت کا ادعا ہے کہ اس قرض کا مقصد نفع کمانا نہیں، تو کیا اس کم شرح سود کو سروس چارج (اجرت خدمت) پر محمول کیا جاسکتا ہے؟

اس کے جواب میں دو مقالہ نگار مفتی انور علی اعظمی اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی صاحب لکھتے ہیں کہ تعلیمی قرضوں میں شرح سود کم نہیں ہوتی، بلکہ بھرپور ہوتی ہے کیونکہ فقہ اکیڈمی نے انجینئر طارق سجاد کا جو مضمون بھیجا ہے اس میں لکھا ہے کہ چار سے دس لاکھ میں بینک کی شرح سود ۱۲ فیصد اور ۱۰ فیصد ہوتی ہے اور دس لاکھ سے اوپر میں شرح سود ۱۲ فیصد سے ۱۴ فیصد ہوجاتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ شرح سود کم نہیں ہے اور شرح سود کم ہو یا زیادہ ہر صورت میں سود ہی ہے، اسے سروس چارج نہیں کہا جاسکتا۔

یہی رائے اکثر مقالہ نگاروں کی ہے، وہ شرح سود کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں کرتے، ہر صورت میں سود ہی قرار دیتے ہیں اور سروس چارج پر محمول نہیں کرتے۔

حق المحنت، محنت کے مطابق ہوا کرتی ہے نہ کہ ہر حال میں یکساں، جبکہ سود کی شرح متعین اور ہر حال میں یکساں رہتی ہے (مولانا عطاء اللہ قاسمی)۔

جتنا زیادہ قرض لیا جاتا ہے اسی حساب سے سود میں بھی اضافہ کیا جاتا ہے، اگر بنک تمام قرض لینے والوں سے ایک متعین رقم لیتا، قرض کی مقدار میں کمی زیادہ کا اعتبار نہیں کرتا تو اسے سروس چارج کہا جاسکتا تھا، لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے (مفتی شاہد علی قاسمی)۔

کئی مقالہ نگاروں نے ربا کی تعریف اور اس کے تفصیلی احکام بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ تعلیمی قرض پر سود کی تعریف صادق آتی ہے، اس لئے اسے سروس چارج نہیں کہا جاسکتا مثلاً مولانا عبدالحئی مفتاحی، مولانا اقبال ٹنکاروی، مولوی ریحان مبشر، مولانا محمد ممتاز خان ندوی وغیرہ۔

مفتی محمد شوکت ثنا قاسمی نے تین وجوہ سے اس کے سروس چارج پر محمول کرنے سے انکار کیا ہے ایک تو یہ کہ سروس چارج کی رقم بہت زیادہ نہیں ہوا کرتی جبکہ بنک ان قرضوں پر بارہ فیصد شرح سود عائد کرتا ہے، اگر کوئی شخص چار لاکھ روپئے پانچ سال کے لئے لے رہا ہے تو سود کی مجموعی رقم اصل رقم کے نصف سے بھی زائد ہوجائے گی، دوم یہ کہ سروس چارج کی رقم کسی چیز پر سالانہ فیصد کے لحاظ سے نہیں لی جاتی جبکہ اس رقم پر ہر سال بارہ فیصد کے لحاظ سے رقم لی جاتی ہے، سوم یہ کہ ایک ہی چیز پر سروس چارج کے نام سے ڈبل رقم نہیں لی جاتی جبکہ بنک قرض جاری کرتے وقت سروس چارج کے نام سے مجموعی قرض کی رقم سے دو فیصد کے لحاظ سے رقم وصول کرتا ہے اور سال پر شرح سود الگ ہوتا ہے۔

بہر حال "**کل قرض جرنفعا فهو ربا**" کے تحت اکثر مقالہ نگار اسے سود قرار دے کر حرام کہتے ہیں۔

تین مقالہ نگاروں کی رائے اس کے برعکس ہے، مولانا عبد التواب اناوی لکھتے ہیں کہ وہ سود ہے ہی نہیں، اسے سود نہیں کہا جائے گا، مفتی عبد الرشید قاسمی لکھتے ہیں: اس کم شرح سود کو "**الامور بمقاصدها**" کے تحت سروس چارج پر محمول کرلیا جائے، اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

اگر سروس چارج اجرت مثل کے برابر ہو تو گنجائش ہے (مولانا افتخار احمد مفتاحی)۔

مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا خورشید احمد اعظمی اسے سروس چارج نہیں قرار دیتے البتہ انہوں نے اس میں کچھ ترمیم کر کے جواز کی راہ نکالی ہے۔

کمزور معاشی حالت والے کا اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا:

تیسرا سوال تھا: اگر ایک شخص اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے، یا وہ بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کے معاشی حالات اس کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں، تو کیا اس کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؟

اس کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کے چار نقطۂ نظر سامنے آئے:

پہلا نقطۂ نظر: یہ سودی قرض ہے، شرعی حاجت وضرورت متحقق نہیں، اس لئے جائز نہیں (**مولانا** عبد الحئی مفتاحی، **مولانا** عطاء اللہ قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی ابوسفیان مفتاحی، **مولانا** اشتیاق احمد اعظمی، **مولانا** ریحان مبشر، **مولانا** محمد ارشد مدنی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی محمد سلمان کھلی، **مولانا محمد** ممتاز خاں ندوی)۔

مولانا کلیم اللہ صاحب لکھتے ہیں: یہ تعلیم فرض کفایہ ہے، وسائل وذرائع مہیا ہوں تو ضرور حاصل کرے ورنہ نہیں۔

مولانا ارشد مدنی لکھتے ہیں: جن کے معاشی حالات اعلی تعلیم کے اخراجات کے متحمل نہ ہوں ان پر اعلی تعلیم کا حصول فرض نہیں۔

اس نقطۂ نظر کے قائلین کی نگاہ میں محتاج کے لئے جس سودی قرض کی اجازت دی گئی ہے اس کا یہاں تحقق نہیں، شرعی اعتبار سے یہاں نہ ضرورت کا تحقق ہے، نہ حاجت کا، کیونکہ جدید اعلی تعلیم، اگر کوئی مسلمان حاصل نہ کرے تو وہ ہلاک نہیں ہوجائے گا، لہذا ضرورت کا تحقق نہیں ہوا، اسی طریقہ سے وہ مشقت شدیدہ میں بھی نہیں پڑے گا، لہذا حاجت کا تحقق نہیں، زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ ہے، تو بہت سے ایسے مسلمان ہیں جن کے معاشی حالات کہیں اچھے ہیں اور وہ یہ تعلیم حاصل کر بھی رہے ہیں، لہذا اس کمزور معاشی حالت والے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بہر حال یہ تعلیم حاصل کرے خواہ سودی قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے۔

سود کے لین دین سے بچنا فرض عین ہے، فرض عین کو چھوڑ کر فرض کفایہ ادا کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، جبکہ شریعت اسلامیہ نے مامورات سے زیادہ منہیات کی جانب اعتناء کیا ہے، الاشباہ (ص ۸۷) میں ہے: "**لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمامورات**" (**مقالہ:** مفتی محمد جعفر ملی رحمانی)۔

دوسرا نقطۂ نظر: یہ سودی قرض، حاجت کی بناپر جائز ہے، ان حضرات میں زیادہ تر افراد

نے اشباہ کی اس عبارت کا حوالہ دیا ہے "يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (ص ۱۱۵، البحر الرائق ۶/ ۱۲۷)، ان کے بقول یہاں حاجت، ضرورت کے درجہ میں آ گئی لہذا یہ سودی قرض لینا محتاج کے لئے جائز ہوا، "الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة" (الاشباہ والنظائر القاعدۃ الخامسۃ الضرر یزال)۔

ان حضرات کے خیال میں اگر ایسے اہل افراد، مجبوری کی وجہ سے جدید اعلی تعلیم حاصل نہیں کریں گے تو امت مسلمہ کو شدید نقصان پہنچے گا، اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ جدید اعلی تعلیم سے محروم رہ جائے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے، لہذا اس حاجت کی بنا پر جو کہ انفرادی اعتبار سے بھی ہے اور اجتماعی اعتبار سے بھی، اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش رہے گی (مقالہ: مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مفتی شوکت ثنا قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا اقبال ٹنکاروی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا عبد اللہ بن خالد)۔

مفتی عبد الرشید قاسمی نے اس ضمن میں مسلمانوں کے ساتھ حکومت کے ظالمانہ رویہ کا بھی تذکرہ کیا ہے، یہ رویہ بھی مجبور کرتا ہے کہ اس اسکیم سے ضرورتمند اشخاص فائدہ اٹھائیں اور حکومت کے منصوبوں کو ناکام کریں۔

تیسرا نقطۂ نظر: مفتی شاہد علی قاسمی لکھتے ہیں: اگر اس اسکیم سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تو اعلی تعلیم سے محرومی ہوگی جو ایک مفسدہ ہے، اور اگر اعلی تعلیم حاصل کی جائے تو یہ قرض اسکیم سے فائدہ اٹھائے بغیر ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک مفسدہ ہے، اعلی تعلیم سے محرومی کا مفسدہ بڑا مفسدہ ہے، لہذا اس کی رعایت کرتے ہوئے چھوٹے مفسدہ قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا درست ہوگا۔ موصوف نے اشباہ کی عبارت "إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما" (ص ۱۴۵) کا حوالہ دیا ہے۔

چوتھا نقطۂ نظر: راقم سطور (مفتی جمیل احمد نذیری) نے بانی فقہ اکیڈمی حضرت مولانا

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی ایک تحریر کے حوالہ سے پیش کیا ہے جو حضرتؒ نے گورنمنٹ کے اقتصادی قرضوں کی بابت لکھی ہے، راقم کے خیال میں یہ تحریر اقتصادی قرضوں اور تعلیمی قرضوں دونوں پر یکساں صادق آتی ہے، قاضی صاحبؒ نے پہلے ہندوستان کی حیثیت، یہاں کے جمہوری نظام اور مسلمانوں کی پوزیشن پر بحث کی ہے، پھر سرکاری خزانہ کی ملکیت اور اس سے انتفاع کے حق پر گفتگو کرنے کے بعد لکھا ہے: ''سرکاری خزانہ ایک ایسی دولت ہے جس سے انتفاع کا حق، عام ہندوستانی شہریوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حاصل ہے......اب صورت حال یہ ہے کہ مسلمان اس حق کی تحصیل کے لئے جب آگے آنا چاہتا ہے تو حکومت جس نے اپنے مالیاتی نظام کی بنیاد سود پر رکھی ہے اور فی الحال اکثریت کے فقدان کی وجہ سے ہم اس کی تبدیلی پر قادر نہیں)......اس کا یہ فیصلہ مسلمانوں کے آڑے آتا ہے، پس ایسی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے بدرجہ مجبوری سود دینا اور سود دے کر حق کا حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں: میرے نزدیک اس سوال کا جواب اثبات میں ہے......اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے مسلمانوں کو رخصت حاصل ہے کہ وہ بدرجہ مجبوری سود دے کر اپنا حق حاصل کریں (مباحث فقہیہ/ص ۴۶۸)۔

بطور دلیل قاضی صاحبؒ نے اشباہ کی وہ عبارت نقل کی ہے جو اپنا حق لینے کے لئے رشوت دینے کے جواز کی ہے۔

احقر نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے: حکومت کی اس اسکیم سے جو اعلیٰ تعلیم میں تعاون کی غرض سے ہے، ہندوستان کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو بھی فائدہ اٹھانے کا حق ہے، لیکن یہ حق جڑا ہوا ہے سود سے، لہٰذا قاضی صاحبؒ کے الفاظ میں ''یہ کہنا درست ہے کہ اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے مسلمانوں کو رخصت حاصل ہے کہ وہ بدرجہ مجبوری سود دے کر اپنا حق حاصل کریں''۔

اس اعتبار سے اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کا جواز ہر مسلمان کے لئے رہے گا، خواہ وہ

معاشی اعتبار سے اعلی تعلیم کے اخراجات کا متحمل ہو یا نہ ہو۔

مقالہ نگار حضرات میں سے مولانا محمد شاہجہاں ندوی نے بھی اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کو حق لینے کے لئے رشوت دینے کے جواز پر قیاس کرتے ہوئے جائز کہا ہے۔

کئی مقالہ نگار حضرات نے مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے کہ وہ ایسے طالب علموں کے لئے امدادی ادارے قائم کریں، ایسی اسکیمیں بنائیں جن سے بغیر سود میں ملوث ہوئے، مسلمانوں کے لئے جدید اعلی تعلیم کی راہیں ہموار ہوتی رہیں۔

باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے بیٹے کے صاحب استطاعت ہونے کا معاملہ:

چوتھا سوال تھا: اگر خود طالب علم کی معاشی حالت اس کی متحمل نہیں ہے، لیکن اس کے والد اس کی صلاحیت رکھتے ہیں تو کیا والد کے صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے اسے صاحب استطاعت سمجھا جائے گا، یا قرض کے جائز ہونے اور نہ ہونے کا تعلق طالب علم کے اپنے حالات سے ہوگا؟

اس کے جواب میں مقالہ نگار حضرات نے بالغ اور نابالغ کا فرق کیا ہے، نابالغ بچے کو باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے، صاحب استطاعت قرار دیا ہے، اور بالغ کو باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے صاحب استطاعت نہیں مانا۔

کچھ حضرات نے بالغ طالب علم کو اس معاملے میں باپ کے تابع مانا ہے کیونکہ وہ اپنی تعلیم کی مشغولیت کی وجہ سے کمانے کے لئے فارغ نہیں، اس کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے، لہذا فقر اور غناء میں یہ ذمہ باپ کے تابع رہے گا (مقالہ مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

"وکذا تجب النفقة لولده الکبیر العاجز عن الکسب......وطالب علم لا یتفرغ لذلک" (درمختار ۵/ ۲۷۳)۔

اس سلسلہ میں کچھ مقالہ نگاروں نے بالغ طالب علم کا نفقہ باپ کے ذمہ ہونے میں

طالب علم کے رشد وصلاح اور دینی تعلیم کی قید لگائی ہے (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

"القول بوجوبها الذى الرشد لا غيره" (شامی ۵/۳۴۴)۔

درج ذیل حضرات لکھتے ہیں کہ قرض کے جائز ہونے اور نہ ہونے کا تعلق طالب علم کے اپنے حالات سے ہوگا (مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ریحان مبشر، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی عبدالرشید قاسمی، مولانا عبداللہ بن خالد)۔

جو حضرات، باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے، بالغ بیٹے کو صاحب استطاعت نہیں مانتے، ان کے نزدیک بھی نتیجہ یہ نکلے گا کہ طالب علم کے اپنے حالات کا اعتبار ہوگا مگر ان میں کی اکثریت، محتاج طالب علم بالغ کے لئے بھی اس سودی قرض کو جائز نہیں سمجھتی اور باپ کی ذمہ داری قرار دیتے ہیں کہ وہ بیٹے کی اعلی تعلیم میں بیٹے کے بالغ ہونے کے بعد بھی برابر خرچ کرتا رہے۔

لیکن جن مقالہ نگاروں کے نزدیک اپنا حق لینے کے لئے رشوت دینے کے جواز پر قیاس کر کے اس سودی قرض کے لینے کا جواز ہے جن میں راقم سطور مفتی جمیل احمد نذیری، اور مولانا محمد شاہجہاں ندوی شامل ہیں، ان کے اعتبار سے باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے بالغ بیٹے کے صاحب استطاعت ہونے نہ ہونے کا مسئلہ کچھ موثر نہیں، البتہ جو لوگ حاجت و ضرورت کی بنا پر اس قرض کے جواز کے قائل ہیں، ان کے اعتبار سے یہ مسئلہ زیر غور ہوگا۔

استطاعت کے باوجود قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا:

اس سلسلے کا آخری سوال تھا: اگر طالب علم یا والد صاحب استطاعت ہوں، اس کے باوجود وہ فی الحال تعلیم میں اپنا پیسہ نہ لگانا چاہیں تو کیا ان کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا؟

اس کے جواب میں چند کو چھوڑ کر تقریبا سارے ہی مقالہ نگار حضرات نے قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے کو ناجائز لکھا ہے، یا پھر احتراز کو اولی قرار دیا ہے، اور صاحب استطاعت باپ پر، بیٹے کے تعلیمی اخراجات کی ذمہ داری ڈالی ہے، کچھ مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اگر والد، تعلیم

پر خرچ نہ کریں تو لڑکا بدرجہ مجبوری اس اسکیم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے (مقالہ مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

صرف ایک مقالہ نگار مولانا عبد التواب اناوی لکھتے ہیں کہ جب وہ اجرت عمل و خدمت (بنام سروس چارج) پر محمول ہوگئی تو اب تمام طلبہ علوم عالیہ جدیدہ کے لئے راستہ بالکل صاف ہے، غنی ومحتاج، مذکر ومؤنث، بالغ ونابالغ سب مساوی ہیں بلافرق مراتب۔

☆☆☆

دوسرا باب

ماہرین کی تحریریں

تعلیمی قرض اور ہندوستانی مسلمان

ڈاکٹر ایم آئی باگ سراج

ہمارا معاشرہ معلوماتی معاشرہ ہے، آج کسی معاشرہ کی علمی سطح اقوام عالم کے درمیان اس کی معاشی، سماجی اور سیاسی سطح کا تعین کرتی ہے، تعلیم نے تمام ہی ملکوں اور اقوام کے نزدیک اہم ترین صنعت کی صورت اختیار کرلی ہے، تعلیم کے مختلف شعبہ جات بالخصوص اعلی اور تکنیکی تعلیم تو اس قدر مہنگی ہے کہ متوسط طبقہ بھی اس کا خرچ برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، یہی وجہ ہے کہ وہ اب تعلیمی قرض کا سہارا لینے پر مجبور ہے، بشری اثاثہ میں سرمایہ کاری کو اس بات کے لئے قبول کرلیا گیا ہے کہ وہ مستقبل میں اعلی ترین منافع کا سبب بنے گی، آج تقریبا تمام ہی قومی اور نجی تجارتی بینک سود کی مختلف شرحوں پر تعلیمی قرض فراہم کررہے ہیں۔

سچر کمیٹی رپورٹ سے یہ بات ایک بار پھر واضح ہوگئی ہے کہ ہندوستانی مسلم قوم تعلیم، ملازمت اور سماجی ومعاشی سطح پر دوسری بہت سی اقوام سے پیچھے رہ گئی ہے، لہذا یہ بات مسلم ہے کہ مسلم قوم کو وہ تمام سہولیات فراہم کرنے کی سخت ضرورت ہے جن سے وہ دیگر اقوام کے مساوی تعلیم حاصل کرسکے۔

ایسا نہیں ہے کہ باصلاحیت مسلمان اپنے وسائل کو تعلیم کی سمت میں استعمال نہیں کر رہے ہیں، بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے قلیل وسائل ان کی مذہبی تعلیم کے لئے بھی ناکافی ہیں، اس پر مزید یہ کہ عام مسلمانوں کی ماہانہ آمدنی اتنی کم ہے کہ مدد کے لئے اٹھا

☆ دارالاسود، سری رنگاپٹنم، کرناٹک

ہوا ہر ہاتھ خاندان کی غذائی ضروریات کی تکمیل میں الجھ کر رہ جاتا ہے، اور اعلیٰ تعلیم کے حصول میں ان کی کوئی مدد نہیں کر پاتا جس سے کہ وہ اپنی آمدنی کے دائرہ کو وسیع کر سکیں، اگر ہندوستانی مسلمان اپنے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے انہیں دیگر اخراجات سے کچھ بچت کر کے اپنے بچوں کی تعلیم پر مزید خرچ کرنا ہوگا۔

تعلیمی مصارف:

۱۹۹۴ء میں NCAER کے ذریعہ کئے گئے ایک سروے سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ دیہی ہندوستان میں ۶ سے ۱۴ سال کی عمر کے بچوں کے تعلیمی اخراجات ہر خاندان پر ۶۸۰ روپئے اور سالانہ ایک طالب علم پر ۳۷۸ روپئے ہیں، لڑکیوں کے اسکول کے تعلیمی مصارف لڑکوں کے اخراجات کا ۶۸ فیصد ہیں، ان مصارف کا معتد بہ حصہ کتابوں، اسٹیشنری، اسکول یونیفارم، پرائیوٹ کوچنگ اور فیس پر خرچ ہوتا ہے۔ یہ اخراجات کتابوں، اسٹیشنری اور یونیفارم کی قیمتوں میں تغیر کے لحاظ سے کم و بیش ہوتے رہتے ہیں۔

پرائیوٹ اسکولوں میں جانے والے بچوں کا تناسب زیادہ آمدنی والے گھرانوں میں بہتر ہے، یہ بات دلچسپ ہے کہ درج فہرست ذاتوں اور قبائل سے تعلق رکھنے والے ۷۰ فیصد سے زیادہ بچے حکومتی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، صرف ۴۳ فیصد عیسائی اور ۴۹ فیصد مسلمان بچے حکومتی اسکولوں کا رخ کرتے ہیں، جبکہ بقیہ عیسائی بچوں میں سے بیشتر حکومت سے امداد یافتہ اداروں میں تعلیم پاتے ہیں۔

مسلمان، درج فہرست ذاتوں اور قبائل سے تعلق رکھنے والے افراد تعلیم پر نسبتاً کم خرچ کرتے ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنی گھریلو آمدنی کا صرف تین فیصد حصہ تعلیم پر خرچ کرتا ہے۔

درج ذیل جدول ہندوستان کے دیہی اور شہری علاقوں میں تعلیمی اخراجات کے اعداد و شمار پیش کرتا ہے:

Percentage Share of Household Expenditure on Education in Total Household Expenditure

	Occupational Categories	Rural	Urban
MIMAP✿ - only poor			
	Self employed Farm	3.71%	3.50%
	Self employed Non Farm	1.47%	5.73%
	Salary	3.97%	5.58%
	Agricultural Wage	2.31%	3.59%
	Non-agricultural Wage	2.47%	3.51%
	Others	3.13%	7.99%
	All	2.87%	5.04%
NSSO✿✿			
	Poor	0.79%	1.66%
	Total (poor & Non-poor)	1.60%	4.00%

Notes:

✿Micro Impacts of Macroeconomic and Adjustment Policies Survey 1994-95 (NCAER)

✿✿Excludes boarding and lodging costs for education and also transport cost. Source National Sample Survey Organisation

مسلم گھرانوں میں تعلیم پر ہونے والے اخراجات کے اعداد وشمار تو دستیاب نہیں، لیکن یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قومی اخراجات کے مقابلہ میں اس کا تناسب کم ہے، چنانچہ تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے یہ بات انتہائی اہم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم پر ہونے والے اخراجات کے لئے اپنی کمائی کا مزید حصہ مخصوص کریں۔

درج ذیل جدول ہندوستان کی مختلف ریاستوں کی تعلیمی ترقی کا خاکہ پیش کرتا ہے:

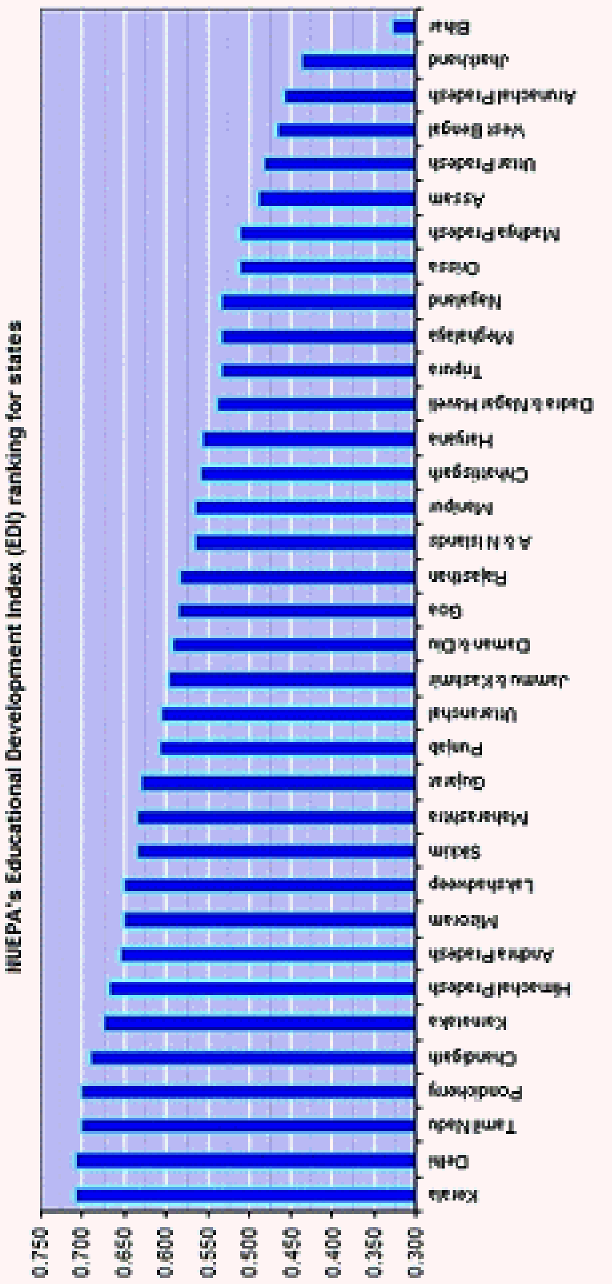

آٹھ نمایاں ریاستوں میں پانچ جنوبی ریاستیں کیرالہ، تمل ناڈو، پانڈیچری، کرناٹک اور آندھرا پردیش، اور تین شمالی ریاستیں دہلی، چنڈی گڑھ اور ہماچل پردیش ہیں۔

اس اشاریہ میں بہار سب سے نیچے ہے اور اس کے بالکل اوپر جھارکھنڈ ہے جو جغرافیائی اور تعلیمی ترقی کے اشاریہ دونوں لحاظ سے بہار کا پڑوسی ہے، اگر آنے والی دہائیوں میں

ملک کی بقیہ ریاستیں جھارکھنڈ، بہار اور مغربی بنگال کی صف میں نہیں آنا چاہتیں تو ان ریاستوں کے افراد اور بالخصوص حکومت کو ان علاقوں پر فوری اور اہم توجہ دینی ہوگی۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ مغربی بنگال اس اشاریہ کی آخری صف میں کھڑا ہے، بنیادی تعلیم سے اس کی یہ دوری یقیناً حیران کن ہے۔

ہائی اسکول، انٹرمیڈیٹ، گریجویشن، پوسٹ گریجویشن اور پیشہ ورانہ تعلیم کی قیمتیں دن بدن بڑھتی جارہی ہیں، انجینئرنگ کی تعلیم میں تقریباً چار لاکھ کا خرچ آتا ہے، اگر آپ ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں اور خصوصی نشست حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں تو بھی اس کا خرچ دس لاکھ کے قریب ہے، بصورت دیگر یہ چالیس لاکھ سے ساٹھ لاکھ تک ہوسکتا ہے۔ ایم بی اے کے اخراجات ساڑھے تین لاکھ سے چھ لاکھ تک ہوسکتے ہیں، اور ایک کامرس یا مینجمنٹ گریجویٹ کو اپنی تعلیم پر ایک سے دو لاکھ روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے، تین سالہ ڈپلومہ کا خرچ بھی ایک لاکھ سے کم نہیں ہوتا، بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کی صورت میں یہ اخراجات انتہائی گراں ہوجاتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ ایک متوسط خاندان اعلی تعلیم کے اخراجات کا یہ بار گراں اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

تعلیم کے لئے سرمایہ کی فراہمی کے وسائل:

تعلیم کے لئے سرمایہ فراہم کرنے والے وسائل میں سب سے مقبول وہ لون ہیں جو بینکوں سے حاصل کئے جاتے ہیں، قومی اور ریاستی سطح پر حکمت عملی وضع کرتے وقت اس بات کو یقینی بنایا جاتا ہے کہ عوام کی یہ بنیادی ضرورت عوامی اور نجی شعبہ جات کے مناسب اقدامات کے ذریعہ پوری ہوسکے۔ ایک طرف حکومت بنیادی تعلیم فراہم کرنے کی پوری کوشش کررہی ہے تو دوسری طرف اعلی تعلیم رفتہ رفتہ نجی شعبہ تک محدود ہوتی جارہی ہے۔ حکومت کی جانب سے رعایتوں میں مسلسل کمی کے سبب اعلی تعلیم کافی مہنگی ہوگئی ہے، اور اسی کے ساتھ اس میدان میں باضابطہ طور پر سرمایہ کی فراہمی کی ضرورت زور پکڑتی جارہی ہے۔

ایک اسٹڈی گروپ کی سفارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے انڈین بینکنگ اسوسی ایشن نے ۲۰۰۱ء میں ایجوکیشن لون اسکیم کا ایک خاکہ تیار کیا، ۲۸/اپریل ۲۰۰۱ءکو ریزرو بینک آف انڈیا نے ایک سرکلر کے ذریعہ تمام بینکوں کو اس کے نفاذ کا مشورہ دیا، اس کے ساتھ وہ اصلاحات اور اضافہ جات بھی تھے جو ہندوستانی حکومت نے اس میں کئے تھے۔ ۲۰۰۴ء-۲۰۰۵ء میں وزیر خزانہ کی بجٹ تقریر میں کئے گئے اعلانات کے مطابق انڈین بینکنگ اسوسی ایشن نے چار لاکھ سے ساڑھے سات لاکھ تک کے تعلیمی قرضوں پر لاگو ہونے والے ضمانتی معیارات میں کچھ تبدیلیاں کیں، اس کا نظر ثانی شدہ خاکہ اسٹڈی گروپ کی سفارشات اور مشوروں کو مدنظر رکھ کر تیار کیا گیا۔

۲-اسکیم کے مقاصد:

ایجوکیشنل لون اسکیم کا مقصد ضرورت منداور باصلاحیت طلبہ کو مالی امداد فراہم کرنا ہے، تاکہ وہ ملک یا بیرون ملک میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکیں، اس کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ باصلاحیت طلبہ خواہ وہ غریب ہوں انہیں بینکنگ نظام سے آسان شرائط پر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مالی امداد فراہم کی جائے۔کوئی بھی ذی استعداد طالب علم محض اقتصادی مجبوریوں کی بناپر اعلیٰ تعلیم سے محروم نہیں رہنا چاہئے۔

۳-اسکیم کا انطباق:

تمام تجارتی بینک اس اسکیم کو اختیار کرسکتے ہیں، اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے تعلق سے اس میں بینک کے لئے تفصیلی ہدایات فراہم کی گئی ہیں، بینک کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اس میں طلبہ اور والدین کی سہولت کے لئے کچھ تبدیلیاں کرے اور اسے مزید پرکشش بنا کر پیش کرے۔

اسکیم کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

۴-اہلیت کا معیار:

۴-الف: طالب علم کی اہلیت:

۱-ہندوستان میں:

☆ہندوستان کا شہری ہو۔

☆اس نے ہندوستان یا بیرون ملک میں داخلہ امتحان یا میرٹ کی بنیاد پر انتخاب کے ذریعہ پیشہ ورانہ یا تکنیکی کورسز میں داخل حاصل کرلیا ہو۔

۴-ب: کورسز جو اس کے اہل ہیں:

☆گریجوشن کورسز: بی اے، بی کام، بی ایس سی وغیرہ۔

☆پوسٹ گریجوشن کورسز: ماسٹرز اور پی ایچ ڈی۔

☆پیشہ ورانہ کورسز: انجینئر نگ، میڈیکل، زراعت، جانوروں کی ڈاکٹری، قانون، دانت سازی، مینجمنٹ، کمپیوٹر وغیرہ۔

☆معروف اداروں میں کمپیوٹر کے سرٹیفیکیٹ کورس جو ڈپارٹمنٹ آف الکٹرانکس سے منظور شدہ ہوں یا کسی یونیورسٹی سے ملحق ادارے کا کورس۔

☆آئی سی ڈبلیو اے، سی اے اور سی ایف اے جیسے کورسز۔

☆وہ کورسز جو آئی آئی ایم، آئی آئی ٹی، آئی آئی ایس سی، ایکس ایل آر آئی، این آئی ایف ٹی وغیرہ کے ذریعہ منعقد ہوتے ہیں۔

☆ریگولر ڈگری یا ڈپلومہ کورسز مثلاً پائلٹ ٹریننگ اور شپنگ وغیرہ جو متعلقہ ڈائریکٹر جنرل سے منظور شدہ ہوں، یہ اس صورت میں ہے جبکہ یہ کورس ہندوستان میں کیا جائے، بیرون ملک سے کورس کرنے کی صورت میں اس ملک کی متعلقہ انتظامیہ سے اس کی منظوری ضروری ہے۔

☆ہندوستان میں مختلف بین الاقوامی مؤقر یونیورسٹیز کے ذریعہ فراہم کئے جانے والے کورسز۔

☆ منظور شدہ اداروں کے شام کے کورسز۔

☆ وہ کورسز جو قومی ادارے اور دیگر معروف پرائیوٹ ادارے فراہم کرتے ہیں۔

☆ وہ کورسز جو اوپر ذکر کئے گئے معیار پر پورے نہ اترتے ہوں، کچھ بینک ان کے بارے میں غور کر کے انہیں بھی شامل کر سکتے ہیں۔

۲-بیرون ملک:

☆ گریجویشن: پیشہ ورانہ یا تکنیکی کورسز۔

☆ وہ کورسز جو معروف یونیورسٹیاں فراہم کرتی ہیں۔

☆ پوسٹ گریجویشن: ایم سی اے، ایم بی اے، ایم ایس وغیرہ۔

☆ وہ کورسز جو CIMA لندن میں اور CPA امریکہ میں فراہم کرتا ہے۔

۴-ج: مصارف جن کے لئے لون ملتا ہے:

☆ فیس-کالج، اسکول یا دارالاقامہ کی۔

☆ امتحان، لائبریری اور تجربہ گاہ کی فیس۔

☆ کتابوں، آلات اور یونیفارم وغیرہ کی خریداری کا خرچ۔

☆ ضمانتی رقم، تعمیراتی فنڈ، قابل واپسی رقم وغیرہ، اس کے لئے یہ شرط ہے کہ یہ رقم مکمل ٹیوشن فیس کے دس فیصد سے زائد نہیں ہونی چاہئے۔

☆ بیرون ملک تعلیم کی صورت میں سفر کے اخراجات۔

☆ کمپیوٹر کی خریداری اور کورس کی تکمیل کے لوازمات کے اخراجات۔

☆ بیمہ معاہدہ کی قسط۔

☆ کورس کی تکمیل کی راہ میں دیگر تمام اخراجات مثلاً تعلیمی دورے، پروجیکٹ ورک، مقالہ وغیرہ کے اخراجات۔

۵-سرمایہ کی فراہمی کی اجازت یافتہ مقدار:

ضرورت کے وقت سرمایہ کی فراہمی دراصل طالب علم یا والدین کی استطاعت پر منحصر ہوتی ہے کہ آیا وہ رقم واپس کر سکتے ہیں یا نہیں، اس کا مارجن اور آخری حد درج ذیل ہیں:

ہندوستان میں تعلیم کے لئے: زیادہ سے زیادہ دس لاکھ روپئے۔

بیرون ملک تعلیم کے لئے: زیادہ سے زیادہ بیس لاکھ روپئے۔

۶-مارجن:

چار لاکھ تک	کچھ نہیں۔
چار لاکھ سے زائد ہندوستان میں	۵ فیصد۔
چار سے زائد بیرون ملک	۱۵ فیصد۔

☆ اسکالرشپ اور اسسٹنٹ شپ مارجن میں داخل ہے۔

☆ مارجن کو سالانہ بنیاد پر کیا جاسکتا ہے جبکہ ادائیگی صحیح تناسب سے ہو۔

۷-ضمانت:

چار لاکھ تک : والدین کی مشترک ذمہ داری، کوئی ضمانت نہیں۔

چار لاکھ سے ساڑھے سات لاکھ تک: والدین کی مشترک ذمہ داری کے ساتھ قرض کی ضمانت کے طور پر مناسب تیسرے شخص کی ضمانت، استثنائی صورتوں میں اگر بینک چاہے تو والدین جنہوں نے مشترک قرضدار کی حیثیت سے معاہدہ کیا ہے ان پر اطمینان کرتے ہوئے تیسرے شخص کی ضمانت کی شرط ختم کر سکتا ہے۔

ساڑھے سات لاکھ سے زائد: والدین کی مشترک ذمہ داری کے ساتھ بطور ضمانت غیر منقولہ جائداد کو رہن رکھنا جو مناسب قیمت کی ہو، ساتھ ساتھ اقساط کی ادائیگی کے لئے طالب علم کی مستقبل میں آمدنی کا ہبہ نامہ۔

۸-شرح سود:

چار لاکھ تک	-	BPLR
چار لاکھ سے زائد	-	BPLR+ایک فیصد

☆ ادائیگی کی مہلت تک مفرد سود عائد ہوگا۔

☆تعزیری سود مختلف بینکوں کے اپنے اپنے قوانین کے لحاظ سے عائد ہوگا۔

۹-تفتیش رمنظوری رادائیگی:

☆ ایک عام کورس کے سلسلہ میں جانچ کرتے وقت طالب علم کی مستقبل میں آمدنی کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔البتہ بعض صورتوں میں بوقت ضرورت والدین کا بھی اس ناحیہ سے جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ آیا وہ رقم واپس کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں۔

☆لون انتظامیہ کے ذریعہ ترجیحی بنیاد پر والدین کی جائے سکونت سے قریب ترین شاخ سے جاری کیا جاتا ہے۔

☆تعلیمی قرض کے لئے موصول شدہ کوئی بھی درخواست اگلے با اختیار اشخاص کی اتفاق رائے کے بغیر نامنظور نہیں کی جاسکتی۔

☆لون بقدر ضرورت مختلف مرحلوں میں بلاواسطہ طور پر ادارہ، کتاب فروش اور آلات فروش کو ممکن حد تک ادا کیا جائے گا۔

۱۰-قرض کی واپسی:

واپسی کی مہلت- کورس کی مدت + ایک سال یا ملازمت کے حصول کے بعد چھ مہینہ (ان میں جو مدت پہلے پوری ہوجائے)۔

☆رقم کی واپسی کے آغاز سے پانچ تا سات سال کے اندر لون واپس کرنا ہوتا ہے، اگر طالب علم متعینہ وقت کے اندر کورس کی تکمیل نہ کر سکے تو زیادہ سے زیادہ دو سالوں کے لئے اسے مزید مہلت دی جاسکتی ہے، اگر طالب علم کچھ ایسی وجوہات کی بنا پر کورس مکمل نہ کر سکے جو اس

کے بس میں نہ ہوں تو قرض کی منظوری دینے والے با اختیار افراد اگر چاہیں تو کورس کی تکمیل کے لئے مطلوبہ وقت تک مزید مہلت دینے کے بارے میں غور کر سکتے ہیں۔

☆قرض کی ادائیگی کی مہلت کے درمیان حاصل ہونے والا قرض اصل رقم میں جوڑا جاتا ہے اور واپسی برابر ماہانہ اقساط میں متعین ہوتی ہے۔

☆لون لینے والوں کو ایک فیصد کی رعایت دی جاسکتی ہے اگر سود کی رقم اسکیم کے مطابق متعین کردہ تعلیم کی مدت ہی میں ادا کر دی جائے۔

۱۱ - انشورنس :

بینک ان طلبہ کے لئے جو تعلیمی قرض حاصل کرتے ہیں لائف انشورنس کی سہولت فراہم کر سکتے ہیں، مختلف بینک مختلف انشورنس کمپنیوں کے ساتھ مل کر خصوصی طریقہ کار وضع کر سکتے ہیں۔

۱۲ - تفتیش :

بینک قرض حاصل کرنے والے طالب علم کے ادارے یا یونیورسٹی سے مستقل ربط رکھ کر ذمہ داروں سے طالب علم کی ترقی رپورٹ مناسب وقفہ سے حاصل کرتا رہتا ہے، بیرون ملک تعلیم کی صورت میں بینک طالب علم کا UIN یا شناختی کارڈ نمبر اپنے ریکارڈ میں محفوظ رکھ سکتا ہے۔

۱۳ - پروسیسنگ چارجز :

ہندوستان میں تعلیم کے لئے حاصل کئے گئے تعلیمی قرضہ جات پر کوئی پروسیسنگ چارج نہیں لیا جائے گا۔

۱۴ - اہلیت کا ثبوت :

وہ طلبہ جو اعلی تعلیم کے لئے بیرون ملک جا رہے ہوں، بینک انہیں اہلیت کا ثبوت جاری کر سکتا ہے، اس مقصد کے لئے بوقت ضرورت درخواست گزار سے ضروری کاغذات طلب کئے جاسکتے ہیں۔

(کچھ بیرونی یونیورسٹیاں طلبہ سے ایسے دستاویزات کا مطالبہ کرتی ہیں جو ان کے بینکرز کی جانب سے اس بات کا ثبوت ہوں کہ ان کے قرض کی ذمہ داری لینے والے قرض ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، تاکہ وہ اس بات کو یقینی بنا سکیں کہ طلبہ کے کورس کی تکمیل تک ان کے اسپانسر ان کے اخراجات برداشت کرسکتے ہیں۔

۱۵ -دیگر شرائط:

الف- وہ بینک جو استثنائی طور پر غیر معمولی استعداد کے طلبہ کو بغیر ضمانت کے تعلیمی قرض فراہم کرنا چاہتے ہوں، وہ اس قسم کے اختیارات اونچے درجے کے بااختیار افراد کے سپرد کرسکتے ہیں۔

ب- ایک سے زائد لون:

ایک ہی خاندان سے متعدد یا ایک سے زائد تعلیمی قرضوں کے لئے درخواست وصول ہونے کی صورت میں خاندان ایک اکائی سمجھا جائے گا اور پوری رقم کے بقدر ضمانت درکار ہوگی۔

ج -عمر کی ادنی حد:

تعلیمی قرض کے حصول کے لئے عمر کی کوئی ادنی ترین حد نہیں ہے۔

د- پتہ کی تبدیلی:

بار بار یا کبھی پتہ تبدیل ہونے کی صورت میں بینک مراسلت کا پتہ نوٹ کرنے کی سہولت فراہم کرسکتا ہے تاکہ وہ ان سے رابطہ میں رہے۔

☆ بینک اہلیت کی حد کے اندر طلبہ کو مزید تعلیم کے لئے مزید لون فراہم کرسکتا ہے اور اس میں تبدیلی کرسکتا ہے، اس صورت میں وہ مطلوبہ ضمانت کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

و- قرض کی واپسی کی ذمہ داری قبول کرنے والے طالب علم کے والدین یا سرپرست ہوسکتے ہیں، اگر وہ شخص شادی شدہ ہے تو اس کی بیوی، شوہر یا ساس وسسر بھی یہ ذمہ داری لے سکتے ہیں۔

درج ذیل بینک طلبہ کو تعلیمی قرض فراہم کرتے ہیں:

بینک کا نام	State Bank of India
ویب سائٹ	http:/www.statebankofindia.com
شرح سود	لون کی ادائگی کے وقت بینک کی پالیسی کے مطابق
لون کی زیادہ سے زیادہ مقدار	ہندوستان میں دس لاکھ روپے بیرون ملک بیس لاکھ روپے
فارم ڈاؤن لوڈ کرنے کا لنک	http://www.sbi.co.in/viewsection.jsp?id=0,1,20,118

بینک کا نام	Allahabad Bank
ویب سائٹ	http://www.allahabadbank.com
شرح سود	لون کی ادائگی کے وقت بینک کی پالیسی کے مطابق
لون کی زیادہ سے زیادہ مقدار	ہندوستان میں ساڑھے سات لاکھ روپے بیرون ملک ۱۵ لاکھ روپے
فارم ڈاؤن لوڈ کرنے کا لنک	http://www.allahabadbank.com/educationloan.htm

بینک کا نام	Union Bank of India
ویب سائٹ	http://www.unionbankofindia.com
شرح سود	لون کی ادائگی کے وقت بینک کی پالیسی کے مطابق
لون کی زیادہ سے زیادہ مقدار	ہندوستان میں ساڑھے سات لاکھ روپے بیرون ملک ۱۵ لاکھ روپے
فارم ڈاؤن لوڈ کرنے کا لنک	http://www.unionbankofindia.co.in/ln _Union_Education.aspx

بینک کا نام	Bank of Broda
ویب سائٹ	http://www.bankofbaroda.com
شرح سود	لون کی ادائگی کے وقت بینک کی پالیسی کے مطابق
لون کی زیادہ سے زیادہ مقدار	ساڑھے سات لاکھ روپے
فارم ڈاؤن لوڈ کرنے کا لنک	http://www.bankofbaroda.com/pfs/eduloan.asp

بینک کا نام	UCO Bank
ویب سائٹ	http://www.ucobank.com
شرح سود	لون کی ادائگی کے وقت بینک کی پالیسی کے مطابق
لون کی زیادہ سے زیادہ مقدار	ہندوستان میں ساڑھے سات لاکھ روپے بیرون ملک ۱۵ لاکھ روپے
فارم ڈاؤن لوڈ کرنے کا لنک	http://www.ucobank.com/loan.htm#EDUCATIONALLOAN

بینک کا نام	Bank of India
ویب سائٹ	http://www.bankofindia.com
شرح سود	لون کی ادائگی کے وقت بینک کی پالیسی کے مطابق
لون کی زیادہ سے زیادہ مقدار	ہندوستان میں دس لاکھ روپے بیرون ملک بیس لاکھ روپے
فارم ڈاؤن لوڈ کرنے کا لنک	http://www.bankofindia.com/Home/productsservices/eduloans.asp

بینک کا نام	Oriental Bank of Commerce
ویب سائٹ	http://www.obcindia.com
شرح سود	لون کی ادائگی کے وقت بینک کی پالیسی کے مطابق

لون کی زیادہ سے زیادہ مقدار	ہندوستان میں دس لاکھ روپے بیرون ملک بیس لاکھ روپے
فارم ڈاؤن لوڈ کرنے کا لنک	دستیاب نہیں ہے۔

تعلیم کے لئے سرمایہ کی فراہمی کے دیگر ذرائع:

چونکہ سود مسلمانوں کے لئے حرام ہے لہذا وہ غیر سودی تعلیمی قرض، اسکالرشپ، زکوۃ اور اوقاف ایجنسیوں کے ذریعہ سرمایہ کی فراہمی کا کوئی ذریعہ تلاش کرتے ہیں، بہرحال یہ ذرائع ناکافی ہیں اور اسی لئے مسلم طلبہ کو تعلیمی قرض فراہم کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

سچر کمیٹی رپورٹ کے پیش ہونے کے بعد مرکزی حکومت نے کم آمدنی والے مسلم خاندانوں کے لئے پری میٹرک، پوسٹ میٹرک اور ڈگری سطح کی تعلیم کے لئے چند تعلیمی وظائف کا سلسلہ شروع کیا ہے، مرکزی حکومت کے تحت مولانا آزاد ایجوکیشنل فاؤنڈیشن اور چند ریاستوں کے اقلیتی مالیاتی اداروں نے بھی مسلم طلبہ کے لئے کچھ خصوصی وظائف کی شروعات کی ہے، بہرحال ان کا افسر شاہی طریقہ کار ان وظائف کی ادائیگی کی راہ میں مختلف رکاوٹیں کھڑی کر رہا ہے، سعودی عرب کا اسلامی ترقیاتی بینک وہ واحد ادارہ ہے جو ہر سال ایسے ایک سو بیس مسلم طلبہ کو غیر سودی قرض اور وظائف فراہم کرتا ہے جنہوں نے کسی پیشہ ورانہ کورس میں داخلہ حاصل کرلیا ہو۔

دیگر تمام ذرائع بھی مسلم طلبہ کی تعلیم اور مسلم معاشرہ کی ترقی کے لئے کافی نہیں ہیں، اسی لئے ہمیں مرکزی حکومت سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ ہندوستان میں غیر سودی اسلامی بینکنگ کو ممکن بنائے اور غیر سودی تعلیمی قرض فراہم کرے، ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی ترقی اس کے بغیر ناممکن ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض(Educational Loan)

انجینئر طارق سجاد☆

ہندوستان کا تعلیمی پس منظر :

گذشتہ ایک دہائی سے ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کا منظر نامہ بالکل بدل چکا ہے۔نئی نسل میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے اور خاص طور پر ویکیشنل اور پروفیشنل کورسز کو کرنے کے لئے ایک ہوڑسی لگی ہے۔چنانچہ 17ہزار کالجز'400یونیورسٹیاں اور13قومی سطح پر مقبول و معروف تعلیمی ادارے(NIT, IISC,IIIT, IIM, IIT)وغیرہ تعلیمی ادارے بھی اب جدید اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیئے ناکافی ہورہے ہیں۔آج سے چند سال قبل ان اعلیٰ تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل کرنے کے اخراجات ہر طالب علم کے لئے اٹھانا ممکن نہیں تھا نتیجتاً ایسے ذہین اور ہونہار طلبا و طالبات صرف مالی پریشانی کی وجہ کر ان اعلیٰ تعلیمی اداروں کے مسابقتی (Competative)امتحانات میں کامیاب ہونے کے باوجود ان اداروں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے تھے۔غرض یہ کہ ایسے باصلاحیت نوجوان صرف مالی پریشانیوں کے سبب تعلیم چھوڑ کر مجبوراً کچھ چھوٹے موٹے روزگار میں لگ جاتے تھے۔

اس پس منظر میں جب ہم مسلمانوں کی نئی نسل کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ اور بھی ابتر نظر آتی ہے۔زیادہ تر مسلم بچے میٹرک اور پلس ٹو آتے آتے ڈراپ آؤٹ ہوجاتے ہیں اور جو چند باقی رہ جاتے ہیں وہ مالی دشواریوں کی بنا پر نہ اچھی کوچنگ حاصل کرسکتے

☆ سکریٹری مرکز ادب وسائنس۔

ہیں اور نہ ہی ان مسابقتی امتحانات میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔غرض اس طرح کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کی فیصد محض 4% - 2% تک ہی رہ پاتی ہے۔حالیہ سچر کمیٹی کی رپورٹ نے اس طرف واضح نشاندہی کی ہے۔

تعلیمی وظیفہ (Scholarship) اور قرض (Loan):

سرکاری اور چند غیر سرکاری اداروں نے ایسے ذہین طلباء و طالبات کے لئے کچھ مخصوص وظائف کا اہتمام کیا ہے جو مالی طور سے تعلیم حاصل کرنے میں قاصر رہتے ہیں لیکن ان وظائف کی تعداد بہت کم رہتی ہے اور یہ بیشتر ضرورت مند طلباء تک نہیں پہنچ پاتی ہے۔ البتہ حکومتِ ہند نے حالیہ سچر کمیٹی کی سفارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے وزارت اقلیتی امور (Ministry of Minority Affairs) نئی دہلی اور مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے تحت کئی طرح کے اسکالرشپ کا اعلان کیا ہے جسکی تفصیل آگے پیش کی جارہی ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے بڑھتے ہوئے رجحان اور تعلیمی اخراجات کے روز افزوں اضافے کے سبب کئی پرائیوٹ اور نیشنلائزڈ (Nationalised) بینک طلباء کو تعلیمی قرض دینے کے لئے سامنے آئے ہیں۔ چند بینک جو طلباء و طالبات کو تعلیمی قرض دے رہے ہیں انکے نام اس طرح ہیں الہ آباد بینک، پنجاب نیشنل بینک، انڈین بینک، اسٹیٹ بینک آف انڈیا، سنٹرل بینک، HDFC بینک، IDBI بینک وغیرہ ریزرو بینک آف انڈیا (RBI) کے حالیہ اعداد وشمار کے مطابق مختلف بینکوں کے ذریعہ دی جانے والی تعلیمی قرض گذشتہ سال ۹۹۶۲ کروڑ سے بڑھ کر پندرہ ہزار کروڑ ہوگئی، یعنی تقریباً ۵۱ فی صد کا اضافہ ہوا۔ان بینکوں سے تعلیمی قرض کا حصول کس طرح سے ہو اولاً اس کی جانکاری مسلم طلباء و طالبات کو نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو انکی شرائط اور انکے سود کی شرح (Interest rate) اتنی ہوتی ہے کہ مسلم طلباء و طالبات اس طرح کے لون (قرض) کو ترجیح نہیں دیتے۔ آیئے ہم ان بینکوں کے ذریعہ تعلیمی قرض کے حصول کی تفصیلات کو مطالعہ کریں۔

بینکوں کے ذریعہ دیئے جانے والے تعلیمی قرض:

کوئی بھی طالب علم کسی بھی ایسے پروفیشنل یا ویکیشنل، گریجویٹ یا پوسٹ گریجویٹ کورسز کے لئے ان بینکوں سے لون حاصل کر سکتا ہے جو کہ حکومت کے یو جی سی (UGC)، AICTE یا اسی طرح کے مرکزی اداروں سے منظور شدہ ہوں۔ کچھ بینکس پرائیوٹ اداروں کے ذریعہ چلائے جانے والے کورسز کے لئے بھی لون فراہم کرتے ہیں لیکن ترجیح ایسے کورسز کو ہی ملتی ہے جو ریاستی یا مرکزی حکومت سے منظور شدہ ہوں۔

عمومی طور پر بینک ایک امیدوار کو ہندوستان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ 10 لاکھ کا قرض فراہم کرتا ہے۔ اور جو بیرون ملک میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں انکے لئے 20 لاکھ تک۔ یہ رقم بینک کے ذریعہ ٹیوشن فیس کی ادائیگی، کورس بک کی خریداری، روزمرہ کے اخراجات اور ہوسٹل چارجز، کمپیوٹر یا کسی قسم کے آلات (Instruments) کی خریداری کے لئے دی جاتی ہے۔ عام طور پر یہ بینک 4 لاکھ تک کے قرض میں کسی طرح کا سود (Interest) نہیں لیتا۔ 4 سے 10 لاکھ میں بینک کی شرح 12% - 10% اور 10 لاکھ سے اوپر قرض لینے پر 14% - 12% سالانہ تک ہوتی ہے۔ قرض کی رقم کو لینے کے لئے امیدوار کے والدین کو گارنٹر (Guarantor) بننا پڑتا ہے۔ اور بینک لون دیتے وقت والدین کی مالی صورتِ حال کی تحقیق و تفتیش بھی کرتا ہے۔

دورانِ تعلیم اور تعلیم کے مکمل ہونے کے 6 مہینے سے ایک سال تک بینک امیدوار سے لون کی رقم واپس کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا لیکن امیدوار کو روزگار ملتے ہی یا تعلیم مکمل ہونے کے ایک سال کے بعد سود کے ساتھ تمام قرض کی رقم کی ادائیگی پانچ سے سات سالوں کے اندر بینک کو کرنی پڑتی ہے۔ جو امیدوار کسی وجہ سے قرض کی ادائیگی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نہیں کرتا ہے تو بینک اسکے گارنٹر سے لون کے رقم کی وصولی کرنے کا حق رکھتا ہے۔ بینک شروعات کے دو سے تین سالوں میں سود کی رقم کی وصولی کرتا ہے۔ اور آخر کے سالوں میں اصل (Principal) رقم کی

وصولی کرتا ہے۔اگر کوئی امیدوار چاہے تو پورے قرض رقم کی واپسی تعلیم مکمل کرنے کے لئے فوراً بعد بھی کرسکتا ہے۔اس کے لئے کچھ بینک پرنسپل رقم پر کچھ فی صد ہرجانہ (Penalty) لگا کر رقم واپس لے لیتے ہیں اور اس طرح وہ امیدوار سود کی زائد رقم کئی سالوں تک دینے سے بچ جاتا ہے۔

قرض کی منظوری (Sanction) کے لیئے بینک امید وار سے جن کاغذات و دستاویزات کا مطالبہ کرتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- ☆ تعلیمی لون کے لئے پُر کیا ہوا درخواست
- ☆ آخری امتحان (Qualifying) کا مارکس شیٹ
- ☆ داخلے کا ثبوت
- ☆ کورس کے دوران ہونے والے اخراجات کی تفصیلات
- ☆ گارنٹر کی آمدنی کی تفصیلات وغیرہ

مسلم امیدواروں کو تعلیمی لون کے حصول میں مشکلات:

مسلم طلباء وطالبات کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے بینکوں کے ذریعہ مختلف لون اسکیم کی جانکاری نہیں ہوتی اور اگر معلومات ہوتی بھی ہے تو بینک سے رجوع کرنے پر بینک والے عام طور پر مسلم امیدواروں کو ٹال مٹول (Discourage) کرتے ہیں۔امیدواروں کے گارنٹر کی آمدنی کی بلاوجہ تحقیق کرتے ہیں اور کم آمدنی ہونے پر درخواست کو نامنظور بھی کر دیتے ہیں۔حالانکہ بینک کو یہ کلی اختیار ہے کہ بغیر گارنٹر کے یا اسکی آمدنی کے کم ہونے پر بھی امیدوار کو لون دے سکتا ہے۔

دوسری سب سے بڑی قباحت جو مسلم امیدواروں کو تعلیمی قرض لینے میں حائل ہے وہ ہے اسکا سودی نظام۔

واضح رہے کہ حکومت نے RBI کے ذریعہ تمام بینکوں کو یہ ہدایت دے رکھی ہے کہ

تعلیمی قرض امیدواروں کو کم سے کم سودی شرح پر دی جائے لیکن مختلف بینک اپنے طور پر من مانہ طریقے سے سود کی شرح عائد کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم امیدواروں کی تعداد بینکوں سے تعلیمی قرض لینے میں کم ہوتی ہے۔ جسکی نشاندہی سچر کمیٹی کی رپورٹ نے بھی کی ہے۔

حکومت ہند کی اسکالرشپ اسکیم:

سچر کمیٹی کی سفارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت ہند کی وزارت اقلیتی امور (MMA) نے اقلیتوں کے لئے مندرجہ ذیل وظائف کا اعلان کیا ہے:

(1) پری میٹرک اسکالرشپ اسکیم

(2) پوسٹ میٹرک اسکالرشپ اسکیم

(3) میرٹ کم مینس اسکالرشپ (Merit - Cum - Means)

(4) مفت کوچنگ اسکیم

۱- پری میٹرک (Pre- Matric) اسکالرشپ اسکیم:

اس اسکیم کے تحت ایسے بچے جو سرکاری یا غیرہ سرکاری اسکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں اور جن کے والدین کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ روپے سے کم ہے اس وظیفہ کے لئے درخواست دے سکتے ہیں۔ اس اسکالرشپ کے تحت طلبا/طالبات کو Rs. 5700 سالانہ کی رقم فیس، کتابوں وغیرہ کی خریداری اردیگر اخراجات کو پر کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اس اسکالرشپ کو دینے کا مقصد یہ ہے کہ اقلیتوں کے بچے کم سے کم ڈراپ آؤٹس ہوں کیونکہ اگر شروع سے ہی ابتدائی سطح پر ان ڈراپ آؤٹس (Drop Outs) کو نہیں روکا گیا تو اعلیٰ تعلیم تک اقلیتوں کے بچے نہیں پہنچ سکیں گے۔

۲- پوسٹ میٹرک (Post Matric) اسکالرشپ اسکیم:

یہ اسکالرشپ ایسے بچوں کے لئے حکومت ہند نے دینا شروع کیا ہے جو 2+ سطح پر مختلف مسابقتی امتحانات مثلاً میڈیکل، انجینئرنگ اور دیگر پروفیشنل کورسز کی تیاری اور کوچنگ کر

رہے ہوں۔ اس اسکالرشپ کے حقدار ایسے والدین ہیں جن کی آمدنی دو لاکھ روپے سالانہ سے کم ہے اور جن کے بچے میٹرک میں 50% سے زیادہ نمبر حاصل کئے ہیں۔ اس اسکالرشپ کے تحت فیس اور دیگر امور کے اخراجات کے لئے 8400 روپے سالانہ کوچنگ کے لئے دیا جاتا ہے۔

۳- میرٹ-کم مینس (Merit - Cum - Means) اسکالرشپ:

یہ اسکالرشپ ایسے مسلم طلبا و طالبات کے لئے ہے جو میڈیکل، انجینئرنگ، اکاؤنٹس مینجمنٹ وغیرہ کے تکنیکی یا پروفیشنل کورسز کو کر رہے ہوں اور جن کے والدین کی سالانہ آمدنی ڈھائی لاکھ روپے سے کم ہے۔ اس اسکیم کے تحت حکومت دس ہزار روپے براہ راست امیدوار کو قیام وطعام اور ہاسٹل کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے دے رہی ہے۔ اور دس ہزار روپے ان اداروں کو بھی دیا جا رہا ہے جہاں سے امیدوار تعلیم حاصل کر رہا ہے قومی سطح پر معیاری اداروں مثلاً NIT, IISc, IIM, IIIT, IIT وغیرہ سے تعلیم حاصل کرنے والے طلبا و طالبات کی مکمل فیس کی ادائیگی براہ راست حکومت کے ذریعہ کی جارہی ہے۔

مندرجہ بالا تینوں اسکالرشپ اسکیموں کا کوٹا ریاست وار منسٹری آف مائناریٹی افیئرس کے ویب سائٹ میں درج ہے جو مندرجہ ذیل ہے www.minorityaffairs.gov.in

ان تمام اسکالرشپ میں لڑکیوں کی ۳۰ فی صد تعداد محفوظ (Reserve) کردی گئی ہے۔

۴- کوچنگ اسکیم:

اس اسکیم کے تحت حکومت ایسے طلباء کو وظیفہ دے رہی ہے جو سول سروسز یا ریاستی سطح پر کرائے جا رہے امتحانات کی تیاریاں کر رہے ہوں۔ مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن (MAEF) ایسے کوچنگ اداروں کے قیام کے عمل میں اچھی خاصی رقم دے رہا ہے جہاں سے اقلیتی بچے UPSC اور ریاستی حکومت کے امتحانات کی کوچنگ لے رہے ہیں۔

اسکالرشپ اسکیم کے لئے کارپس فنڈ :

حکومت ہند نے ان مختلف مندرجہ بالا وظائف کو دینے کے لئے مخصوص کورپس فنڈ کی تشکیل کی ہے جو کہ تعلیمی ٹیکس (Educational Cess) اور دیگر ذرائع سے کھڑا کیا گیا ہے۔ اس فنڈ کے سود (Interest) کے ذریعہ جو آمدنی ہو رہی ہے اس کو مختلف فلاحی کاموں اور تعلیمی وظائف میں خرچ کیا جا رہا ہے۔ اسکالرشپ کی رقم کو طلبا و طالبات کو لوٹانے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی ہے، لیکن اس طرح کے وظائف کی تعداد کم ہوتی ہے۔ لہذا امیدواروں کو مجبوراً بینک لون کی طرف جانا ہی پڑتا ہے۔

غیر سرکاری اداروں کے ذریعہ دی جانے والی رقم :

ہندوستان میں چند ایسے بھی غیر سرکاری فلاحی ادارے ہیں جو مختلف قسم کے تعلیمی لون طلبا و طالبات کو اپنے ذرائع سے دے رہے ہیں۔ ان میں چند جو مسلمانوں کے ذریعہ چلائے جا رہے ہیں وہ غیر سودی تعلیمی لون امیدواروں کو فراہم کر رہے ہیں۔ اس طرح کے لون دینے والے ادارے بہت کم ہیں۔ مثلاً مسلم ایجوکیشن ٹرسٹ، اسلامک ڈیولپمنٹ بینک، اسٹوڈنٹس اسلامک ٹرسٹ، فاؤنڈیشن فار سوشل کیئر (FSC) وغیرہ۔

حکومت ہند اگر واقعی اقلیتوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کی فراہمی کے لئے سنجیدہ ہے تو اسے مندرجہ ذیل امور پر جلد از جلد پیش رفت کرنے کی ضرورت ہے:

(1) بینکوں کے ذریعہ دیے جانے والے تعلیمی لون کو اقلیتوں کے لئے سود سے مستثنیٰ کیا جائے۔

(2) مختلف وظائف اور اسکالرشپ کی تعداد کو بڑھایا جائے

(3) بینکوں سے قرض کے حصول کو اقلیتوں کے لئے آسان کیا جائے

(4) مسلمانوں کے لئے بلا سودی تعلیمی کورپس فنڈ کو تشکیل دی جائے

(5) بلا سودی غیر سرکاری اداروں کو حکومت زیادہ سے زیادہ مالی تعاون دے کر

فروغ دے۔

(6) مرکزی وقف کونسل اور ریاستی بورڈ اپنی آمدنی کا ایک معتد بہ حصہ تعلیمی قرض کے لئے مختص کرے

(7) ہر شہر، علاقہ، پنچائت اور بلوک لیول پر مسلم افراد اور اداروں کو اپنے طور پر تعلیمی قرضوں اور تعلیمی وظائف کا موثر نظم کرنا چاہئے۔

علماء اور فقہا اور دانشوروں کے لئے یہ لمحہ فکر یہ ہے کہ جب تک تعلیمی قرض کی شرائط اور سود کی شرح کم نہیں ہوتی ہے تب تک کے لئے مسلم طلباء وطالبات اعلیٰ مگر خرچیلی تعلیم کس طرح حاصل کریں؟

☆☆☆

وجیا بینک
(تعلیمی قرض)

استحقاق:

طالب علم ہندوستان کا شہری ہو، اس نے مبنی بر صلاحیت انتخابی عمل یا امتحان داخلہ کے ذریعہ ہندوستان یا کسی دوسرے ملک میں متعلقہ پیشہ وریا ٹیکنکل کورس میں داخلہ لے لیا ہو۔

ایسے کورسیز (Courses) جن کے لئے قرض دیا جاتا ہے۔

الف- اندرون ہند تعلیم کے لئے۔

گریجویشن کورسیز (عالمیت کے مساوی مختلف نصابیات): جیسے (BA) بی اے، بی کوم (B Com)، بی ایس سی (B. Sc) وغیرہ۔

پوسٹ گریجویشن کورسیز (فضیلت کے مساوی نصابیات): جیسے ماسٹر ڈگری، پی ایچ ڈی وغیرہ (تخصصاتی اور ریسرچ وتحقیق سے متعلق کورسیز)۔

پیشہ ورانہ کورسیز: انجینئرنگ، میڈیکل، زراعت، بیگاری (جانوروں سے متعلق طب کا شعبہ)، قانون، ڈینٹل (طب کا وہ شعبہ جو دانتوں سے متعلق ہے)، مینجمنٹ، کمپیوٹر سائنس کے کورسیز (بی سے اے BCA، ایم سی اے MCA، بی ایس سی سی ایس BSC in computer science، وغیرہ)۔

اینی میشن Animation (مسلسل قلمی خاکوں کے ذریعہ بنی ہوئی تصویروں کو پردے پر حرکت کرتا ہوا دیکھانا، کارٹوننگ Cartooning، کمپیوٹر سافٹ ویئر یا کیمرہ وغیرہ

کے ذریعہ مضحکہ خیز صورت طرازی)، ملٹی میڈیا Multi Media (پرنٹ و الیکٹرانک اور ڈی جیٹل وغیرہ وسائل کا مجموعہ یعنی جو عبارت وسماعت اور بصارت پر مشتمل ہو) اور گرافک ڈیزائننگ Graphic Designing وغیرہ۔

(ترمیمی فنون کی تخلیقات وتزئین خصوصاً تجارتی مقاصد کے لئے)۔

ان تمام کورسیز کی مدت کم ازکم ایک سال یا اس سے زیادہ ہونا ضروری ہے اوران کی تعلیم ایسے مشہور ومعروف اداروں میں ہوتی ہے جن کے اندر مندرجہ ذیل شرائط پائی جاتی ہیں:

الف-جس کی تصدیق ناس کام NASSCOM کی طرف سے کی ہو۔

ب-جس کا الحاق AICTE سے ہوا ہو۔

ج-یوجی سی UGC سے ملحق کسی بھی ہندوستانی یونیورسٹی سے منظورشدہ ہو۔

د-کسی بھی غیر ملکی مشہور ومعروف یونیورسٹی سے ملحق ہو۔

یونیورسٹی سے ملحق اداروں یا شعبہ الیکٹرانک سے تسلیم شدہ اداروں کے کمپیوٹر سرٹیفکٹ کورسیز

سی اے، سی ایف اے اور آئی سی ڈپلومہ وغیرہ جیسے کورسیز (یہ تمام کورسیز مالیات سے جڑے ہوتے ہیں)۔

IIM, IIt, IISC, XLPI, اور NIFT وغیرہ جیسے باوقار اور عالمی شہرت کے حامل اداروں میں پڑھائے جانے والے کورسیز۔

CFAI نیشنل کالج کے پیشہ ورانہ کورسیز۔

مسٹر اینڈ مسز فرینکفن انسٹی ٹیوٹ آف ایئر ہوسٹس کے پیش کردہ کورسیز (جہازوں میں امور ضیافت پر مامور لڑکے، لڑکیوں کی تربیت کے کورسیز)۔

تربیتی پروگرام برائے پائلٹ (حکومت یا حکومت ہند کے شہری ہوابازی کے ڈائریکٹر جنرل سے منظورشدہ اداروں کے ذریعہ)۔

غیر ملکی مشہور معروف یونیورسٹی کے ذریعہ ہندوستان میں پڑھائے جانے والے کورسیز۔

منظور شدہ اداروں کے شام والے کورسیز

دوسرے تمام ایسے کورسیز جو ایسے کالج / یونیورسٹی کے ذریعہ پڑھائے جاتے ہوں جو UGC حکومت ہند، AICTE, AIBMS, ICRM وغیرہ سے منظور شدہ ہوں اور ان کورسیز کے اختتام پر Diploma یا ڈگری دی جاتی ہو۔

ملکی اور مشہور و معروف اداروں میں پڑھائے جانے والے کورسیز بنک کسی بھی ادارے کے قابل تعریف مظاہرے کی بنیاد پر اس کے کورسیز منظور کر سکتا ہے۔

بیرون ملک تعلیم کے لئے:

گریجویشن: ملازمت دلانے والے پیشہ ورانہ اور ٹیکنیکل کورسیز جو مشہور و معروف یونیورسٹی میں پڑھائے جاتے ہوں۔

پوسٹ گریجویشن (فضیلت) MCA, MBA, MS وغیرہ۔

CIMA لندن، CPA امریکہ وغیرہ کی طرف سے چلائے جانے والے کورسیز۔

بیرون ملک کی حکومتوں کے اتھارٹی کی طرف سے منظور شدہ اداروں کے تربیتی پروگرام برائے پائلٹ۔ اس کی مثال میں حکومت ریاستہائے متحدہ امریکہ کی مرکزی ہوابازی انتظامیہ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

ان اداروں کی طرف سے جاری کردہ سندوں کا اس کے مساوی ہندوستانی سندوں میں تبدیل کیا جانا ممکن ہو جب کہ امیدوار ہندوستان میں ملازمت کا خواہاں ہو، یا پھر اپنی تعلیم و تربیت کی تکمیل کے بعد حکومت ہند کے شہری ہوابازی کے ڈائریکٹر جنرل کی ہدایتوں کے مطابق۔

کن اخراجات کے لئے قرض دیا جاتا ہے:

اسکول، کالج، یا اسپتال کی فیس ادا کرنے کے لئے۔

امتحان، لائبریری یا تجربہ گاہ کی فیس ادا کرنے کے لئے۔

کتاب، مشین، آلات، یونیفارم کی خریداری کے لئے۔

ضمانتی رقم، تعمیراتی فنڈ، بعد میں واپس کیا جانے والا ڈپازٹ کی ادائیگی کے لئے جس کی رسید اس ادارے کو دی گئی ہو۔

کرایہ، سفر کا خرچ (باہر جا کر تعلیم حاصل کرنے کی صورت میں)۔

کمپیوٹر اور کورس کی تکمیل کے لئے لازمی اشیاء کی خریداری۔

کورس کی تکمیل کی خاطر کوئی بھی خرچ جیسے تعلیمی سفر، پراجیکٹ ورک اور تھیسس وغیرہ کی تکمیل کے لئے۔

CET CELL کے نام سے DD جاری کرنے کے لئے۔

ادارہ، ہاسٹل، امتحان، کتاب، سفر و باہر تعلیم حاصل کرنے کی صورت میں کمپیوٹر وغیرہ کے اخراجات کے لئے۔

قرض کی رقم:

ہندوستان میں تعلیم کے لئے زیادہ سے زیادہ دس لاکھ روپے۔

بیرون ہند تعلیم کے لئے زیادہ سے زیادہ ۲۰ لاکھ روپے۔

BPLR سالانہ رواں شرح سود 1.50 فیصد۔

دوران تعلیم قرض کی یا سود کی ادائیگی کی فرصت کی مدت میں سادہ سود (کورس کی تکمیل کے ایک سال بعد یا کسی ملازمت کے لئے تقرر کے چھ مہینے بعد اس میں جو بھی پہلے ہو۔

ایسے قرض داروں کو سود میں ایک فیصد کی رعایت کی جائے گی اگر دوران تعلیم سود کی رقم دی جاتی ہے۔

مارجن:

چار لاکھ تک کچھ نہیں۔

اندرون ہند تعلیم کے لئے چار لاکھ سے زیادہ پر ۵ رفیصد۔

بیرون ہند تعلیم کے لئے چار لاکھ سے زیادہ پر ۱۵ رفیصد۔

اسکالرشپ یا تعاون مارجن میں شامل ہے اور مارجن روبہ عمل ہوجائے گی جب قسط وار ادائیگی کا آغاز ہوگا۔

سیکورٹی

مقدار	ہندوستان میں تعلیم	بیرون ملک تعلیم
چار لاکھ تک	کچھ نہیں	کچھ نہیں
چار لاکھ سے ساڑھے سات لاکھ تک	فریق ثالث کی مناسب ضمانت	فریق ثالث کی مناسب ضمانت
ساڑھے سات لاکھ سے دس لاکھ تک انڈیا میں اور اس کے باہر پندرہ لاکھ تک	قرض کی پوری مقدار کے مطابق باوثوق گروی ضمانت کے طور پر	ضمانت کے طور پر قرض کی پوری مقدار کے مطابق باوثوق گروی یا قسطوں کی ادائگی کے فریق ثالث کی ضمانت کے ساتھ طالب علم کے مستقبل کی آمدنی کا تفویض نامہ
پندرہ لاکھ سے بیس لاکھ تک	لاگو نہیں	,,

آن لائن تعلیم لون کی درخواستوں کے لئے اضافی شرطیں:

صرف پیشہ ورانہ کورسیز ہی کے لئے قرض دیا جائے گا۔

امیدوار کی طرف سے سپرد کئے گئے غلط ای میل آئی ڈی کی بنا پر بینک کی طرف سے جواب نہ ملنے پر وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

صرف وہی امیدوار درخواست دے سکتے ہیں جن کا آبائی وطن ردائمی پتہ وجیا بینک کی سب سے قریب شاخ کے دس کیلومیٹر کے دائرے کے اندر واقع ہو۔

ترجیحی طور پر جس شاخ سے امیدوار کو قرض لینا ہے اسی سے پچاس ہزار کا DD/PO بنوائے جو وجیا بینک کے نام سے ہو۔

نوٹ:

بینک ایک ایسا ادارہ ہے جس کی ساری سرگرمی صرف **حصول نفع** کے لئے ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ طلبہ کو تعلیمی قرض دیتے وقت وہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ خسارہ نہ ہو، چنانچہ عموماً ایسے کورسیز ہی کے لئے **لون** دیئے جاتے ہیں، جو Job Oriented ہوں اور ان کی تعلیم ایسے اداروں میں دی جاتی ہو جو اپنے میدان میں شہرت رکھتے ہیں۔

ان سبھی کاغذات میں تمام تر باتیں تقریباً یکساں ہیں وہ یہ کہ کن کن کورسیز کے لئے کن کن اداروں میں تعلیم کے لئے لون دیا جائے گا، قرض کی مقدار کیا ہوگی، شرح سود کتنی ہوگی، قسط وار قرض کی ادائیگی کیسے ہوگی، ضمانت کے لئے کیا شرائط ہیں، درخواست کے ساتھ کون کون سے کاغذات و دستاویزات منسلک کرنا ضروری ہے۔

مارجن منی Margin Money کی فیصد کیا ہوگی وغیرہ۔

☆☆☆

تیسرا باب

تفصیلی مقالات

تعلیمی قرض کی شرعی حیثیت

مفتی محمد صادق محی الدین☆

اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے سب سے پہلی وحی کا نزول فرمایا تو اس میں علم کا ذکر فرمایا، اس ابتدائی وحی نے دنیائے انسانیت کو علم کی برتری وفضیلت کا پیغام دیا، علم ایک نور وروشنی ہے جس سے راہ حق وصواب اور راہ شر وفساد میں فرق و امتیاز کیا جا سکتا ہے، اللہ تعالی کی ذات علام الغیوب ہے، علم کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے دست قدرت میں ہیں، اس نے فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ومرتبت کو علم کی بنیاد پر ثابت فرمایا، انبیاء کرام علیہم السلام کے قلوب کو علوم ہدایت ورشد سے مستنیر فرمایا، اپنے محبوب بندے حضور ﷺ کو ساری مخلوقات یہاں تک کہ تمام انبیاء میں بھی سب سے زیادہ علوم ومعرفت کے خزانے عطاء فرمائے "**وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما**" آپ ﷺ کو وہ تمام معجزات عطافرمائے گئے جو سارے انبیاء کرام علیہم السلام کو انفرادی طور پر بخشے گئے۔

آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے، قرآن پاک علوم وفنون، معارف واسرار، زمانہ نزول قرآن سے لے کر قیامت تک ہونے والے انکشافات وایجادات کا منبع ومخزن ہے، دورحاضر کی ترقیات، اکتشافات، جمادات ونباتات، شمس قمر اورسیاروں کی گردش،

☆ مفتی دارالافتاء، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد۔

زمین کے سارے طبقات اور ان کے اندر پوشیدہ خزانوں کی دریافت، سمندروں کی گہرائیاں، اس میں رہنے بسنے والی ساری نادر مخلوقات اور اس میں بہتے پانی کے کھارے اور میٹھے سمندر، اور ان کے درمیان برزخ وحجاب اور ان دونوں سمندروں کے ملنے کی جگہ لولو ومرجان کا وجود، ان جیسے ان گنت حقائق ومعارف کا علم دنیائے انسانیت کو قرآن پاک ہی نے دیا۔

قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا، حضور ﷺ کی زبان عربی ہے اور جس خاندان وقوم میں پیدا ہوئے ان کی زبان عربی ہے، لیکن قرآن پاک دنیا جہاں میں بولی وسمجھی جانے والی تمام زبانوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نشانیاں بتاتا ہے۔

''ومن آياته خلق السموات والأرض واختلاف ألسنتكم الخ''۔

حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ سے پہلے کئی ایک آسمانی صحائف وکتب دوسری زبانوں میں نازل ہوئے، حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:''أفضل الصدقة أن يتعلم المرء المسلم ثم يعلم أخاه المسلم''۔

(سب سے افضل ترین نیکی یہ ہے کہ انسان خود علم حاصل کرے، پھر اپنے بھائیوں کو سکھائے)۔

علم کی اہمیت کا اندازہ حضور ﷺ کے اس مبارک عمل سے بھی ہوتا ہے کہ اسیران بدر سے بطور فدیہ مال لینے کے بجائے آپ ﷺ نے دس مسلمانوں کو لکھنا وپڑھنا سکھا دینے کو فدیہ مقرر فرمایا، اس سے اس بات کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ مال سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ علم ہے، ورنہ ایسے دور میں جبکہ مسلمانوں کو تنگی حالات کی بنا پر مال کی ضرورت زیادہ تھی، آپ ﷺ بجائے مال کے علم کو کیوں ترجیح دیتے، یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ وہ علم سکھانے والے کوئی دینی علوم کے ماہر نہیں تھے ظاہر ہے وہ صرف لکھنا اور پڑھنا سکھانے کی صلاحیت رکھتے تھے، حضور ﷺ کے اس مبارک عمل سے یہ روشنی ملتی ہے کہ مسلمان دینی علوم کے ساتھ بنیادی و اساسی ضروری علوم سے نابلد نہ رہیں، اسلام تمام شعبہ ہائے حیات میں انسانوں کی رہبری کرتا

ہے اور ان سے متعلقہ تمام احکامات وہدایات دیتا ہے،علوم الٰہیات، اسلامی اعتقادات، رسالت و آخرت عبادات و احکامات سے متعلقہ تمام اصول وفروع کا علم یقیناً افضل و برتر ہے، لیکن معاشرتی زندگی سے متعلقہ عصری علوم، زمین سے غلہ و دانے اور پھل پھلا راگانے کے طریقے، بیمار ہونے پر دواؤں کے ذریعہ علاج ،بوقت ضرورت جراحت کے طبی اصول کی جانکاری، سائنسی ایجادات، آسمان وزمین میں چھپے ہوئے مادی وسائل کی دریافت وتحقیقات کی بھی اسلام حوصلہ افزائی کرتا ہے، انسانوں کو درپیش اشیاءضروریہ کی ایجاد وصنعت کی تعلیم خود اللہ تعالی نے اپنے برگزیدہ پیغمبروں (علیہم السلام) کو دی ہے،حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کی صنعت سکھائی گئی۔

''وعلمناه صنعة لبوس لكم''، حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا فن سکھایا گیا،''واصنع الفلک بأعيننا''، حضور ﷺ نے جہاں ازدیادعلم کی دعافرمائی:''رب زدنی علما''وہیں آپ ﷺ نے اللہ تعالی سے علم نافع کا سوال کیا:''اللهم إني أسئلک علما نافعا'' اورعلم غیر نافع سے پناہ چاہی:''اللهم إني اعوذبک من علم لا ينفع''۔

اسلام صرف علم کی نہیں بلکہ نفع بخش علم کی تحصیل کی ترغیب دیتا ہے، اور غیر نفع بخش علوم سے اجتناب کی تاکید کرتا ہے، اس تناظر میں جہاں اسلامی علوم وفنون کے ماہرین کی معاد (آخرت) کی صلاح وفلاح کے لئے دنیائے انسانیت کوضرورت ہے وہیں سارے وہ علوم و فنون جو انسانی ضرورتوں کی تکمیل کرتے ہیں معاش کی بہتری کے لئے ان کی تحصیل بھی ضروری ہے، اور وہ عصری تحقیقات جو آفاق وانفس میں اور بحر وبر میں کی جارہی ہیں ان سب کا جاننا اور سیکھنا یقیناً علوم نافع کی صنف سے تعلق رکھتا ہے، ایسے علوم میں بھی مسلمانوں کا خاطر خواہ حصہ ہونا چاہئے تاکہ مسلمان ان تحقیقات سے اسلام کی حقانیت وصداقت کو ثابت کرسکیں۔

اقوام وملل میں امت مسلمہ کی سربلندی کے لئے ایسے علوم کے ماہرین و فاضلین کی تیاری بھی عصر حاضر کی ضرورتوں میں اہم ترین ضرورت ہے، الطب النبوی کے نام سے ایک

کتاب امام حدیث حافظ شمس الدین ذہبی کی طرف نسبت کے ساتھ چھپی ہے اس میں ایک روایت یہ ہے کہ انسانی زندگی کے لئے جتنی اہم اور ضروری صنعتیں جیسے مکان بنانا، کپڑا بننا، کاشت کرنا، درخت اگانا، کھانے پینے کی چیزیں تیار کرنا، حمل ونقل کے لئے سواریوں کا ایجاد کرنا یہ سب ضروری صنعتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کو سکھلائی ہیں (معارف القرآن ۷/ ۱۴۴)۔

۱- سوال نمبر ایک کی صراحت کے پس منظر میں صدر بالاسطور علوم اسلامیہ کے ساتھ عصری علوم کی تحصیل اور اس کے ماہرین کی معتدبہ تعداد جدید تحقیقات واکتشافات اور صنعت و ایجادات میں بھی مسلمانوں کی خصوصی توجہ اور اس کے ماہرین کے مسلم جماعت میں وجود کے فوائد کو ثابت کرتے ہیں۔

۲- سوال نمبر دو کی وضاحت کے مطابق سرکاری بینک عام معمول کے برخلاف تعلیمی قرضوں میں کم شرح سود لیتے ہیں اور یہ قرض طویل المدت ہوتا ہے اور حکومت کا ایسی اسکیمات سے قرض پر نفع کمانا مقصود نہیں ہوتا، اس لئے اس پر جو زائد رقم قرض لینے والے کو ادا کرنی پڑتی ہے اس کو سروس چارج (اجرت خدمت) پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، اس خصوص میں مسلم زعمائے ملت حکومتی سطح پر کوشش کریں تو بینکوں میں بھی مسلمانوں کے لئے جو معمولی رقم قرضوں پر لی جارہی ہے اس کو اجرت خدمت قرار دینے میں غیر اسلامی ملکوں میں بھی نظام بینکنگ کے کارپردازوں کو راضی کیا جا سکتا ہے اور اسلامی ممالک کے غیر اسلامی طرز کے بینکوں میں تو بآسانی یہ کوشش بارآور ہوسکتی ہے۔

۳- ظاہر ہے کہ جو شخص کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہو یا وہ بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہو لیکن اس کے معاشی حالات اس کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں تو صدر بالاسطور میں کی گئی وضاحتوں کے مطابق ان کے حق میں اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے کے جواز کا فیصلہ دیا جا سکتا ہے۔

۴- سوال نمبر چار اور پانچ میں ذکر کردہ صورت ہوتو شرعی حکم واضح ہے کہ بالغ اولاد کی کفالت شرعی نقطۂ نظر سے والد پر واجب نہیں، اس لئے بالغ اولاد کو صاحب استطاعت نہیں سمجھا جاسکتا، اس صورت میں قرض لینے اور نہ لینے کے بارے میں خود قرض لینے والے طالب علم کا اعتبار ہوگا، یعنی وہ صاحب استطاعت وذی حیثیت ہوتو عدم جواز کا ورنہ جواز کا حکم رہے گا، ان تمام صورتوں میں غیر اسلامی ممالک میں بینکنگ کے نظام کو ربوا سے مستثنیٰ قرار دینے والے علماء کی رائے کے مطابق سارے باشندگان کو خواہ وہ صاحب استطاعت ہوں یا نہ ہوں اس طرح کی اسکیمات سے استفادہ کا جواز ثابت ہوتا ہے، اور جو اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں ان کی رائے کو درست سمجھا جائے تو استطاعت وعدم استطاعت کو بنیاد بنا کر استطاعت نہ رکھنے والوں کے لئے استفادہ کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

جس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہو اس میں توجیہات وتاویلات کا مختلف ہونا متحقق ہوجاتا ہے تو اس صورت میں توجیہ وتاویل کا مختلف ہونا خود ثبوت جواز کو فراہم کرتا ہے، عدم جواز کے قائل علماء کرام کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ جائز راستے کی رہبری کریں یا کوئی ایسے متبادل انتظام کو یقینی بنائیں کہ بینکنگ کے نظام سے بچتے ہوئے مسلمان اپنی ضروریات کی تکمیل کرسکیں، اگر یہ ممکن العمل نہ ہوتو جواز کے قائل علماء کی رائے سے ''**ليس عليكم في الدين من حرج ،الدين يسر، يسروا ولاتعسروا**'' کو پیش نظر رکھتے ہوئے خاص طور پر ہندوستان جیسے ملک میں اتفاق کرلیں۔

☆☆☆

جدید اعلیٰ تعلیم کے لئے تعلیمی قرضے

مفتی جمیل احمد نذیری ☆

جدید اعلیٰ تعلیم کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر:

رسول اللہ ﷺ نے علم نافع کی دعا مانگی ہے، اور غیر نافع سے پناہ چاہی ہے، احادیث کریمہ میں آپ ﷺ کی یہ دعائیں منقول ہیں:

"**اللهم إني أسئلك علما نافعا**" (مشکوۃ المصابیح ۱/ ۲۲۰) (اے اللہ میں تجھ سے علم نافع کا سوال کرتا ہوں)۔

"**اللهم إني أعوذبك من علم لا ينفع**" (رواہ مسلم، کتاب مذکور ص ۲۱۶) (اے اللہ میں اس علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو نفع نہ دے)۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے:

"**إن من العلم جهلا**" (مرقات المفاتیح ۱/ ۲۹۸) (بعض علم، جہالت ہوتے ہیں)۔

"**و من حسن اسلام المرء تركه ما لا يعنيه**" (ترمذی ۲/ ۵۵ ابوب الزہد) (انسان کے اسلام کی خوبی میں سے اس چیز کا چھوڑ دینا ہے جس کی کوئی رغبت نہ ہو جو بے فائدہ ہو)۔

اسی علمی جہالت اور "لایعنی" سے بچنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

"**اللهم أنفعني بما علمتني وعلمني ما ينفعني و زدني علما**" (رواہ الترمذی و ابن ماجہ مشکوۃ المصابیح ۱/ ۲۱۹) (اے اللہ! مجھے اس چیز کے ذریعہ نفع پہنچا جو تو نے مجھے سکھائی ہے، اور

☆ مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام، نواداہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔

مجھے اس چیز کی تعلیم دے جو مجھے نفع دے اور میرے علم میں اضافہ فرما)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا مطمح نظر وہ علوم ہیں جو نافع ہوں، جن سے انسان کی ذات، اس کے سماج اور دنیا کو نفع پہنچے، اور ان کا شمار لایعنی میں نہ ہو، لیکن وہ علوم جو انسان، انسانیت اور دنیا کے لئے ضرر کا باعث ہوں، اسلام ان سے صرف بچنے کو ہی نہیں، پناہ مانگنے کی تلقین کرتا ہے۔

علوم اسلامیہ، ظاہر ہے کہ سراسر خیر ہی خیر اور نفع ہی نفع ہیں، دیگر دنیاوی علوم بھی اگر بنی نوع انسان کے لئے نافع ہوں اور شریعت سے متصادم نہ ہوں تو ان کو سیکھنے کی اجازت ہے، بلکہ علماء محققین نے بعض ایسے علوم کی تحصیل فرض کفایہ قرار دی ہے۔

چنانچہ طب، زراعت، بنائی، سلائی، حساب، لوہاری وغیرہ کے فرض کفایہ ہونے کی صراحت کتب فقہ وفتاویٰ میں موجود ہے (ردالمحتار ۱/۳۲، احیاء علوم الدین ۱/۱۹، مرقات المفاتیح ۱/۲۹۹)۔

علماء اسلام نے اپنے اپنے وقتوں میں جدید علوم اور جدید زبانیں سیکھی بھی ہیں اور سکھائی بھی ہیں، اور سیکھنے سکھانے کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے، کتب تاریخ وسیر میں ان کی تفصیلات مل جائیں گی۔

آج کے دور کی جدید اعلیٰ تعلیم خواہ انجینئرنگ وٹکنالوجی کے قبیل کی ہو، یا طب وسائنس کے ذیل میں آتی ہو یا اور کسی قسم کی ہو، شریعت اسلامیہ کے مزاج اور ماحول کی رعایت کرتے ہوئے ان سب کے سیکھنے کی اجازت اور گنجائش ہے۔

یہ ان تمام علوم کی تحصیل کا ایک اجمالی حکم ہے، تفصیلی حکم اس وقت بتایا جا سکتا ہے جب کسی علم کے بارے میں خاص طور سے استفسار ہو اور اس کی تفصیلات وجزئیات سے بھی کسی درجہ میں متعارف کرایا جائے۔

موضوع پر غور کرنے سے پہلے:

فقہ اکیڈمی کی طرف سے پیش کردہ سوالنامہ میں ''تعلیمی قرض'' سے متعلق جو تفصیلات

پیش کی گئی ہیں، ان پر غور کرتے ہوئے، فقہ اکیڈمی کا ہی ایک بہت پہلے کا فیصلہ اور ایک تجویز بھی سامنے رہنی چاہئے، دونوں راقم نقل کر رہا ہے:

فقہ اکیڈمی کا ایک فیصلہ:

سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ، مناسب حد تک کم رہے یا مناسب حد تک زیادہ، شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ شرح سود اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہے اور اگر نامناسب حد تک زیادہ ہے تو ناجائز، دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے (نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے/ص ۲۶)۔

فقہ اکیڈمی کی ایک تجویز:

سرکاری بنکوں سے ملنے والے ترقیاتی قرضوں اور ان پر ادا کئے جانے والے سود کے مسئلہ پر ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں غور کر کے کسی فیصلہ تک پہنچنے کے لئے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے علماء و متخصصین کی ایک کمیٹی کی تشکیل کی سفارش کرتا ہے جو مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر کسی نتیجہ پر پہنچے (نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے/ص ۲۶)۔

یہ فیصلہ اور تجویز، دونوں، فقہ اکیڈمی کے دوسرے سمینار کے ہیں۔

مفتی نظام الدین صاحبؒ سابق مفتی دار العلوم دیوبند کا نقطۂ نظر:

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ نے بینکوں کے اقتصادی قرضوں کی بابت جو گفتگو کی ہے، وہ ہمارے لئے غور کی بنیاد مہیا ہے، کیونکہ اقتصادی قرضے اور تعلیمی قرضے آپس میں مماثلت رکھتے ہیں، دونوں میں شرح سود بہت کم ہوتی ہے اور دونوں ہی کا مقصود حکومت کے دعوے کے مطابق ہے، عوام کا تعاون کرنا اور ان کی دشواریوں کو حل کرنا، لہذا یہاں مفتی صاحبؒ کی تحریر پیش کی جارہی ہے:

''بینک کا ابتدائی دور ایسا ضرور تھا کہ اس کا پورا کاروبار محض سود ہی پر ہوتا تھا، مگر اب ایسا نہیں ہے، اس کے اصول ومقاصد میں اور طریقہ کار میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں، اب تو بہت سے بینکوں میں مختلف نوع کے مستقل کاروبار، تجارتی اصول پر ہونے لگے ہیں، بہت سے بینک شرکت اور مضاربت کے اصول پر چلنے لگے ہیں، جیسا کہ خود سوال کے بعض جملوں سے (مگر کاروبار میں عام طور سے) بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے، پس جن کاروبار میں مطالبات کی ادائیگی بینک کے چیک کے ذریعہ ہوتی ہے یا جن ملازموں کی تنخواہیں بینک کے چیک کے ذریعہ برآمد ہوتی ہیں ان میں اگر بینک اپنے لئے بھی کوئی رقم وصول کرے تو اس کا سود ہونا ہی ضروری نہ ہوگا، بلکہ وہ بینک کا محنتانہ بھی کہا جاسکتا ہے، بینک اجیر یا وکیل یا درمیانی واسطہ قرار دے کر اس رقم کو بینک کی اجرت یا عوض کارکردگی میں کہا جاسکتا ہے، اس لئے اب ہر بینک کا ایک ہی حکم باقی نہیں رہے گا، بلکہ ہر بینک اصول وضوابط وطریقہ کار ومعاملات کے اعتبار ولحاظ سے الگ الگ حکم رہے گا'' (نظام الفتاوی ۱/ ۲۷۵)۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''البتہ چونکہ ربوا (سود) کا ایک مفہوم شرعی متعین ومنضبط ہے کسی فرد یا جماعت کے کسی غیر سودی معاملہ کو سود کا نام دے دینے سے اس کو سود کہنا اور اس پر سود کا حکم لگا دینا ضروری نہیں، جیسا کہ پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ کی رقم میں سود کے نام سے کچھ رقم دینے سے اس کا سود ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح کسی سودی معاملہ کو کسی فرد یا جماعت کے غیر سودی قرار دیدینے سے وہ سود کے حکم سے خارج نہیں ہوجائے گا'' (نظام الفتاوی ۱/ ۲۷۸)۔

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں:

''پس اس معاملہ کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ اس جزوی رقم کو جو سود کے نام سے لی جاتی ہے حقیقت میں وہ سود نہیں ہے بلکہ اس طریقہ کا انتظام ٹھیک رکھنے والوں کی اجرت ہے، اور جو سامان وغیرہ اس پر خرچ ہوئے ہیں یا درکار ہوتے ہیں ان کی قیمت میں لی جاتی ہے، جس سے

انتظام میں سہولت رہتی ہے، اور اعانت لینے والوں اور دینے والوں، دونوں کا معاملہ صاف رہتا ہے، اور یہ محض ایک قومی ومشترکہ نظام کی صورت ونوعیت ہے، کوئی سودی کاروبار نہیں ہے، بلکہ قوم کا سرمایہ ہے اور قوم ہی کے کام میں صرف کیا جاتا ہے، اس کے منتظمین وکارکنان قوم کے اجیر ووکیل ہوسکتے ہیں اور غریبوں کی اعانت اور پسماندوں کو آگے بڑھانے اور ان کے لئے اسباب معیشت فراہم کرنے کی راہیں کھولنے کا ایک انتظام کہا جاسکتا ہے، نیز اس طریقہ کار ومحکمہ میں نفع و سہولت بھی، دونوں جانب کو قریب قریب یکساں حاصل ہوتی ہے۔ سود تو نام ہے، اس نفع اور زیادتی کا جو محض ایک جانب کو حاصل ہو اور عوض سے خالی ہو، "كما صرح به الفقهاء: الربا هو فضل خال عن العوض لاحد المتعاقدين في المعاوضة هذا التعريف يستفاد من الشامي من باب الربا"۔

غرض یہ مفہوم سود کے مفہوم سے جدا کیا جاسکتا ہے اور یہ توجیہ قریب قریب ایسی ہی ہوگی جو اس رقم میں کی جاتی ہے جس کو حکومت اپنے ملازمین کو ختم ملازمت کے وقت اگرچہ سود کے نام پر دیتی ہے مگر ہمارے فقہاء محققین اس کو سود نہیں کہتے بلکہ انعام کہتے ہیں، اور اس کو جائز فرماتے ہیں (کما فی امداد الفتاوی رص ۱۲۳ تا ۱۲۵)، نیز یہ توجیہ ایسی ہوگی جیسی منی آرڈر کی فیس میں کی جاتی ہے، فیس کو اجرت کتابت و اجرت روانگی فارم کہا جاتا ہے "كما قال به العلامة التهانوي في حاشية امداد الفتاوى" ایک طویل مسئلہ کلام میں فرماتے ہیں البتہ بہت عرق ریزی سے اس قدر تاویل کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ فیس (منی آرڈر) کو اجرت کتابت وروانگی فارم کہا جائے، اس سے اس کی حرمت تفاضل تو رفع ہوجائے گی مگر کراہت سفتجہ باقی رہے گی (امداد الفتاوی رص ۱۰۶ جلد ۳ جدید ایڈیشن مطبوعہ پاکستان)۔

پھر آگے فرماتے ہیں: اور معاملہ پیش نظر میں جب اشکال حرمت تفاضل ختم ہوگیا تو اباحت اصلیہ لوٹ آئے گی وہو المراد۔ پھر اسی امداد الفتاوی میں جلد ۳ صفحہ ۱۰۸ میں فرماتے ہیں: البتہ فیس منی آرڈر کو اجرت کتابت وروانگی فارم کی کہہ کر حرمت تفاضل کو رفع کیا جاسکتا ہے

لیکن کراہت سفتجہ کے رفع کی کوئی وجہ خیال میں نہیں آتی تو ابتلاء عام کی وجہ سے دل ضرور چاہتا ہے کہ اس کی بھی کوئی وجہ نکل آئے (**الاقول**)، حتی کہ اگر یہ بھی مل جائے کہ سفتجہ کے جواز کی طرف ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام گئے ہیں تب بھی بضرورت اس پر عمل کرنے کو کہا جائے گا، پھر فرماتے ہیں: منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے ایک قرض سے جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرے اجارہ سے جو فارم لکھنے اور روانہ کرنے پر قیام فیس کے دی جاتی ہے، اور دونوں معاملے جائز ہی نہیں بلکہ دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے، چونکہ اس میں ابتلاء عام ہے اس لئے یہ تاویل کرکے جواز کا فتوی مناسب ہے (انتہی بلفظہ)۔

امداد الفتاوی کی ان مجموعی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے معاملات میں جب ابتلاء عام ہوجائے یا ضرورت صحیحہ داعی ہوجائے تو حدود شرعیہ میں رہتے ہوئے......امکن توجیہ جواز تلاش کرنا امر مستحسن ہے، نیز عالمگیری کتاب الحیل کی عبارت سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے۔

''كما قال وكل حيلة يحتال بها الرجل يتخلص بها عن حرام أو يتوصل بها إلى حلال فهي حسنة والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قوله الله عز و جل: و خذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث، وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي على نبينا عليه السلام(الى قوله) وعامة المشائخ ان حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح في المذهب كما في الذخيرة الفتاوى العالمگيرية كتاب الحيل ٦/ ٣٩٠''۔

حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے حل وتوجیہات کا مدار ابتلاء عام اور ضرورت صحیحہ معتبرہ پر ہے اور سوالنامہ سے ان دونوں چیزوں کا وجود منشرح ضرور ہوتا ہے، اس لئے یہ توضیح مستحسن بھی ہوسکتی ہے، خاص کر ایسے ملکوں میں جہاں اقتدار اہلی غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو وہاں یہ توجیہ اور بھی آسان ہوگی (نظام الفتاوی ۱/ ۲۷۹)۔

پھر ''چند شبہات اور ان کا ازالہ'' کا عنوان قائم کرکے شبہات کا جواب دیتے ہیں، اس

ضمن میں لکھتے ہیں:

''دوسرا شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ تاویلات وتوجیہات ارباب حکومت یا اس شعبہ کے اصحاب حل وعقد کے پیش نظر نہیں اور نہ وہ اس کے مطابق معاملہ کرتے ہیں، تو پھر یہ توجیہات و تاویلات کس طرح موثر اور مفید ہوسکتی ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہی اشکالات پراویڈنٹ فنڈ اور منی آرڈر کی تاویلات میں بھی وارد ہوتے ہیں اور باوجود اس کے علماء ان کو صحیح اور معتبر تسلیم کرتے ہیں، ''کما اشرت الیه سابقا'' پس اس طرح یہاں بھی معتبر ومفید کہا جاسکتا ہے، چونکہ معاملہ اموال ربویہ کا اور حرمت اباحت کے قیاس کا ہے اس لئے اکابر امت وعلماء فحول بطور خود ہی غور فرمالیں۔

اگر ابتلاء عام یا ضرورت صحیحہ معتبرہ واقعی میں متحقق ہے جب تو اس توجیہ میں کوئی کلام ہی نہیں، وھو المراد (کتاب مذکور،ص ۲۸۱)۔

مذکورہ عبارت میں امداد الفتاوی جلد سوم کے جو حوالے مرقوم ہیں وہ ہندوستانی نسخہ مطبوعہ دیوبند کے صفحہ ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶ پر موجود ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت تھانویؒ ہی نے اپنے ایک مفصل فتوے ''القصص المسی فی حکم حصص کمپنی''، میں حصص یا شیئرز کے اوپر بحث کرتے ہوئے، حصص پر حاصل شدہ سود کے متعلق رقم طراز ہیں:

''اور جن کو اطلاع ہو وہ تصریحا اس سے ممانعت کردیں، گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا، مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی'' (امداد الفتاوی ۳/ ۴۹۱)۔

جہاں تک سفتجہ کا معاملہ ہے، اس کے بارے میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

''والراجح عند الحنابلة هو جواز تلك المعاملة إن كانت بلا مقابل واختار ابن تيمية وابن القيم وابن قدامة بالجواز مطلقا لأن المنفعة لا تخص المقرض بل ينتفعان بها جميعا'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۷۲۸)۔

(اگر کسی مقابل کے بغیر ہو تو حنابلہ کے نزدیک راجح اس معاملہ کا جواز ہے اور ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ اور ابن قدامہؒ نے مطلقا جواز کو اختیار کیا ہے، کیونکہ منفعت مقرض کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس سے دونوں نفع اٹھاتے ہیں)۔

بہر حال مذکورہ سارے حضرات کی یہ ساری توجیہات وتاویلات منی آرڈر، شیئرز اور حکومت کے اقتصادی قرضوں سے متعلق ہیں۔

اقتصادی قرضوں کے سلسلے میں جو توجیہ حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ نے پیش فرمائی ہے، وہ توجیہ بعینہ تعلیمی قرضوں پر بھی صادق آتی ہے، کیونکہ ان قرضوں کے مقابلے میں اقتصادی قرضوں کی طرح کافی کم، شرح سود عائد کی جاتی ہے اور حکومت کا دعوی ہے کہ یہ قرض جو طویل مدت کے لئے کم شرح پر دیا جاتا ہے اس کا مقصد سود حاصل کرنا نہیں، بلکہ تعلیم میں تعاون کرنا ہے۔

لیکن احقر کا دل اقتصادی قرضوں کی اس توجیہ وتاویل پر مطمئن نہیں، لہذا تعلیمی قرضوں کی بھی یہی توجیہ قبول کرنے پر دل کیسے آمادہ ہوسکتا ہے، کیونکہ سود کے متعین کرنے اور وصول کرنے کا طریقہ کار وہی ہے، جسے خود شریعت بھی سود قرار دیتی ہے۔ خود فقہ اکیڈمی اپنے دوسرے فقہی سمینار میں فیصلہ کر چکی ہے کہ سود کی حرمت پر، شرح سود کے کم یا زیادہ ہونے کا اثر نہیں پڑے گا (نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے رص ۲۶)۔

دوسرے سمینار میں فقہ اکیڈمی نے اقتصادی قرضوں کے بارے میں غور کرنے کیلئے علماء اور متخصصین کی جس کمیٹی کی تشکیل کی تجویز پاس کی تھی، اس کا کیا ہوا؟ احقر اس سے بھی ناواقف ہے (کتاب مذکور رص ۱۳۵)۔

لہذا حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ کی مفصل تحریر پڑھنے اور سارے پہلوؤں پر اپنی بساط کی حد تک غور کرنے کے بعد احقر کا رجحان اس طرح ہے کہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی توجیہ وتاویل کے مقابلے میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی رائے زیادہ وزن دار

ہے، اور یہ اقتصادی قرضوں اور تعلیمی قرضوں دونوں پر پورے طور پر صادق آتی ہے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی تحریر:

قاضی صاحب نے پہلے ہندوستان کی حیثیت، یہاں کے جمہوری نظام اور مسلمانوں کی پوزیشن پر بحث کی ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اگر چہ یہ درست ہے کہ ہندوستان کا کوئی بھی شہری اپنی انفرادی حیثیت میں پبلک اکاؤنٹ (سرکاری خزانہ) کا مالک نہیں ہے، لیکن یہ بھی درست ہے کہ ہر فرد اپنی انفرادی حیثیت میں عوامی خزانہ سے انتفاع کا حق رکھتا ہے اور دستور ہند کی رو سے ہر شہری کو مقررہ ضوابط کے تحت حق انتفاع سرکاری خزانہ سے حاصل ہے۔

یہ صورت کہ ہم کسی چیز کے مالک تو نہ ہوں، لیکن اس سے ہمارا حق متعلق ہو، اس کی ایک نظیر قانون اسلامی میں یہ موجود ہے کہ کوئی مورث اگر مرض الموت میں مبتلا ہو تو اس کے دو تہائی مال میں حق وارثوں کا متعلق ہو جاتا ہے، اگر چہ وہ مالک نہیں ہوتے اور تصرف کی اجازت نہیں ہوتی۔

اسی طرح مساجد، سڑکیں، نہریں وغیرہ فلاح عامہ کی چیزیں شرعی نقطہ نظر سے کسی کی ملک تو نہیں ہوتیں، لیکن حق انتفاع عوام کا اس سے متعلق ہو جاتا ہے، اس کی ایک نظیر شاید "وقف علی الاولاد" بھی ہو کہ اولاد میں سے کوئی خاص فرد اپنی انفرادی حیثیت میں مالکانہ تصرفات کا حق (بیع) نہیں رکھتا، لیکن انتفاع کا ہر فرد کو حسب تصریحات واقف حاصل ہوتا ہے۔

پس میرے نزدیک سرکاری خزانہ ایک ایسی دولت ہے جس سے انتفاع کا حق عام ہندوستانی شہریوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حاصل ہے، اس لئے ترقیاتی اسکیموں، مکانات کی تعمیر، تجارت کی ترقی اور صنعت وحرفت کی ہمت افزائی، نیز بیکاروں کو باکار بنانے کے لئے جس قدر رقم بھی حکومت اپنے بجٹ میں رکھتی ہے ان میں ایک مسلمان شہری کا بھی اسی طرح حق ہے جس طرح دوسروں کا، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ مسلمان اپنے اس حق کی تحصیل کے لئے جب آگے آنا چاہتا ہے تو حکومت جس نے اپنے مالیاتی نظام کی بنیاد سود پر رکھی ہے (اور فی الحال اکثریت کے فقدان کی وجہ سے ہم اس کی تبدیلی پر قادر بھی نہیں (اگرچہ اس فاسد نظام کی تبدیلی کی خواہش اور اس کے لئے ممکن حد تک عملی جد وجہد ہر مسلمان کا بہر حال فرض ہے کہ "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، وإن لم يستطع فبلسانه، وان لم يستطع فبقلبه" (الحدیث: متفق علیہ)۔

اس کا یہ فیصلہ مسلمانوں کے لئے آڑے آتا ہے، پس ایسی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

''مسلمانوں کے لئے اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے بدرجہ مجبوری سود دینا اور سود دے کر اپنے حق کا حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں''؟۔

میرے نزدیک اس سوال کا جواب اثبات میں ہے اور یہ کہنا درست ہے کہ اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے مسلمانوں کو رخصت حاصل ہے کہ وہ بدرجہ مجبوری سود دے کر اپنا حق حاصل کریں۔

اور شرع میں اس کی نظیر موجود ہے، اس لئے کہ شرع کا عام اصول تو یہ ہے کہ "ما حرم أخذه حرم إعطاء ه'' اس اصول کے تحت علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہے، لیکن ایسی صورت میں جب کہ جائز حق کا حصول رشوت دیئے بغیر ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں رشوت دینا جائز ہے۔

صاحب الاشباہ علامہ ابن نجیم چودہویں قاعدہ "ما حرم أخذه حرم إعطاء ه" کے ذیل میں "الرشوة لخوف على ماله أو نفسه" کا استثناء کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''إلا في مسائل الرشوة لخوف على ماله أو نفسه (قوله الرشوة لخوف على ماله) هذا في جانب الدافع، أما في جانب المدفوع له فحرام ولم ينبه عليه، وينبغي أن يستثنى الأخذ بالربا للمحتاج فإنه لا يحرم كما صرح به

المصنف فی البحر، ویحرم علی الدافع الإعطاء بالربا"۔

(مگر مال یا جان کے خوف سے رشوت دینے کے مسائل ہیں، لیکن یہ جواز دینے والے کے حق میں ہے، اس شخص کے حق میں جس کو دیا گیا ہے حرام ہے، اور اس پر تنبیہ نہ ہو سکا ہے، اسی طرح مناسب ہے کہ اس سے یہ صورت بھی مستثنیٰ ہو کہ کوئی محتاج شخص سود پر قرض حاصل کرے کہ یہ بھی حرام نہیں ہے، جیسا کہ اس کی البحر الرائق میں تصریح کر دی گئی ہے، لیکن قرض دینے والے کے لئے سود کی شرط پر قرض دینا حرام ہوگا)۔

راقم سطور کا رجحان:

۱- جدید اعلیٰ تعلیم جو انسانیت اور مخلوق خدا کے لئے نافع ہو، اور شریعت سے متصادم نہ ہو، شریعت کی نگاہ میں جائز ہے، مسلمانوں کو حاصل کرنی چاہئے، کیونکہ دینی عزت ووقار کے ساتھ، دنیاوی عزت ووقار کا حصول بھی شریعت کے نزدیک ایک محمود و مطلوب صفت ہے۔

۲- کم شرح سود کے باوجود یہ سود ہی ہے اسے سروس چارج پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن حکومت کی اس اسکیم سے، جو اعلیٰ تعلیم میں تعاون کی غرض سے ہے، ہندوستان کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانے کا حق ہے اور یہ حق جڑا ہوا ہے سود سے، لہذا قاضی صاحبؒ کے الفاظ میں "یہ کہنا درست ہے کہ اپنے جائز حق کی تحصیل کے لئے مسلمانوں کو رخصت حاصل ہے کہ وہ بدرجہ مجبوری سود دے کر اپنا حق حاصل کریں"۔

گویا احقر کے نزدیک، حق لینے کے لئے رشوت دینے کے جواز پر، یہاں اس سود دینے کو قیاس کیا جا سکتا ہے، اور اس طرح ایسا سودی قرض لینے کی گنجائش رہے گی۔

۳- مذکورہ تفصیلات کے مطابق جائز ہے۔

۴- اگر طالب علم بالغ ہو تو والد کے صاحب استطاعت ہونے سے وہ خود صاحب

استطاعت نہیں سمجھا جائے گا، اس معاملہ میں خود طالب علم کے حالات کا اعتبار ہوگا۔

۵- یہ مجبوری کے درجہ کی چیز ہے، صاحب استطاعت افراد کے حق میں اس سے احتراز اولی ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی ☆

۱۔ ایک مرسل روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''علم وحکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے جہاں سے ملے اسے حاصل کرلینا چاہئے''، "العلم ضالة المؤمن، الحکمة ضالة المؤمن حیثما وجد المؤمن ضالة فلیجمعها إلیه"، ایک دوسری روایت بھی اسی سے ملتی جلتی ہے:"استعینوا علی کل صنعة بصالح أهلها، قدیستانس بقوله ما کان من أمر دنیاکم فإلیکم" (المقاصد الحسنہ؍ص ۷۸)، نیز حضور ﷺ نے فرمایا:"تعشوا ولو بکف من حشف فان ترک العشاء مهرمة" (المقاصد الحسنہ؍ص ۱۸۵)(رات میں کھایا کرو اگر ایک مٹھی ردی کھجور ہی سہی کیوں کہ رات میں نہ کھانے سے بڑھاپا جلد آتا ہے)۔

مسلم شریف میں مشہور حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ کھجور کے درختوں پر چڑھ کر مؤنث پر مذکر کو مارر ہے ہیں یعنی تلقیح کا عمل کررہے ہیں تو آپ ﷺ نے منع فرمایا لیکن جب معلوم ہوا کہ فصل کم ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے طریقہ کے مطابق عمل کرتے رہو، "أنتم اعلم بأمر دنیاکم"۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر کہا گیا ہے کہ اسلام کی شکل میں جو دین تم کو دیا گیا ہے وہ انسانوں کے لئے ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی'' هدی و رحمة "رحمت سے مراد اس کا دنیوی پہلو ہے۔

☆ شیخ الحدیث وپرنسپل دارالعلوم مئو۔

جائز حدود میں جائز مقاصد کے لئے موسیقی کا فن بھی سیکھنے کی اجازت ہے، قرآن میں خود موسیقی ہے، احقر نے ایک کتاب ''موسیقی فی القرآن'' نامی مدراس کے کتب خانہ محمدیہ میں دیکھی تھی، موسیقی کی ضرورت جنگ میں بھی پڑتی تھی، تاکہ اس کے ذریعہ مجاہدین میں حوصلے پیدا کئے جائیں، خود قرآن کریم کی کئی ایک سورتیں ایسی ہیں جو کائنات، انفس، مناظر قدرت میں غور و فکر اور اس کے علوم کے حصول پر دال ہیں، سورۂ نمل، چیونٹی، نحل شہد، عنکبوت مکڑی، انعام چوپائے، دخان اسٹیم، مائدہ طعام، الکہف غار، نجم ستارے، قمر چاند، حدید لوہا فولاد، انفطار پہاڑوں کا سینا، البروج آسمان کے طبقات، الطارق مسافر شب، الشمس سورج، التین انجیر، زلزال زلزلہ، الفیل ہاتھی، الفلق طلوع صبح وغیرہ۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب تحریر فرماتے ہیں: مطالعہ کائنات کی اہمیت کا اندازہ صرف اسی ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن میں وضو، نماز، صوم، زکوۃ سے طلاق وغیرہ پر ڈیڑھ سو آیات ہیں اور مطالعہ کائنات سے متعلق سات سو چھپن ۷۵۶ آیات ہیں۔

فقہ اسلامی مجلّہ سبیل السلام حیدرآباد کے ص ۱۳۰-۱۳۱ پر معاشرتی احکام سے متعلق آیات مفسرین کی تحقیق کے بموجب ستر آئی ہیں تعداو معاملاتی احکام کی تعزیری احکام سے متعلق، ۳۰/آیات خصومات سے متعلق، دستوری احکام آیات دس بین الاقوامی احکام سے متعلق ۲۵، اقتصادیات سے متعلق دس آیات بتلائی گئی ہیں۔

پانی میں دو حصہ ہیں: ہائیڈروجن اور آکسیجن، اگر انمیں کمی بیشی کی جائے تو اس سے طرح طرح کے محلول بن سکتے ہیں، جن میں سے کچھ مفید، کچھ مہلک ثابت ہوسکتے ہیں، اگر اس میں ہائیڈروجن اور آکسیجن کی نسبت ۲:۲ ہوتی تو یہ مرکب پانی کے بجائے ہائیڈروجن پر اکسائڈ بن جاتا جو بذات خود ایک تیزاب ہے، اگر انمیں ہائیڈروجن کے بجائے نائیٹروجن ہوتی تو یہ مرکب بجائے پانی کے نائٹرس بن جاتا جو مائع نہیں بلکہ گیس ہے اور اس کے سونگھنے سے انسان بے اختیار ہنسنے لگ جاتا ہے، اس گیس کو لافنگ گیس کہتے ہیں، اگر پانی کے مرکب میں

ہائیڈروجن کلورین ہوتی تو یہ مرکب کلورین بن جاتا جو زہریلی گیس ہے، اگر پانی کے مرکب میں بجائے آکسیجن نائیٹروجن ہوتی تو مختلف مرکبات بن جاتے جو سارے کے سارے زہر ہیں۔

حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے لئے غسل کا پانی رکھا تو آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالا پھر دونوں ہاتھوں کو مٹی سے مل کر دھویا، اب ملاحظہ کیجئے مٹی سے دھونے میں کیا حکمت ہے، مٹی میں سوڈیم کاربونیٹ ہوتی ہے جس سے مکمل صفائی ہوجاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے: بہتا پانی پاک ہے، آپ ﷺ کے اس ارشاد سے آج کل کے سائنسدانوں نے عمل تکسیر کے ذریعہ پانی کے صاف کرنے کا طریقہ سیکھا ہے، پیارے نبی ﷺ کو نماز معراج میں ملی اور یہ اتنی مبارک ومفید عبادت ہے کہ اس سے ہائی بلڈ پریشر نارمل، درد اور کینسر جیسی موذی بیماریوں کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر برق صاحب تحریر کرتے ہیں: علامہ ابن رشد، فارابی، بوعلی سینا اور فخر الدین رازی وغیرہ نے ہمیں قانون قدرت کے مطالعہ کی طرف متوجہ کیا......علامہ شعرانی اسلام کے طبعی پہلو سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ اگر مسلمان مسلمان رہا تو وہ علم شریعت کی طرح علم فطرت میں بھی ایک نہ ایک دن کمال پیدا کر کے رہے گا، اس لئے فرمایا تھا: "إن الاسلام في أول أمره كان شريعة ثم في آخر الزمان يكون حقيقة"۔

قرآن کریم کی آیت "كتاب أنزلناه إليک لتخرج الناس من الظلمات إلى النور" (سورۂ ابراہیم)، میں ظلمت سے مراد جہل اور نور سے مراد علم ہے، یعنی کتاب الٰہی وہ صحیفہ ہے جس نے لوگوں کو جہالت سے نکال کر علم کی روشنی سے مالا مال کیا، ایک حدیث میں ہے: "رب زدني تحيرا فيک" (خدایا تیری ذات کے متعلق میری حیرت بڑھتی ہی چلی جائے)۔

ایک صبح بیدار ہونے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: "لقد أنزلت علي الليل آية ويل لمن قرأها ولم يتدبر ويل له "اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "ان فی خلق السموات والأرض واختلاف الليل والنهار الخ: الشمس والقمر بحسبان"، سورج و چاند ایک حساب سے گردش کررہے ہیں، مدراس کی صبح چند منٹوں کے بعد دہلی پھر پشاور پھر ایران پھر عرب پھر افریقہ اور بحر اوقیانوس کو عبور کر کے امریکہ پہنچ جاتی ہے۔

کلام الٰہی میں فلکیات (Astronomy)، طبعیات (Physics) علم الماء (Hydrogens) عمل تبخیر (Evapovation)، ارضیات (Geology)، علم البحر (Oceanology)، علم نباتات (Botany)، علم حیوانات (Zoology)، علم طب (Medical)، علم افعال الاعضاء (Psychology)، جنرل سائنس، علم القانون، علم النفس، علم تعلیم ریاضی، منطق وفلسفہ، علم حیاتیات، علم الجنین اور علم الاخلاق اور اس کے ذیلی عناوین سے متعلق آیات ملتی ہیں۔

جنرل سائنس اور اس کے ذیلی عناوین پر بہت ساری آیات موجود ہیں، چند آیات پیش ہیں:

"ألم تروا كيف خلق الله سبع سموات طباقا، وهو الذى خلق الليل والنهار والشمس والقمر كل فى فلك يسبحون"، اگر فلک کے کاف سے الٹے لکھیں تو بھی کل فی فلک ہی ہوگا، جو ان دونوں کی الٹی گردش پر دال ہے۔

محترم ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب لکھتے ہیں: ۱۹۲۶ء میں امریکی ماہر فلکیات نے اس بات کا مشاہداتی ثبوت مہیا کیا کہ کہکشاؤں کے درمیان فاصلہ بڑھتا جارہا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے، اس کی بابت قرآن نے بہت پہلے ہی کہہ دیا ہے: "والسماء بنيناها بأيدٍ وإنالموسعون"، "ألم تر أن الله أنزل من السماء فسلكه ينابيع فى

الأرض ثم یخرج به زرعا مختلفا الوانه''،علم الماء کی دلیل ہے اور''الم نجعل الارض مهادا والجبال اوتادا " سے ارضیات ،مرج البحرین یلتقیان سےعلم البحر،''ومن کل الثمرات جعل فیها زوجین''،علم نباتات کی دلیل ہوسکتی ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان وعلی کرم اللہ وجہہ کا ایک اثر ہے: "تکثر الخطباء المنابر ......'' اس سے بعض حضرات نے انٹرنیٹ اور کمپیوٹر پر استدلال کیا ہے، ڈاکٹر طہٰ جابر العلوانی تحریرفرماتے ہیں:''الجمع بین القراء تین یا قراء ة النص أوالوحی وقراء ة الکون'' (مقاصد شریعت،ص ۳۲۹)۔

زمین میں جامع مواد اور گٹھلی سے سبزہ پیدا ہوتا ہے، اور یہ جانوروں کی طرح ہوا میں سانس لیتا ہے، کاربن ڈائی آکسائیڈ سبزہ (کلوروفل) کی موجودگی میں پانی کے ساتھ کیمیائی تعامل کر کے اپنے جسم کی نشو ونما کرتا ہے جب یہی پودے جانوروں کی خوراک بنتے ہیں تو جانوروں کی نشو ونما ہوتی ہے، آخر کار یہ پودے سڑ گل کر اور جانور کے مرنے کے بعد ایک قسم کی بیکٹیریا سے اثر انداز ہوتے ہیں اور جامد مواد نائٹرائٹ اور نائٹریٹ میں تبدیل ہوکر پھر زمین کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

حضور ﷺ نے بچوں کے ختنہ کا حکم دیا، آج کی تحقیق یہ ہے کہ ختنہ نہ کرنے سے کینسر ہوسکتا ہے (قرآن اور سائنس،ص۹۳،پروفیسر ڈاکٹر ایم اے عظیم)۔

نبی اکرم ﷺ نے ہمیں زیتون کا تیل استعمال کرنے کا حکم دیا،قرآن میں زیتون کی قسم بھی کھائی گئی ہے، وجہ یہ ہے کہ اس کی افادیت بہت زیادہ ہے، زیتون مقوی معدہ ہے، زیتون کے درخت کا گودا مقوی ذہن ہے، ذات الجنب (نمونیا) کا علاج بھی زیتون سے کرنے کا آقا مدنی ﷺ کا ارشاد ہے۔

قرآن نے سورج کی حرکت کو سورہ یسین میں بیان کیا ہے، سورہ انعام میں کلوروفل کا تذکرہ کیا ہے کہ کلوروفل کی حیثیت نباتات میں ایسی ہے جیسی خون کی حیوانات میں۔

ہمیں مختلف زبانون کے پڑھنے، لکھنے اور سیکھنے کا حکم دیا گیا، آپ ﷺ نے زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ عبرانی رسم الخط سیکھ لیں، چنانچہ انہوں نے بہت جلد سیکھ لیا، ان کو عبرانی کے علاوہ سریانی، فارسی اور قبطی زبانیں بھی آتی تھیں۔

پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں: ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ قرآن مجید میں مختلف علوم ہیں، اس میں تاریخ کا بھی ذکر ہے، ان میں ان علوم کا بھی ذکر ملتا ہے جنہیں ہم سائنس کا نام دیتے ہیں، مثلاً علم نباتات، علم حیوانات، علم حجر، علم بحر، علم ہیئت، یہاں تک کہ علم جنین کا بھی ذکر ملتا ہے (خطبات بھاولپور رص۳۱۸-۳۱۹)۔

ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں: عہد نبوی میں طبیبوں کی حالت اور جراحی کرنے والے سرجنوں کی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے (خطبات بھاولپور رص۳۱۹)۔

حضور اکرم ﷺ علم ہیئت سے بڑی اچھی طرح واقف تھے، نیز آپ ﷺ انساب سیکھنے اور عسکریات کے سلسلہ میں لوگوں کو ترغیب دلاتے تھے، کرہ ارض پر آکسیجن، کاربن ڈائی آکسائیڈ، نائٹروجن، گندھک، لوہے سمیت سو سے زیادہ عناصر موجود ہیں جن کے حیوانات و نباتات وغیرہ محتاج ہیں، ہم جب تک ان کی پوری حقیقت دریافت نہیں کریں گے اللہ کی قدرت کا استحضار کیسے ہوگا جوں جوں علوم جدیدہ پر حذاقت بڑھتی جائے گی خدا شناسی کامل ہوتی چلی جائے گی، نیز اس کے بعد اس سے جو علم حاصل ہوگا وہ استدلال ہوگا۔

حال ہی میں انسان نے یہ معلوم کیا ہے کہ آسمان پر سات مضبوط راستے ہیں، اور ستارے سات طرح کی چال چلتے ہیں، ۱-کسی سیٹلائٹ کی سیارے کے گرد گردش، ۲-سیارے کی خود اپنے گرد، ۳-سیارے کی گردش ستارے کے گرد، ۴-ستارے کی خود اپنے گرد، ۵-سیارے ستارے اور سیٹلائٹ کی اپنے کہکشاں کے مرکز کے گرد، ۶-کہکشاؤں کی گردش مقامی کہکشاؤں کے گروپ کے ساتھ، ۷-کہکشاؤں کا پھیلاؤ عام سمت میں قرآن کہتا ہے ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط راستے بنائے۔

ماہرین کہتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں کم وبیش چار ہزار اقسام کی زبانیں بولی جاتی ہیں، امام شافعیؒ کا قول ہے کہ زبانوں کا احصاء بجز نبی کے کوئی دوسرا نہیں کرسکتا، یورپ میں ۵۸۷، ایشیاء میں ۹۳۷، افریقہ میں ۲۷۶، امریکہ میں ۱۶۲۴، اور ہندوستان میں تقریباً چار سو۔

زمین وآسمان کی تخلیق نیز رنگوں اور زبانوں کا تنوع انہی آیات میں سے ہے، بے شک علماءِ فطرت کے لئے ان مناظر میں چند اسباق موجود ہیں قرآن کہتا ہے:''ومن آیاته خلق السموات والأرض واختلاف ألسنتکم وألوانکم إن فی ذلک لآیات للعالمین'' (سورۂ روم)، زمین وآسمان کی تخلیق نیز رنگوں اور زبانوں کا تنوع انہی آیات میں سے ہے، بے شک علماءِ فطرت کے لئے ان مناظر میں چند اسباق موجود ہیں۔

طب کو لیجئے تو حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سیکڑوں قسم کی دوائیں ملتی ہیں، جسے خود حضور ﷺ نے اپنے لئے یا دوسروں کے لئے تجویز کی ہیں، DNA کی بنیاد بھی قرآن عزیز ہے، کنز العمال علی حاشیۃ مسند احمد بن حنبل ۴/ ۲۸ پر دی گئی حدیث ''العلماء ثلثة رجل عاش يعلمه وعاش الناس به الخ''، ایک اور حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، ''تفکروا في آلاء الله ولا تفکروا في الله'' (کنز العمال حدیث ۵۷۰۷)۔

اب بخوبی معلوم ہو چکا ہوگا کہ شریعت اسلامیہ (قرآن وحدیث) میں جدید اعلیٰ تعلیم کے واضح اشارات بھی ہیں اور اس کے حصول کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے، احقر کی تمام گذارشات کا مقصد یہ ہے کہ علوم جدیدہ کی تائید کلام الٰہی اور احادیث سے ہورہی ہے نہ کہ سائنسی علوم کے ذریعہ شرعی علوم کی۔

۲- ڈاکٹر وہبہ زحیلی کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ڈیبٹ کارڈ لون دینے کے معاہدہ پر مشتمل رہتا ہے اس وقت یہ کارڈ اپنی تنظیم کے قانون کے خلاف لون دینے کا ذریعہ شمار ہوتا ہے، آگے لکھتے ہیں: کارڈ جاری کرنے والے اسلامی بینک کے لئے کارڈ کو تسلیم کرنے والے تاجر سے سامان فروخت اور خدمات کی قیمت سے فیصد کے حساب سے کمیشن لینا جائز ہے، اس لئے کہ وہ مارکیٹنگ

اور دلالی نیز قرض دینے کی خدمت کی اجرت کی طرح ہے (از مقالہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی بینک سے جاری ہونے والے کارڈ کے شرعی احکام/ص ۴۳۷)۔

چونکہ سارے مسائل کمپیوٹرائز ہوگئے ہیں اور اس میں انٹرنیٹ کی مدد لی جاتی ہے اس لئے اس کو دفتری کاروائی کا عوض قرار دیا جاسکتا ہے، علامہ علاء الدین حصکفی تحریر کرتے ہیں: ''لیستحق القاضی الأجر علی کتب الوثائق أو المحاضر والسجلات قدر ما یجوز لغیرہ کالمفتی'' (الدرالمختار علی الرد/۹، ۱۴۷)۔ قاضی دستاویز، معاہدات کے رجسٹر اور وثیقہ کے لکھنے پر اتنی ہی اجرت کا مستحق ہوگا جتنی دوسرے کو جیسے مفتی وغیرہ کو دی جاتی ہے، اکیڈمی کے پندرہویں سمینار کے فیصلے میں یہ تحریر ہے کہ اے ٹی ایم کارڈ اور ڈیبٹ کارڈ کے حصول اور استعمال کے لئے جو رقم ادا کی جاتی ہے وہ کارڈ کا معاوضہ اور سروس چارج ہے اس لئے اس کا ادا کرنا جائز ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے صورت مسئولہ میں اس کم شرح سود کو سروس چارج (اجرت خدمت) پر محمول کرنے کی گنجائش معلوم ہورہی ہے اس کی تائید اس سے بھی ''حکومت کا ادعاء ہے کہ اس قرض کا مقصد نفع کمانا نہیں'' ہورہی ہے کیونکہ ربا کی تعریف میں جو لفظ کلیدی حیثیت رکھتا ہے وہ نفع ہی ہے کل قرض جر نفعا نہورہا۔

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب تحریر کرتے ہیں: ''دفتر کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا، سفری چک، بینک ڈرافٹ، خطوط اور مختلف قسم کی مالی سندوں کے ذریعہ بینک ہر چھوٹی بڑی رقوم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں اور اس کا معاوضہ فیصد کمیشن یا فیس کی صورت میں وصول کرتے ہیں''، آگے لکھتے ہیں: ''اپنے گاہکوں کی نمائندگی کرتے ہوئے غیر منقولہ جائدادکی خرید وفروخت کا معاملہ کرنا اور اس سلسلہ میں قانونی کاروائیوں کی تکمیل کرانا بھی ان بالمعاوضہ خدمات سے ہے جو بینک انجام دیتے ہیں.....فی الجملہ کاروبار کی ترویج وترقی میں ان کے کاروباری اور قانونی مشیر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں.....تمام معاوضے سود سے پاک ہیں'' (غیر سودی بینکاری از نجات اللہ صدیقی/ص ۷۲)۔

۳- لون لینے کی شرطوں میں سے ایک گارنٹر بنا (والدین کی مالی صورتحال) تو ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ وہ اپنی پراپرٹی کا کچھ حصہ فروخت کر کے تعلیم پر خرچ کرتا اور اگر فروخت کرنے میں کچھ قانونی یا گھریلو مشکلات ہوں تو اسے اتنا ہی قرض لینا چاہئے جو سود سے مستثنیٰ ہو، بندہ نے مختلف یونیورسٹیوں سے رابطہ قائم کیا تو معلوم ہوا کہ بی ٹیک کی سالانہ فیس زیادہ سے زیادہ ۷۵۰۰ ہزار روپے، ایم ٹیک کی ۴۰۰۰۰ ہزار روپے، بی سی اے کی ۴۰۰۰۰ ہزار، ایم سی اے کی ۶۰۰۰۰ر ہزار روپے، ہوسٹل چارج ۱۲۰۰۰ ہزار روپے اور ۲۰۰۰۰ ہزار روپے کھانے کی فیس ہے، اور ان میں علی الترتیب چار سال، دو سال اور تین سال تعلیم کی مدت ہے، لہذا پوراخرچ چار لاکھ کے قریب یا اس سے کچھ زائد ہوسکتا ہے اور ۴ لاکھ پر سود نہیں دینا پڑتا تو اس کو چاہئے کہ انہیں جیسی تعلیم کی طرف رجوع کرے، بعد کو اگر اس کے معاشی حالات بہتر ہو گئے تو ہندوستان کے باہر بھی جا کر تعلیم حاصل کرسکتا ہے، باوجود اس کے قرض لینے والے کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ارباب افتاء سے رجوع کرے اور مفتی کو مبتلی بہ کے حالات سامنے رکھ کر جواز وعدم جواز کا فیصلہ کرنا چاہئے۔

محترم ڈاکٹر صلاح الدین سلطان صاحب نے مقاصد شریعت کے رص ۳۴۰ پر ایک تحریر پیش کی ہے احقر ضروری سمجھتا ہے کہ اسے پیش کردے:

''اب مقاصد شریعت کی روشنی میں غور کیجئے کیا یہ بڑا سنگین خطرہ نہیں کہ مسلمان جاہل یا بے روزگار رہ جائیں، حالانکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:"**ولن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا**"(اور ان کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ ہونے دے گا)، اب ایک مسلمان نے اللہ تعالی کے اس فرمان کے مطابق کفار پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے لون لیا اور ڈاکٹر بن گیا، وکیل بن گیا، انجینئر بن گیا، موجد وتخلیق کار بن گیا تو کیا اس نے بڑے خطرے کو دور نہیں کیا، آگے موصوف لکھتے ہیں:'' کیا کوئی سروے رپورٹ ایسی ہے جو یہ بتاتی ہو کہ آج کے بے رحم معاشرہ میں اگر کسی مسلمان بچہ کو پڑھایا لکھایا نہ جائے کمپیوٹر کی تعلیم نہ دلائی جائے، گریجویشن کی سطح کی

تعلیم نہ دلائی جائے تو وہ سماج کا کوئی صالح عنصر رہ سکے گا، کیا بے کار گھر بیٹھے رہنا اس کے لئے کسی بھی حیثیت سے مفید ہوگا؟۔

اگر کوئی بلاسودی نظام یا ادھار بدون سود کی کوئی صورت نہ بن سکے تو احقر اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کے حق میں ہے، کیونکہ فی زمانہ تعلیم حاجت کے درجہ میں ہے، لیکن مال کے اعتبار سے ضرورت کے درجہ میں ہے، اور کبھی دنیوی اور دینی حیات کی تکمیل اسی پر منحصر ہوجاتی ہے، شیخ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

''الضروریات هی التی یتوقف علیها حیاة الناس الدینیة والدنیویة بحیث اذا فقدت اختلت الحیاة فی الدنیا وضاع النعیم وحل العقاب فی الآخرة''۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں: ''الحاجة تنزل منزلة الضرورة''، اور الاشباہ کا یہ جزئیہ ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''، کتب صحاح میں بیع عریہ کا ثبوت بھی موجود ہے، بیع عریہ اور استقراض بالربح میں ربا پائے جانے کے باوجود ضرورت ہی کے تحت فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں۔

۴- قرض کے جواز اور عدم جواز کا تعلق تو بالغ اولاد سے ہی ہوگا، لیکن والد پر کچھ اخلاقی اور سماجی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، وہ یہ کہ جب تک اولاد زیر تعلیم ہے والد اس کی مکمل کفالت کرے۔

۵- اگر مقصد صرف یہ ہو کہ اپنے بینک بیلنس پر حرف نہ آئے تو اسکی قطعاً گنجائش نہیں ملنی چاہئے، بصورت دیگر جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن اس میں بھی ''الضرورة تتقدر بقدر الضرورة'' کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

☆☆☆

اعلیٰ عصری تعلیم

کے لئے بینکوں سے قرض حاصل کرنا

مولانا راشد حسین ندوی ☆

۱- اسلام میں علم کی اہمیت:

اسلام میں علم کی جس قدر اہمیت وفضیلت بیان کی گئی ہے، شاید کسی اور مذہب میں اس کا تصور بھی مشکل ہے، قرآن کی ابتدا ہی لفظ "اقرا" سے کی گئی ہے، اور پھر تاکید اس کی تکرار بھی کی گئی (سورۂ علق ۱ تا ۵)۔ قرآن پاک میں یہ بھی صراحت سے آیا ہے کہ حضرت آدم کی ملائکہ پر فوقیت علمی تفوق کے بنیاد پر دی گئی (سورۂ بقرہ ۳۰ تا ۳۳)۔ اس کے علاوہ بھی متعدد مواقع پر علم اور علماء کی فضیلت بیان کی گئی، ان کا احصاء دشوار ہے، ہم نمونہ کے طور پر تبرکا صرف چند آیات کا ذکر کرتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون انما يتذكر أولو الألباب" (سورۂ زمر: ۹) (کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں)۔

نیز فرمایا:

"يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين أوتوا العلم درجات" (سورہ مجادلہ/۱۱) (جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم عطا کیا گیا خدا ان کے درجے بلند کرے گا)۔

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہے:

''إنما یخشی الله من عباده العلماء'' (سورۂ فاطر:۲۸) (خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں)۔

کئی جگہ یہ بھی بتایا گیا کہ کائنات پر غور وفکر کا صحیح اور ٹھیک ٹھیک فائدہ اہل علم ہی کو ہوسکتا ہے، ارشاد ہے:

''إن فی ذلک لآیات للعالمین'' (سورۂ روم:۲۲) (اہل دانش کے لئے ان باتوں میں بہت سی نشانیاں ہیں)۔

''شهد الله أنه لا إله إلا هو والملائكة وأولوا العلم قائما بالقسط'' (سورۂ آل عمران:۱۸) (اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، اور فرشتوں نے علم والوں نے بھی وہی حاکم انصاف کا ہے)۔

نبی کریم ﷺ نے بھی متعدد مواقع پر علم کی فضیلت اور اہمیت کی طرف متوجہ فرمایا، ایک موقع پر فرمایا:

''من سلک طریقا یلتمس فیه علما سهل الله له طریقا الی الجنة'' (بخاری کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل (تعلیقا) ابوداؤد کتاب العلم باب فی فضل العلم، ترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی فضل الفقہ) (جو شخص طلب علم میں کسی راہ پر چلتا ہے تو اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے)۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

''إن العالم یستغفر له من في السموات والأرض والحیتان فی جوف الماء، وان فضل العالم علی العابد كفضل القمر لیلة البدر علی سائر الكواكب'' (المصادر السابقہ، البخاری) (عالم کے لئے آسمانوں نیز زمین کی تمام چیزیں اور پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں استغفار کرتی رہتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے چودھویں کے چاند کی دوسرے ستاروں پر)۔

علم کی تعریف:

لغت کے اعتبار سے علم جہل کی ضد ہے، یعنی کسی چیز کو جاننا اور محسوس کرنا چنانچہ لسان العرب میں ہے: "والعلم نقیض الجهل، وعلمت الشئ علمه علماً :عرفته، وعلم بالشئ: شعر" (لسان العرب مادہ: علم)، اور القاموس المحیط میں ہے: "علمه کسمعه علما بالکسر عرفه" (القاموس المحیط مادہ: علم)۔

دونوں عبارتوں کا لب لباب وہی ہے جو علم کی تعریف میں اوپر عرض کیا گیا، لہذا لغوی اعتبار سے چاہے جس طرح کا علم حاصل کیا جائے اوپر بیان کردہ فضائل حاصل ہوں گے، اس لئے کہ وہ علم ہے البتہ چونکہ ان نصوص ہی میں بعض شرطیں لگی ہوئی ہیں لہذا ان کا موجود ہونا ضروری ہوگا، مثلاً سورۂ علق میں ہے:

"اقرأ باسم ربک الذی خلق" (سورۂ علق:۱)(پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس علم کو حاصل کر رہا ہے اس کا حصول پروردگار عالم کے عرفان میں معین ومددگار ہو، اس میں رکاوٹ نہ ہو۔

دوسری شرط کی طرف سورہ فاطر میں اشارہ کیا گیا:

"إنما یخشی الله من عباده العلماء" (سورۂ فاطر:۲۸)(خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن علم کی قرآن وحدیث میں فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اس سے مراد مطلق علم نہیں ہے بلکہ ایسا علم مراد ہے جس سے اللہ کا خوف اورتقوی پیدا ہو۔

پھر ایک حدیث شریف میں تو صاف صراحت ہے کہ کتاب وسنت کی نصوص میں جہاں بھی علم کی فضیلت بیان کی جاتی ہے، اس سے صرف دینی علوم ہوتے ہیں، چنانچہ ارشادباری ہے:

"وعن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله ﷺ: العلم ثلاثة وما

كان سوى ذلک فهو فضل : آية محكمة أو سنة قائمة أو فريضة عادلة ''
(ابوداؤد، کتاب الفرائض باب ماجاء فی تعلیم الفرائض، ابن ماجہ کتاب السنۃ باب اجتناب الرأی والقیاس)۔

(حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم تین ہیں: اس کے علاوہ بقیہ فضل ہیں، آیت محکمہ، سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ)۔

اس حدیث کی تشریح میں علماء کی دو آراء ہیں:

۱- ان تین کے علاوہ بقیہ چیزیں علم نہیں ہیں۔

۲- یہاں صرف علوم دینیہ کے فرض کفایہ کا ذکر ہے۔

پہلے قول کی ترجمانی کرتے ہوئے ملاعلی قاری فرماتے ہیں:

''وما عدا ذلک من الفضول، ولا مدخل له في علم الدين، وأما الطب فليس بفضول لما ثبت بنصوص السنة الافتقار إليه.....أقول فيه: ان كل ما ثبت بالسنة الافتقار إليه لا يلزم أن يكون علما كالحجامة والزراعة والنساجة، فإنها من فروض الكفاية ولا يسمى علوما مع ان العلم بالطب جائز لا فرض اجماعا الفتح'' (مرقاۃ ۱/ ۴۵۷)۔

(طیبی فرماتے ہیں) اس کے علاوہ وہ علوم فضائل میں سے ہیں، اور علم دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، جہاں تک طب کا تعلق ہے تو وہ فضائل میں سے نہیں ہے، اس لئے کہ نصوص سنت سے ان کی حاجت ثابت ہے.....اس کے بارے میں میں کہتا ہوں کہ سنت سے جن چیزوں کی حاجت ثابت ہو ان کا علم ہونا لازم نہیں ہے، جیسے پچھنے لگانا، کھیتی کرنا اور کپڑے بنا فرض کفایہ میں سے ہے، لیکن ان کو علوم نہیں کہا جاتا، پھر طب کا علم بالا جماع جائز ہے نہ کہ فرض)۔

دوسرے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

''أقول: هذا ضبط وتحديد لما يجب عليهم بالكفاية(الى) فهذه

الثلاثة یحرم خلو البلد عن غالبها لتوقف الدین علیه، وما سوی ذلک من باب الفضل والزیادة" (حجۃ اللہ ۱/۴۸۹، ۴۹۰)۔

(میں کہتا ہوں کہ یہ ان علوم کی تعیین اور حد بندی ہے جو مسلمانوں پر فرض کفایہ ہیں (آگے فرماتے ہیں) تو ان تین کے غالب سے شہر کا خالی ہونا حرام ہے، اس لئے کہ دین کا دارومدار انہیں پر ہے، اور ان کے علاوہ فضیلت اور زیادتی سے متعلق ہیں)۔

امام غزالیؒ نے بھی علم کی کئی قسمیں بیان کی ہیں، اور خاصی طویل بحث کی ہے، خلاصہ اس کا یہی ہے کہ علم صرف شرعیات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ بعض دوسرے علوم بھی فرض کفایہ ہیں، فرماتے ہیں:

غیر شرعی علوم کی تین قسمیں ہیں: محمود، مذموم، مباح، تو محمود وہ ہیں جن سے دنیاوی امور جڑے ہوئے ہوں، جیسے طب اور حساب، اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک فرض کفایہ، دوسرے وہ جو فضیلت والے ہیں اور فرض نہیں ہیں، جہاں تک فرض کفایہ کا تعلق ہے تو یہ وہ علوم ہیں جن سے امور دنیا کے چلانے میں استغناء نہیں ہوسکتا ہے جیسے کہ طب اس لئے کہ جسموں کے باقی رکھنے کی حاجت میں وہ ضروری ہے اور جیسے کہ حساب اس لئے کہ وہ معاملات، نیز وصیتوں اور میراث کی تقسیم میں ضروری ہیں، اور یہ ایسے علوم ہیں کہ اگر شہر ان کو انجام دینے والوں سے خالی ہو تو اہل بلد کو دشواری ہوگی اور اگر ایک ان کو انجام دے دے تو کافی ہوگا اور دوسروں سے فرض ساقط ہوجائے گا، تو ہمارے اس قول سے تعجب نہ ہونا چاہئے کہ طب اور حساب فرض کفایہ میں سے ہیں، اس لئے کہ صنعتوں کے اصول بھی فرض کفایہ میں سے ہیں جیسے کاشتکاری، کپڑے کی بنائی اور گھوڑوں کی دیکھ بھال بلکہ پچھنے لگانا اور کپڑوں کی سلائی کرنا بھی (آگے فرمایا) رہے وہ علوم جن کو فضیلت مانا جاتا ہے نہ کہ فریضہ تو وہ حساب کی باریکیوں اور طب کے حقائق کی گہرائیوں میں جانا نیز وہ چیزیں ہیں جن سے استغناء ہوتا ہے لیکن وہ اس مقدار میں زیادتی قوت کا فائدہ دیتے ہیں، جس کی حاجت ہوتی ہے (احیاء علوم الدین ۱/۲۷)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک یہ علوم بھی علم کی تعریف میں شامل ہیں۔
اس کی تائید ہندیہ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

"(العلوم ثلاثة) علم نافع يجب تحصيله ، وهو علم معرفة المعبود وخلق الأشياء سوى الله تعالى و بعد ذلک العلم بالحلال والحرام والأمر والنهي ومابعث الأنبياء به وعلم يجب الاجتناب عنه وهو السحر وعلم الحكمة والطلسمات وعلم النجوم إلا على قدر ما يحتاج إليه في معرفة الأوقات وطلوع الفجر والتوجه إلى القبلة والهداية في الطريق، وعلم آخر ليس فيه نفع يرفع إلى الآخرة وهو علم الجلال والمناظرات فيكون الاشتغال به تضييع العمر في شئ لا ينفد في الآخرة" (ہندیہ ۵/۳۷۸)۔

(علوم تین ہیں: ایک علم نافع جس کا حاصل کرنا واجب ہے، یہ معبود کی معرفت نیز اللہ کے علاوہ بقیہ اشیاء کی خلقت کی معرفت کا علم ہے، اس کے بعد حلال حرام، امر ونہی نیز جس کے ساتھ انبیاء کی بعثت ہوئی اس کا علم ہے، دوسرا وہ علم ہے جس سے اجتناب واجب ہے، یہ جادو، علم فلسفہ، طلسمات اور علم نجوم ہے سوائے اتنی مقدار کے جس کی اوقات اور طلوع فجر جاننے، قبلہ کی طرف رخ کرنے اور راستہ تلاش کرنے میں حاجت ہوتی ہے، تیسرا علم وہ ہے جس میں آخرت کی طرف لوٹنے والا کوئی نفع نہیں ہوتا ہے، یہ علم جدل اور مناظرہ ہے، تو اس سے اشتغال عمر کو ایسی چیز میں ضائع کرنا ہے جو اسے آخرت میں فائدہ نہیں پہنچائے گی)۔

بہر حال علوم دینیہ کے علاوہ بقیہ دوسرے علوم کو خواہ علم کہا جائے، جیسا کہ عرف ہے، لغت کا تقاضہ ہے اور ہمارے بہت سے علماء نے سمجھا ہے، یا انہیں علم کے بجائے کوئی دوسرا نام دیا جائے، بہر حال اس پر تو سب متفق ہیں کہ جن علوم وفنون پر کاروبار معیشت کا دارومدار ہو، اور جن کے بغیر کسی صالح اور متمدن معاشرہ کا چلنا دشوار ہو ان کا سیکھنا بھی ضروری ہے اور فقہی حیثیت سے ان کو فرض کفایہ قرار دیا جائے گا۔

فرض عین کون سا علم ہے؟

حدیث شریف میں آیا ہے:

''عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: طلب العلم فریضة علی کل مسلم'' (ابن ماجہ کتاب السنۃ باب فضل العلماء والحث علی طالب العلم) (حضرت انسؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

اس حدیث کے بارے میں صاحب مشکاۃ فرماتے ہیں:

''رواه ابن ماجة و روی البیهقی فی شعب الایمان الی قوله: "مسلم" وقال: هذا حدیث مستند مشهور، واسناده ضعیف و قدروی من أوجه کلها ضعیف'' (اس کی روایت ابن ماجہ نے کی ہے، اور بیہقی نے شعب الایمان میں ''مسلم'' تک اس کی روایت کی اور فرمایا: اس حدیث کا متن مشہور ہے اور اس کی سند ضعیف ہے، اس کی روایت کئی طریق سے ہوئی ہے اور سب ضعیف ہیں)۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: ''لکن کثرة الطرق تدل علی ثبوته ویقوی بعضه ببعض'' (مرقاۃ ۱/ ۴۳۵) (لیکن کثرت طرق اس کے ثابت ہونے پر دال ہیں اور ایک کو دوسرے پر تقویت مل رہی ہے)۔

سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں جس علم کو فرض عین قرار دیا گیا ہے اس سے کون سا علم مراد ہے؟ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

''اختلف الناس في العلم الذي هو فرض علی کل مسلم، فتفرقوا فیه أکثر من عشرین فرقة، ولا نطیل بنقل التفصیل، ولکن حاصله أن کل فریق نزل الوجوب علی العلم الذی هو یصدده'' (احیاء ۱/ ۲۵)۔

(اس علم کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے جو ہر مسلمان پر فرض ہے، چنانچہ اس کے بارے میں بیس سے زیادہ گروہ ہو گئے ہیں، ہم تفصیل نقل کر کے طوالت نہیں کریں گے، لیکن

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر فریق نے وجوب کو اس علم سے متعلق کیا ہے جس میں وہ لگا ہوا ہے)۔

خود امام غزالیؒ نے راجح اس کو قرار دیا ہے کہ انسان جب مکلف ہوتا ہے تو اسپر اقرار توحید فرض ہوجاتا ہے، پھر نماز کا وقت آتا ہے تو نماز کا علم فرض ہوجاتا ہے، اسی طرح جو جو فرائض ہوتے رہتے ہیں ان کا جاننا فرض ہوتا رہتا ہے (ایضا ۲۵، ۲۶)۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"قال الشراح: المراد بالعلم مالا مندوحة للعبد من تعلمه كمعرفة الصانع، والعلم بوحدانيته ونبوة رسوله و كيفية الصلاة، فان تعلمه فرض عين و أمابلوغ مرتبة الاجتهاد والفتيافقرض كفاية" (مرقاۃ ۱/۳۳۴)۔

(شراح فرماتے ہیں: علم سے مراد وہ ہے جس کے حصول کے بغیر چارہ کار نہ ہو، جیسے خالق کی معرفت، اس کی وحدانیت اس کے رسول کی نبوت اور نماز کی کیفیت کا علم، اس لئے کہ اس کا سیکھنا فرض عین ہے، رہا مرتبہ اجتہاد اور افتاء تک پہنچنا فرض کفایہ ہے)۔

ہندیہ میں فرماتے ہیں: "طلب العلم فريضة بقدر الشرائع وما يحتاج إليه لا مر لا بد منه من الكلام الوضوء، والصلاة، وسائر الشرائع ولأمور معاشه وما وراء ذلك ليس بفرض، فان تعلمها فهو أفضل وان تركها فلا إثم عليه كذا في السراجية" (ہندیہ ۵/۳۷۷)۔

(شرائع کے بقدر اور ضروری امور میں جن کی حاجت ہوتی ہے اس کے بقدر علم کا حاصل کرنا فرض ہے، جیسے وضو، نماز اور دوسرے شرعی معاملات کے احکام نیز اپنے معاش سے متعلق امور، اس کے علاوہ چیزیں فرض نہیں ہیں، اگر ان کو سیکھا تو افضل ہے نہیں سیکھا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صاحب مظاہر حق کے الفاظ میں: جس علم کی ضرورت پڑے اس کا سیکھنا فرض ہے، مثلاً جب آدمی مسلمان ہوا تو خالق کی معرفت فرض ہے، پھر اس کی صفات کا جاننا

اور رسول اکرم ﷺ کی نبوت کا جاننا فرض ہے، اور جب نماز کا وقت آیا تو احکام نماز کا سیکھنا فرض ہے، غرض جو بات اسکو پیش آتی رہے اس کا سیکھنا فرض ہوگا (مظاہر حق ۱/ ۹۶، ۷۵ بتغیر)۔

اور اس سے زیادہ کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہوگا بشرطیکہ وہ ایسی چیز ہو جس کی ضرورت پیش آتی ہو، خواہ وہ علم دین ہو یا ڈاکٹری، انجینئرنگ جیسی ضروری چیزوں میں مہارت، خواہ علم دین کے علاوہ کو علم کہا جائے یا نہ کہا جائے اگر ان کی حاجت ہے تو ان کے حصول کے فرض کفایہ ہونے پر سبھی متفق ہیں۔

اعلی عصری تعلیم کا حصول بھی فرض کفایہ ہے:

اس تفصیل کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ علوم عصریہ کو خواہ علم کہا جائے یا ہنر کا نام دیا جائے اس میں اختلاف کی گنجائش ہے، لیکن ان کے فرض کفایہ ہونے میں دو رائیں نہ ہونا چاہئے۔

لہذا چاہے میڈیکل لائن ہو یا انجینئرنگ کی، فضائی سائنس کا شعبہ ہو یا بحری سائنس کا، میڈیسن کی تیاری کی شاخ ہو یا جراحت وغیرہ میں مہارت کا، ہتھیاروں کی تیاری کا علم ہو یا مصنوعی سیاروں کی تیاری کا، ان سب علوم میں بھی مسلمانوں کو نہ صرف دوسری قوموں کے شانہ بشانہ رہنا چاہئے بلکہ ان سے برتر اور ممتاز رہنا چاہئے، ورنہ دنیا میں انہیں غلبہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

ایک دور گزرا ہے جب مسلمان ان علوم میں بھی دنیا کی امامت کر رہے تھے، اور ان علوم وفنون میں اپنی مہارت کے جھنڈے گاڑ رہے تھے، آج جب کسی بھی علم وہنر کا نام لیا جاتا ہے تو ہم مسلمان فخر یہ کہتے ہیں کہ اس فن میں ہمیں اولیت حاصل ہے، اور پھر ناموں کی ایک پوری فہرست پیش کر دیتے ہیں، بہر حال یہ دور مسلمانوں کے عروج کا تھا، ڈاکٹر صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم لکھتے ہیں:

''یونان وروم مٹ چکے تھے، یورپ میں ذہنی تاریکی پھیلی ہوئی تھی، ایران میں فکری طوائف الملوکی تھی، ہندوستان جاگ کر پھر سو رہا تھا، تو بغداد منصور سے معتضد باللہ کے عہد تک بیت الحکمت بن کر علوم کے انوار سے منور ہو رہا تھا (آگے فرماتے ہیں) بغداد کی طرح قرطبہ

غرناطہ اور قاہرہ بھی علمی مرکز ہے، اہل یورپ یہاں کی درسگاہوں میں تعلیم پاتے، پوپ سادس ثانی نے اپنی تعلیم قرطبہ کی اسلامی درسگاہ میں پائی''(مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب رص ۴۲-۴۳)۔

اور آج مسلمانوں کے دورزوال میں یہ صورتحال ہے کہ بتایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے کل ممالک میں جتنے سائنسداں ہیں اس سے زیادہ یورپ کے اکیلے ایک فرانس میں ہیں، عرب ممالک کو خاصا مالدار سمجھا جاتا ہے، اور یہ مالداری پٹرول کے سبب ہے، لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ نہ تو ان کے پاس یہ اہلیت ہے کہ خود نئے چشموں کی تلاش کرسکیں، اور نہ یہ اہلیت ہے کہ نکلے ہوئے پٹرول کو صاف ہی کرسکیں، ان کا پورا مدار غیر ملکی ماہرین پر ہے، بتایا جاتا ہے کہ افغانستان اور کئی مسلم ممالک کے پہاڑی علاقے بعض اتنی قیمتی معدنیات سے مالا مال ہیں جن سے ان کی تقدیریں بدل سکتی ہیں، لیکن افسوس نہ تو ان کے اندر ان کو کھوجنے کی صلاحیت ہے نہ استعمال کرنے کی گویا مسلمانوں کے پاس نہ تو نفری قوت کم ہے نہ مال و دولت اور قدرت معدنیات کی کمی ہے، کمی صرف تکنیکی صلاحیتوں کی ہے، اگر یہ کمی نہ ہوتی تو وہ آج بھی اقوام عالم پر اسی طرح غالب ہوتے جیسے اسلاف تھے، اور ان کی حیثیت سمندر کے جھاگ کی طرح نہ ہوتی جسے پھونک مار کر بھی معدوم کیا جاسکتا ہے۔

اگر مسلمان اور عرب نت نئے ہتھیاروں، جدید ترین اسلحوں اور تکنیکی صلاحیتوں سے لیس ہوتے تو کیا اسرائیل جیسی معمولی ریاست ان کو آنکھ دکھا سکتی تھی؟ کیا یہودیوں کا ایمانی جذبہ مسلمانوں سے بڑھ کر ہے؟

حالانکہ قرآن پاک میں مسلمانوں کو صاف صاف حکم دیا گیا تھا:

''و أعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله''(سورۂ انفال: ۶۰)(اور جس قدر تم سے ہوسکے قوت (یعنی ہتھیار) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم (اپنا) رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ

(کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم بالیقین نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے)۔

موجودہ دور میں اس حکم پر عمل کرنے کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟ کیا صرف علوم شرعیہ کی مہارت سے موجودہ تقاضوں کے مطابق اس حکم پر عمل ممکن ہے؟ میرے خیال سے تو اس حکم کا تقاضہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت جدید علوم وفنون میں مہارت حاصل کرے، اور جس طرح ماضی میں بارود توپ اور طرح طرح کی ایجادات کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے، موجودہ دور میں بھی جدید ترین ایجادات ان کی رہین منت ہوں، یا کم از کم اس میدان میں وہ غیروں کے شانہ بشانہ ہوں، لیکن افسوس اس میدان میں ہم بہت پچھڑ گئے اور دوسری قومیں بازی مار لے گئیں۔

اس کی ایک وجہ راقم کے نزدیک یہ بھی رہی کہ کچھ خطرات کے پیش نظر علماء نے اس میدان سے مکمل طور پر دوری اختیار کی، لہذا جو لوگ عصری علوم کا میدان منتخب بھی کرتے ہیں ان کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوتے، اس لئے کہ یہ لوگ یہ میدان معاشی مجبوریوں کے سبب اختیار کرتے ہیں نہ کہ فرض کفایہ کی ادائگی کے لئے ملی ضروریات کے پیش نظر، جب کہ ضرورت اس بات کی تھی کہ منصوبہ بند طریقہ سے ذہن سازی کرکے فرض کفایہ ادا کرنے کے لئے اور مسلمانوں کی ملی ضروریات پوری کرنے کے لئے حسب ضرورت افراد کو ان میدانوں میں بھیجا جاتا تاکہ پوری ملت اس فرض سے سبکدوش ہوتی، اس طرح کی کتنی ہی لائنیں ہیں جن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ کو دیکھتے ہوئے جتنے افراد کی ضرورت تھی یا جتنے کمال کی ضرورت تھی ابھی وہ پوری نہیں ہوسکی ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ اعلی عصری تعلیم کے جن شعبوں سے ملت کا مفاد وابستہ ہے ان کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق جس طرح کی مہارت کی ضرورت تھی اور جتنی بڑی

ٹیم کی ضرورت تھی ابھی وہ پوری نہیں ہوسکی ہے، لہذا میں سمجھتا ہوں کہ پوری ملت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے کہ اس سمت توجہ دے ورنہ اس کی بازپرس ہوسکتی ہے، جس طرح دین کے بقاء کے لئے مدارس کی ضرورت سمجھی گئی اور قریہ قریہ بستی بستی مدارس ومکاتب کا جال بچھا کر اس ضرورت کو پورا کیا گیا اور دین کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا گیا، ٹھیک اسی طرح ملت کی بقاء اور اس کی سرخروئی اور انفعیت ثابت کرنے کے لئے عصری علوم کے میدان میں بھی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، یہ کام بھی میرے نزدیک اسی وقت کامیابی سے ہمکنار ہوگا جب اس کی باگ ڈور علماء اور مخلصین سنبھالیں گے۔

۲-تعلیمی قرض کیا سروس چارج ہے؟

سود کی مذمت کتاب وسنت میں اتنے سخت الفاظ سے کی گئی ہے کہ شاید ہی کسی چیز کی اتنی سخت مذمت کی گئی ہوگی، مثلاً ارشاد ہے:

''فإن لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله'' (سورۂ بقرہ ۲۷۹) (پھر اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے)۔

دوسری جگہ کہا گیا کہ باز نہ رہنے پر عذاب تزکیہ نہیں بلکہ کفار کی طرح عذاب الیم ہوگا:

''واتقوا النار التی أعدت للكافرين'' (آل عمران/۱۳۱) (اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے)۔

حدیث شریف میں بھی سخت ترین وعیدیں ارشاد ہوئیں، اور سود وشبہ سود دونوں سے بچنے کی تاکید کی گئی:

''دعوا الربا والريبة'' (ابن ماجہ تجارات باب التغلیظ فی الربا) (سود بھی چھوڑ دو اور شبہ سود بھی)، نیز سود کا سب سے معمولی گناہ ماں کے ساتھ زنا کاری کے برابر قرار دیا گیا۔

ان نصوص کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک مسلمان سود سے کوسوں دور رہے۔

البتہ اضطرار کی حالت میں جس طرح مردار اور لحم خنزیر کا استعمال بقدر سد رمق جائز

ہے، ظاہر ہے اس حالت میں بقدر ضرورت سود کا استعمال بھی جائز ہوگا، اور چونکہ بہت سے مواقع میں حاجت کو شریعت نے ضرورت کے مرتبہ میں قرار دیا ہے "الحاجة تنزل منزل الضرورة عامة كانت أو خاصة" (الاشباہ والنظائر ۱/ ۱۱۴)، اسی لئے بعض علماء نے حاجت شدیدہ کی بنیاد پر بھی اس کی اجازت دی ہے، ضرورت و حاجت و منفعت فضول کی پانچ مدارج کا حموی کے حوالہ سے ذکر کرتے ہوئے قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ لکھتے ہیں: "حاجت علی العموم حرام کو مباح تو نہیں کرتی لیکن کبھی کبھی حاجت چاہے عام ہو یا خاص ضرورت کے درجہ میں تسلیم کر لی جاتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ایسے حاجت مند لوگ جن کے لئے اپنی ضروریات کی تکمیل کا کوئی اور راستہ نہ ہو اور ضروریات بھی ایسی ہیں کہ اگر وہ انہیں پورا نہ کریں تو بڑی دشواری میں پڑ جائیں گے ان کے لئے فقہاء نے سودی قرض لینا جائز قرار دیا ہے (مباحث فقہیہ / ص ۴۶۴)۔

لیکن سودی قرض لے کر بہر حال اعلی تعلیم کے حصول کی شرعاً گنجائش معلوم نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ عصری تعلیم بلاشبہ فرض کفایہ میں سے ہے، اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اس کی بڑی اہمیت ہے، لیکن ظاہر بات ہے جس شخص کے پاس جائز وسائل نہ ہوں اس پر اس کا حصول فرض نہیں ہوگا، لہذا اس کو ناجائز ذرائع وہ بھی سود جیسے ملعون ذریعہ سے اس کے حصول کو جائز نہیں قرار دیا جاسکتا، ہاں یہ ذمہ داری قوم و ملت کی ہے کہ کسی ہونہار طالب علم کو صرف وسائل کی کمی کی وجہ سے محروم نہ ہونے دے۔

مذکورہ قرض کیا ہے؟

سوالنامہ کے ساتھ وجیا بینک کی تعلیمی قرض سے متعلق جو تفصیلات منسلک کی گئی ہیں (اور بظاہر اسی سے ملتی جلتی تفصیلات دوسرے بینکوں اور اداروں کی بھی ہونگی) اس میں شرح سود واقعتاً بہت کم ہے، لیکن سوال شرح سود کے کم یا زیادہ ہونے کا نہیں ہے، بلکہ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا اس کو سروس چارج قرار دیا جاسکتا ہے یا یہ سود ہی ہے؟

میرے خیال سے اس کو سروس چارج کہنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اگر یہ سروس

چارج ہوتا تو اس میں سالانہ اضافہ نہ ہوتا، اس انداز سے اضافہ صاف بتارہا ہے کہ یہ سود ہے، اس لئے کہ اس پر سود کی تعریف صادق آ رہی ہے، سود کی تعریف علامہ شامی نے بایں الفاظ کی ہے:

''وشرعاً: فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بمال'' (شامی ۱۹۶/۴) (مال کے مال سے معاوضہ کے وقت بلاعوض زائد مال)۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''کل قرض جر نفعا حرام إذا کان مشروطاً'' (شامی ۱۹۴/۴) (ہر وہ قرض جو نفع لائے حرام ہوگا بشرطیکہ وہ مشروط ہو)۔

اس قرض میں بھی سالانہ منافع مشروط ہے اگر چہ اس کی مقدار کم ہے، اس کا انداز سروس چارج کا نہیں ہے کہ حساب کر کے صرف مصارف وصول کئے جاتے ہوں، بلکہ سراسر سود کا ہے۔

البتہ اگر اس میں تبدیلی کر دی جائے، اور سالانہ یا ماہانہ اضافہ کرنے کے بجائے دفتری مصارف کا جائزہ لے کر ٹھیک ٹھیک حساب کر کے ان کو ایک لخت مقرر کر دیا جائے، وصولی خواہ قسط وار ہی کی جائے تو اس کو سروس چارج قرار دیا جا سکتا ہے، اور شرعاً جواز کا حکم لگایا جا سکتا ہے، اس صورت میں یہ گنجائش بھی رہے گی کہ اس سروس چارج کو قرض کی مقدار پر فیصد کے حساب سے مربوط کر دیا جائے، یا ہر قرض پر یکساں چارج لگایا جائے، یعنی سروس چارج وصول کرنا بھی جائز ہے، اور اس کو فیصد سے مربوط کرنا بھی جائز ہے، مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''قرض جاری کرنے اور اس کا حساب و کتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں، بینک کے لئے اپنے قرضداروں سے بطور سروس چارج کے ان کو وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے جو اس منصوبہ پر قرض کے اجراء کے لئے پیش آئے ہیں'' (فقہی مقالات ۲۷۰/۱)۔

مولانا موصوف نے اس سروس چارج کو فیصد سے مربوط کرنے کی بھی اجازت دی

ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ قرض کی مقدار کی مناسبت سے سروس چارج میں بھی کمی بیشی ہو، اور اس پر استدلال مختلف کتب فقہیہ کے حوالہ سے دلال کی اجرت سے کیا ہے، کہ اس کو فیصد سے مربوط کرنے کی اجازت فقہاء نے دی ہے، اخیر میں لکھتے ہیں:

''لہذا دلال کے کمیشن پر قیاس کرتے ہوئے زیر بحث مسئلہ میں قرض کے اجراء پر آنے والے دفتری اخراجات کو قرض کی مقدار پر فیصد کے لئے مقرر کرنے کو جائز قرار دیا جائے گا'' (فقہی مقالات ۱/۲۷۶)۔

اس کی ایک دوسری شکل بھی ممکن ہے، جو حضرت مفتی نظام الدینؒ سے ایک استفتاء اور جواب سے ماخوذ ہے، استفتاء کچھ اس طرح تھا:

''کسی شخص نے اس ارادہ سے حکومت سے بطور قرض امداد لی ہے کہ اس میں سے بعض رقم کو بینک کے کسی ایسے کھاتے میں جمع کردے جس میں جمع کی ہوئی رقم کا سالانہ سود و بیاج قرض لی ہوئی رقم سے بڑھ جاتی ہو الخ.....'' اس کا مفتی صاحب نے یہ جواب دیا:

''مجبور وغریب کا حکومت سے قرض لینا کہ اس میں سے کچھ رقم بینک کے کسی ایسے کھاتے میں جمع کردی جائے جس سے ملنے پر سود پورے قرضہ کے سود کی ادائیگی کے لئے کافی ہو، اور بقیہ رقم اپنے کاروبار میں لگادی جائے جس کو الگ سے ادا نہ کرنا پڑتا ہو تو شرعاً یہ حیلہ درست ہے ''من أراد بالحيلة الهرب من الحرام فلا باس'' (سراج علی الخانیہ ۴/۴۷۵) ''وأجمعوا على ان مالا يبطل حق الغير لا يكره فيه استعمال الحيلة وتعلم الحيلة'' (خانیہ ۴/۳۱۷، منتخبات نظام الفتاوی ۲/۲۴۲)۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر مذکورہ تعلیمی قرض سالانہ شرح سود کے اعتبار سے لیا جاتا ہے تو وہ ناجائز ہوگا، سود کی حرمت اس کے کم یا زیادہ ہونے پر نہیں ہے، ہاں اس میں کچھ تبدیلی کردی جائے تو جواز ہوسکتا ہے، تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ اس کو مکمل طور سے سروس چارج کے انداز میں کردیا جائے، یا پھر کوئی حیلہ اختیار کرلیا جائے۔

۳-اعلی تعلیم کے لئے قرض:

ہم نے سوال نمبر ۲ کے تحت عرض کیا کہ اس طرح کا قرض سودی قرض ہے، جس کا جواز صرف ضروریات یا حاجت کے تحت ہوسکتا ہے، یا اس میں وہ تبدیلیاں کر کے ہوسکتا ہے جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا۔

اور سوال نمبر ایک کے تحت عرض کیا گیا کہ اعلی عصری تعلیم کا حصول فرض کفایہ ہے، فرض کفایہ کا مطلب ہی ہوتا ہے کہ وہ معاشرہ کے تمام افراد پر لازم نہیں ہوتا، بلکہ صرف اتنے ہی افراد پر لازم ہوتا ہے جس سے معاشرہ کی ضرورت پوری ہوجائے، لہذا اس ضرورت کے تحت سودی قرض لینے کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی ہے۔

البتہ یہ معاشرہ کا فریضہ ہے کہ وہ کسی ہونہار طالب علم کو ضائع نہ ہونے دے، ورنہ اگر کوئی شخص صلاحیت کے باوجود اعلی تعلیم سے محروم رہ گیا جبکہ معاشرہ کو اس کی ضرورت بھی تھی (ظاہر بات ہے موجودہ حالات میں زندگی کے تمام شعبوں اور اعلی ٹیکنکل تعلیم کے تمام گوشوں اور میدانوں میں ماہرین فن کی ملت اسلامیہ کو کتنی سخت ضرورت ہے، اس کے بغیر ہم غیروں کی محتاجی سے باہر نہیں نکل سکتے) تو پورا معاشرہ اس کے لئے ذمہ دار ہوگا۔

لہذا اس اسکیم کے تحت قرض لینا تو جائز نہیں ہے (جب تک کہ اس کے ضابطوں میں تبدیلی نہ کی جائے) البتہ ملت کے قائدین اور ذمہ داروں کا فریضہ ہے کہ جس طرح دین کی بقاء کے لئے مدارس کا جال بچھا دیا گیا ہے، اور جس طرح دوسری ملی ذمہ داریوں کو حتی الوسع پوری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس میدان میں بھی اپنا فریضہ ادا کیا جائے اور کردار نبھایا جائے، اور باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعہ ہونہاروں کو اس طرح فنڈ مہیا کیا جائے کہ کوئی بھی باصلاحیت فنڈ کی کمی کی وجہ سے محروم نہ رہنے پائے۔

۴- طالب علم والد کے صاحب حیثیت ہونے سے صاحب حیثیت شمار ہوگا یا نہیں؟

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ طالب علم کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی راقم کے نزدیک گنجائش نہیں ہے، وہ صاحب حیثیت ہو یا نہ ہو۔

لیکن اس سوال میں ایک الگ بحث کو چھیڑا گیا ہے کہ کوئی انسان والد کے صاحب استطاعت ہونے سے شرعا صاحب حیثیت شمار ہوگا یا نہیں؟ تو ہم اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں، اگرچہ اوپر کا جواب اپنی جگہ قائم ہے کہ خواہ اسکو صاحب حیثیت مانا جائے یا نہ مانا جائے وہ اس اسکیم سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، ہاں اگر وہ نادار ہے تو زکوۃ یا سود کی جمع رقم سے فنڈ اس پر صرف کی جاسکتی ہے۔

کیا نابالغ باپ کی مالداری سے مالدار شمار ہوگا:

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب تک انسان نابالغ ہو اس کو باپ کی مالداری سے مالدار اور اس کی ناداری سے نادار سمجھا جائے گا، اور بلوغ کے بعد باپ کی مالداری سے مالدار نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اس کی اپنی حیثیت کے مطابق اس کی سطح کا اعتبار کیا جائے گا، اس سلسلہ کی چند فقہی عبارات ملاحظہ ہوں:

علامہ شامی کتاب الزکوۃ باب المصرف میں فرماتے ہیں:

۱-''**ولا إلى طفله بخلاف ولده الكبير(الى) فيجوز لانتفاء المانع (قوله لانتفاء المانع) علة للجميع، والمانع ان الطفل يعد غنيا بغني ابيه**'' (شامی ۲/۲۷۷، ہندیہ ۱/۱۸۹)۔

(نہ ہی مالدار کے نابالغ بچہ کو زکوۃ دی جائے گی برخلاف اس کے بالغ اولاد کے (آگے ہے) تو مانع نہ پائے جانے کی وجہ سے زکوۃ دینا جائز ہوگا (مصنف کا قول مانع نہ

پائے جانے کی وجہ سے) سب کی علت ہے، اور مانع یہ ہے کہ نابالغ باپ کی مالداری سے مالدار شمار ہوتا ہے)۔

۲-"وفي الشرح المجمع: وإذا استغنى الغلام عن الخدمة أجبر الأب أو الوصي أو الولي على أخذه، لانه اقدر على تاديبه وتعليمه" (شامی ۲/ ۶۹۵)۔

(اور شرح المجمع میں ہے: جب بچہ خدمت سے مستغنی ہوجائے تو باپ، وصی یا ولی کو اس کے لینے پر مجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ اس کو ادب سکھلانے اور تعلیم دلانے پر اس کو زیادہ قدرت حاصل ہوتی ہے)۔

۳-"وعن أبي يوسف إنما أعتبر القدرة على النفقة دون المهر، لأنه تجري المساهلة في المهر ويعدالمرء قادرا عليه بيسار أبيه" (ہدایہ مع الفتح ۳/ ۱۹۲)۔

(اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ انہوں نے نفقہ پر قادر ہونے کا اعتبار کیا ہے مہر پر نہیں، اس لئے کہ مہر میں مساہلت چلتی ہے، اور آدمی کو باپ کی مالداری سے اس پر قادر سمجھا جاتا ہے)۔

۴-"والثابت عادة كالثابت بالنص فيما فيه معنى المؤنة بخلاف ما هو عبادة محضة كالزكاة" (فتح القدیر ۲/ ۲۲۱)۔

(جن چیزوں میں مؤنت کے معنی ہوں اس میں عرف سے ثابت ہونے والی چیز اس طرح ہوتی ہے جیسے نص سے ثابت ہوئی ہو برخلاف اس کے جو زکاۃ کی طرح عبادت محضہ ہو)۔

ان فقہی عبارتوں سے مندرجہ ذیل احکام معلوم ہوئے:

الف-عبارت (۱) اور بعد کی کئی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ باپ مالدار ہو تو اس کی نابالغ اولاد بھی مالدار مانی جائے گی، لہذا اس پر زکوۃ اور اس جیسی کوئی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہوگا، جس کا استحقاق ناداروں کو ہوتا ہے۔

ب: ان عبارتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بالغ اولاد کو یہ حکم حاصل نہیں ہے، لہذا باپ کے مالدار ہونے کے باوجود اگر وہ نادار ہوں تو ان پر اس طرح کی رقمیں صرف کی جاسکتی ہیں۔

ج-عبارت (۲) سے معلوم ہوا کہ بچہ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری باپ اوراس کے وصی پر ہوتی ہے۔

د-عبارت (۳اور ۴) سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نفقہ میں یہ عرف ہو کہ اس کے والد اس کو برداشت کرلیتے ہیں تو اس کی بنیاد پر اسے قادر سمجھا جاسکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ نابالغ کی تعلیم وتربیت کا ذمہ دار باپ ہوتا ہے، اور شریعت نابالغ کو باپ کی مالداری سے مالدار تسلیم کرتی ہے، لہذا اس عمر میں اگر باپ مالدار ہے تو اس پر اس طرح کی رقمیں صرف کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اور بلوغ کے بعد اس پر اس طرح کی رقمیں صرف کی جاسکتی ہیں لیکن اگر باپ مالدار ہے اور خرچ کرنے کا عرف بھی موجود ہے، بلکہ وہ خرچ کرنے پر راضی بھی ہے تو اس طرح کی رقمیں صرف کرنا اگر چہ اس حالت میں بھی جائز ہوگا، لیکن مکروہ ہوگا، اس لئے کہ بلاوجہ حلال و طیب سے روگردانی کی جارہی ہے۔

۵-استطاعت ہونے کے باوجود باپ کا تعلیمی خرچ نہ دینا:

ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ قرض اسکیم میں کچھ تبدیلیاں کئے بغیر اس سے کسی کے لئے بھی استفادہ کرنا جائز نہیں ہوگا، البتہ اس سوال پر ہم نے ایک دوسری حیثیت سے غور کرنے کی کوشش کی تھی کہ باپ کے مالدار ہونے پر ان رقوم کے استعمال کا کیا حکم ہوگا جو ناداروں کے لئے مخصوص ہیں۔

سوال نمبر ۴ کے تحت ہم اس پر بھی اپنی معروضات پیش کر چکے ہیں، اور اشارۃً عرض کر چکے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ بچوں کی تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کا عرف ہے، لہذا باپ کے مالدار ہونے سے بچوں کو (بالغ ہو یا نابالغ) مالدار سمجھا جائے گا۔

البتہ اگر والد تعلیمی اخراجات اٹھانے سے انکار کردیں تو البتہ ان رقوم کو بالغ اولاد پر صرف کیا جاسکتا ہے، تعلیمی قرض کے بارے میں اپنی حقیر رائے ہم اوپر پیش کر چکے ہیں۔

تعلیمی قرض کے شرعی احکام

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی ☆

۱- اسلام نے حصول تعلیم پر خاصہ زور دیا ہے اور اسے رفع درجات کا سبب قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

''یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین أوتو العلم درجات'' (اللہ تم میں سے ایمان والے اور علم والوں کے درجات بلند کرتا ہے)۔

یہ علم جو رفع درجات کا سبب ہے، اس میں علوم آلیہ اور عالیہ دونوں شامل ہیں، کیونکہ دونوں نفع بخش ہیں، اور علم میں اصل نفع بخشی ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے علم نافع کی دعا مانگی اور غیر نافع سے پناہ چاہی۔

''اللھم إنی أسئلک علما نافعا، اللھم انی أعوذبک من علم لا ینفع'' (رواہ مسلم حدیث نمبر: ۲۷۲۲)۔

(اے اللہ میں آپ سے علم نافع کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ میں غیر نافع علوم سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے نفع بخش علوم کو من جملہ ان اعمال کے قرار دیا، جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے، ارشاد فرمایا:

''اذا مات الانسان انقطع عملہ إلا من صدقۃ جاریۃ أو علم ینتفع بہ أو

☆ نائب ناظم امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ، پٹنہ۔

و لد صالح یدعو له " (رواہ مسلم حدیث نمبر: ۱۶۳۱)۔

(جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا دفتر بند ہوجاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے، ایک صدقہ جاریہ، دوسرے علم نافع اور تیسرے نیک اولاد جو والدین کے لئے مغفرت کی دعا کرے)۔

ان روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حصول علم کے لئے اگر وہ نفع بخش ہوتو ادنی واعلی کی تفریق شریعت میں نہیں ہے، البتہ وہ علوم جو ہمارے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کرتے ہیں اور احکام شرعیہ کی سمجھ پیدا کرتے ہیں ان کا نفع کامل ہوتا ہے، اس کی وجہ سے انسان فوز وفلاح کے ساتھ زندگی گذارتا ہے، اور آخرت میں بھی کامیاب ہوتا ہے، ایسے علوم کا حصول مسلمانوں کی ترجیحات میں ہے، اور انہیں کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سماج کو اچھے انجینئر، ڈاکٹر، سیاست داں، دانشور، سائنسداں وغیرہ کی بھی ضرورت ہے، آج سماج کے انتشار، اخلاقی قدروں کے فقدان اور پھیلی ہوئی انارکی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ سماجی علوم کے میدان میں آج دین بیزار لوگوں کا غلبہ ہے، ان حالات میں جدید اعلی تعلیم کا حصول عین مطلوب ہے، اور اس سلسلے میں مسلمانوں کو تیزی سے آگے آنے کی ضرورت ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اس طرف اکابر کی توجہ گئی ہے، اور مختلف قسم کے اعلی تعلیم کے لئے انہوں نے ادارے اور کوچنگ کھولنا شروع کردیا ہے، اور مفت تربیت کا نظام جاری ہوگیا ہے۔

اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ایسے اداروں کی تعداد بہت کم ہے اور مسلم سماج کے لئے جتنے بڑے پیمانے پر اس کام کو ہونا چاہئے، نہیں ہو پارہا ہے، ایسے میں بہت سارے طلبہ اپنی مالی پسماندگی کی وجہ سے اعلی تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں، اگر وہ بینک سے تعلیمی قرض لے لیں تو ان کی اس ضرورت کی تکمیل ہوسکتی ہے۔

۲- لیکن بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ بینک کا سارا نظام سود پر مبنی ہے، جس کی اسلام میں

اجازت نہیں ہے، اس سلسلے میں سود کی شرح کے کم یا زیادہ ہونے کا مسئلہ نہیں ہے، مسئلہ نفس سود کا ہے، کیا اسے بنیادی ضرورت قرار دے کر "**یجوز للمحتاج الاستقراض با الربح**" کے اصول پر عمل کیا جاسکتا ہے؟

میری رائے میں بینک سے تعلیمی قرض کی وہ مقدار جس پر سود دینا نہیں ہوتا، بالاتفاق درست ہے، البتہ وہ شکلیں جس میں برائے نام ہی سود دینا پڑتا ہے اس سے بچنے کی شکل اگر ممکن ہوتو بچنا چاہئے اس کم شرح سود کو سروس چارج قرار دینا، یا اجرت و محنت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ بینک والے اسے سود ہی کہتے ہیں، سروس چارج نہیں، صاحب معاملہ تو اسے سود کہے اور ہم سروس چارج، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

اب اگر کوئی طالب علم اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے، یا وہ بیرون ملک جاکر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کی معاشی حالت اس قابل نہیں تو اسے غیر سودی قرض کی تلاش کرنی چاہئے، اور اگر اس میں کامیابی نہ ملے تو وہ اس قرض اسکیم سے ضرور فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

۴۔ طالب علم تو استطاعت نہیں رکھتا لیکن اس کے والدین اس کی صلاحیت رکھتے ہوں، تو بلوغیت سے قبل تک اگر طالب علم مستطیع نہیں ہے تو بالاتفاق والد کی استطاعت اس طالب علم کے حق میں معتبر ہوگی، اس لئے کہ بلوغیت سے قبل نان، نفقہ اور تعلیم و تربیت سب اس کی ذمہ داری ہے۔

ہندوستان کے خاص ماحول میں بلوغیت کے بعد بھی جب تک لڑکا برسر روزگار نہیں ہوجاتا یا گارجین اسے مشترکہ خاندان سے الگ نہیں کرتے عرفاً والد کی استطاعت ہی معتبر سمجھی جاتی ہے، سرکاری محکموں میں بھی آمدنی کے سرٹیفکٹ میں خاندان کے سربراہ کی آمدنی کا ہی اعتبار ہوتا ہے، اس لئے عرف کی رعایت کرتے ہوئے میرے نزدیک طالب علم کے پاس اگر استطاعت نہ ہو اور والد صاحب استطاعت ہو اور وہ اپنے لڑکے کو اعلی تعلیم دینے کا خواہش مند

بھی ہوتو اسے اپنے مال سے خرچ کرنا چاہئے، تعلیمی قرض سود کے ساتھ لینا درست نہیں ہوگا، فتاوی ہندیہ کے ایک جزئیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

"وقال الامام الحلواني: إذا كان الابن من أبناء الكرام ولا يستاجره الناس فهو عاجز و كذا طلبة العلم إذا كانوا عاجزين عن الكسب لا يهتدون إليه لا تسقط نفقتهم عن آبائهم اذا كانوا مشتغلين بالعلوم الشرعية" (۱/ ۵۶۳)۔

حلوانی نے علوم شرعیہ کے ساتھ اس کو خاص کیا ہے اور اس کے علاوہ فلسفہ وغیرہ کی تعلیم کے بارے میں صراحۃ کردری کے حوالے سے لکھا ہے کہ "والا لا تجب" (کذا فی الوجیز)۔

لیکن میرے نزدیک یہ تفریق صحیح نہیں ہے بلکہ جس طرح علوم شرعیہ کے حصول میں مشغول طلبہ کو عاجز جان کر ان کا نفقہ والد کے اوپر لازم قرار دیا گیا ہے دوسرے علوم کے حصول کی صورت میں بھی والد کی ذمہ داری ہے کہ نفقہ فراہم کرے، کیونکہ کسب علم میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ عاجز کی طرح ہے۔

"ولا يجب على الاب نفقة الذكور الكبار الا ان يكون الولد عاجزا عن الكسب لزمانة أو مرض ومن يقدر على العمل لكن لا يحسن العمل فهو بمنزلة العاجز كذا في فتاوى قاضي خان" (الہندیہ ۱/ ۵۶۳)۔

البتہ اگر والد صاحب استطاعت کے باوجود پڑھانا نہیں چاہتے، اور طالب علم اپنی اہلیت کی بنیاد پر آگے پڑھنا چاہتا ہے تو اس حالت میں لڑکے کی استطاعت ہی معتبر ہوگی اور ضرورتا اس کے لئے تعلیمی قرض لینا درست ہوگا، والد پر اعلی تعلیم کے لئے مستطیع ہونے کے باوجود جبر نہیں کیا جاسکتا۔

۵- یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر طالب علم یا والد صاحب استطاعت ہوں، اس کے باوجود تعلیم میں پیسہ نہ لگانا چاہتے ہوں تو ان کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے

کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ جو رقم ان کی بینک میں جمع ہے اس پر جو انٹرسٹ مل رہا ہے اس سے وہ تعلیمی قرض کے سود کی ادائیگی کریں، حالانکہ استطاعت کی صورت میں قرض کا جواز محل نظر ہے۔

☆☆☆

بینکوں کے تعلیمی قرض کا حکم

مولانا سید اسرار الحق سبیلی ☆

تعلیم کی اہمیت ہر زمانہ میں مسلمہ رہی ہے، آج کے دور میں تعلیم قوموں کے لئے ایک ہتھیار سے کم نہیں ہے، اقوام کو زیر دست اور ان کے استحصال کے لئے جدید تعلیم اور اعلی ٹکنالوجی سے کام لیا جارہا ہے، ایسے حالات میں امت مسلمہ کا دوسری قوموں کے مقابلہ جدید اعلی تعلیم اور ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ جانا تباہ کن اور بہت سے مسائل کا سبب بن گیا ہے، اس لئے امت مسلمہ میں جدید اعلی تعلیم کی حوصلہ افزائی اور تعاون ضروری ہے، اور اعلی تعلیم کے حصول کے لئے ایسی مرکزی فنڈ قائم کرنے کی ضرورت ہے کہ جہاں اعلی تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ کو بلاسودی تعلیمی قرض فراہم کیا جاسکے، لیکن ابھی تک ہندوستان کے مسلمانوں میں ایسا مرکزی فنڈ قائم کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی ہے، اور نیز اب تک ہندوستان میں بلاسودی بینک کاری نظام مروج نہیں ہوا ہے، اس لئے موجودہ صورت حال میں بینکوں خصوصا سرکاری بینکوں سے تعلیمی قرض لینے کے بارے میں علماء وارباب افتا کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔

۱-جدید اعلی تعلیم اور شرعی نقطہ نظر:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وقل رب زدني علما" (طہ: ۱۱۴) (اور آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرا علم بڑھادیجئے)۔

☆ رفیق المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''الكلمة الحكمة ضالة المومن، فحيث وجدها فهو أحق بها'' (رواہ الترمذی وابن ماجہ، مشکاۃ ۱/ ۳۴) (حکمت کی بات مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے، اسے جہاں مل جائے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے)۔

حدیث میں ''حکمت'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس سے جدید تعلیم بھی مراد لینے کی گنجائش ہے۔

ایک روایت میں ہے:

''منهومان لا يشبعان: منهوم في العلم لا يشبع منه ومنهوم في الدنيا لا يشبع منها'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکاۃ ۱/ ۳۷)۔

(دو حریص کبھی آسودہ نہیں ہوتے: ایک علم کا حریص جو علم سے آسودہ نہیں ہوتا اور دوسرا دنیا کا حریص، وہ دنیاداری سے آسودہ نہیں ہوتا ہے)۔

اسلام میں علم دین اور علم دنیا کی تفریق نہیں کی گئی ہے، بلکہ علم نافع اور علم غیر نافع کی تحدید کی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے علم نافع کی دعا فرمائی ہے، اور علم غیر نافع سے پناہ مانگی ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو بیشتر عصری علوم اپنی اصل کے لحاظ سے علم نافع ہیں، البتہ رقص، ناٹک اور سنگیت وغیرہ کی تعلیم علم غیر نافع ہے، جدید اعلی تعلیم کا حصول بھی مسلمانوں کے لئے فرض کفایہ ہے، مسلمانوں کو اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے اور اعلی تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی اور مدد کرنی چاہئے۔

۲-سود یا سروس چارج؟

عام طور پر قومیائے ہوئے بینک (Nationalised Bank) تعلیمی قرض پر دس تا بارہ یا چودہ فیصد سود حاصل کرتے ہیں، اور کرنٹ اکاؤنٹ کھاتہ داروں اور سیف لاکرس سے

استفادہ کرنے والوں سے آدھافی صد سروس چارج کے نام پر وصول کرتے ہیں۔

اس لحاظ سے تعلیمی قرض پر عائد ہونے والے دس تا بارہ یا چودہ فیصد شرح سود کو کسی صورت میں سروس چارج شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، یہ حقیقت میں سود (ربا) ہی ہے۔

۳۔ تعلیمی قرض اسکیم سے استفادہ:

کوئی نوجوان اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہو اور وہ ملک یا بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کا خواہش مند ہو، لیکن اس کے معاشی حالات اس کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کا متحمل نہ ہو، اور اسکالرشپ یا بلا سودی لون اسکالرشپ سے اس کے تعلیمی اخراجات پورے نہ ہوتے ہوں تو اس کے لئے حکومت کے زیر انتظام تو مہیا ئے ہوئے بینک کے کم سود پر مبنی تعلیمی قرض اسکیم سے استفادہ کی گنجائش ہوگی، علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

''في القنية والبغية يجوز للمحتاج الإستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر: ۱۱۵، البحر الرائق ۶/ ۱۲۷)۔

(قنیہ اور بغیہ میں ہے کہ محتاج شخص کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے)۔

۴۔ طالب علم کے والد کا اعتبار:

اگر خود طالب علم میں اعلی تعلیم کے اخراجات برداشت کرنے کی صلاحیت نہ ہو لیکن اس کے والد میں صلاحیت ہو تو والد کے صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے اسے بھی صاحب استطاعت سمجھا جائے گا، کیونکہ والد کے ذمہ اولاد کا نفقہ اور تعلیم و تربیت واجب ہے، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

''وكذا تجب لولده الكبير العاجز عن الكسب كأنثى مطلقا وزمن، ومن يلحقه العار بالتكسب، وطالب علم لا يتفرغ لذلك كذا في الزيلعي والعيني، وأفتى أبو حامد بعدمها لطلبة زماننا كمابسطه في القنية'' (الدر المختار علی الرد ۵/ ۲۷۰-۲۷۱)۔

(اسی طرح اپنی بڑی اولاد کے لئے جو کمانے سے عاجز ہو نفقہ واجب ہے، جیسا کہ مؤنث اولاد کے لئے مطلقاً نفقہ واجب ہے، اور اپاہج اولاد کے لئے بھی اور جس کو کمانے میں شرم محسوس ہو، اور طالب علم جو کمانے کے لئے وقت نہ نکال سکے، جیسا کہ زیلعی اور عینی نے لکھا ہے اور ابو حامد نے اپنے زمانہ کے طالب علموں کے لئے عدم نفقہ کا فتوی دیا ہے، جیسا کہ "قنیہ" میں انہوں نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے)۔

اس کے ذیل میں علامہ ابن عابدین شامیؒ وضاحت کرتے ہیں:

"قال صاحب القنية: لكن بعد الفتنة العامة: يعني فتنة التاتار التي ذهب بها أكثر العلماء والمتعلمين نرى المشتغلين بالفقه والأدب اللذين هما قواعد الدين وأصول كلام العرب يمنعهم الأشغال بالكسب من التحصيل ويؤدي إلى ضياع العلم والتعطيل، فكان المختار الآن قول السلف، وهفوات البعض لا تمنع الوجوب كالأولاد والأقارب اه ملخصا وأقره في البحر" (ردالمحتار ۵/۳۷۱)۔

(صاحب "قنیہ" کہتے ہیں: لیکن فتنہ عامہ یعنی فتنہ تاتار کے بعد جب کہ اکثر علماء اور طلبہ ختم ہو گئے، ہم فقہ و ادب، جو دین کی بنیاد اور کلام عرب کی اصل ہیں، میں مشغول رہنے والے طلبہ کے لئے کمائی میں مشغول ہونا ان کو تحصیل علم میں مانع ہے اور علم کا نقصان ہے تو اب سلف کے قول کو اختیار کیا جائے گا، اور بعض لوگوں کے کہنے پر وجوب ساقط نہیں ہوگا، جیسا کہ اولاد اور قریبی رشتہ دار کا حکم ہے، اور "بحر" میں اسی کو برقرار رکھا گیا ہے)۔

۵- طالب علم یا والد صاحب استطاعت ہو:

اگر طالب علم یا والد صاحب استطاعت ہوں، اس کے باوجود وہ اعلی تعلیم کے لئے نقد رقم نہ لگا کر قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو یہ ان کے لئے جائز نہیں ہوگا، کیونکہ صرف مجبوری کی بنا پر سودی قرض لینے کی اجازت ہے، اور بغیر مجبوری سود لینا اور دینا دونوں ناجائز اور سخت گناہ ہے۔

”عن جابر بن عبد الله عن النبي ﷺ، قال: ”لعن الله آكل الربا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء“ (مسلم ۲/۲۷)۔

(سیدنا جابر بن عبد اللہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہان پر اللہ کی لعنت ہے، اور فرمایا: یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں)۔

جوابات کا خلاصہ:

۱- شریعت میں مطلق علم حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، اس لئے مسلمانوں کو جدید اعلیٰ تعلیم کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے اور اس بارے میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا چاہئے۔

۲- تعلیمی قرض پر عائد ہونے والے کم شرح سود کو سود ہی شمار کیا جائے گا، اس کو سروس چارج پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

۳- معاشی طور پر کمزور طالب علم کے لئے مجبوراً تعلیمی قرض اسکیم سے استفادہ کی گنجائش ہوگی۔

۴- والد کے صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے طالب علم کو بھی صاحب استطاعت سمجھا جائے گا۔

۵- استطاعت کے باوجود قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا۔

☆☆☆

تعلیمی قرض

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

آج ہر طرف تعلیم کا شور ہے، بالخصوص عصری تعلیم کے حصول کے لئے معاشرے کا ہر فرد پورے طور پر سنجیدہ ہے، اور اپنے بچوں کو اس سے آراستہ کرنے کے لئے بہر صورت تیار ہے، لیکن یہ تعلیم اس درجہ مشکل اور گراں ہو چکی ہے کہ عام آدمی اس کے اخراجات کا تحمل نہیں کر پاتا، اور اس کی تمنا دل ہی دل میں سسک کے رہ جاتی ہے، حکومت کم شرح سود پر تعلیمی قرض اسکیم چلا کر ایسے لوگوں کی مدد کرنا چاہتی ہے، تاکہ جدید اعلی تعلیم کے حصول کی خواہش وصلاحیت رکھنے والے وہ افراد جو اقتصادی اعتبار سے کمزور خستہ حال ہیں، تعلیم کے میدان میں آگے بڑھ سکیں، یہ اسکیم بظاہر بہت پرکشش، نفع بخش اور مفید ہے، مگر اس میں سود کی آمیزش کے سبب از روئے شرع ناجائز اور حرام ہے۔

شریعت اسلامیہ میں بوقت ضرورت قرض لینا کوئی بری بات نہیں ہے، بلکہ اس کی اجازت ہے، خود نبی اکرم ﷺ نے قرض لیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے:

''استقرض رسول الله ﷺ سنا فأعطى سناخيرامنه وقال خياركم أحسنكم قضاء'' (سنن ترمذی ۱/۲۴۵)، لیکن جب قرض سے سود جڑ جاتا ہے تو وہ حرام ہو جاتا ہے، شامی میں ہے: ''كل قرض جر نفعا فهو ربا أي إذا كان مشروطا'' (۳۵۵/۷)۔

☆ صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

اس وجہ سے کہ سود نص قطعی سے حرام ہے، ارشاد باری ہے:

"أحل الله البيع و حرم الربوا" (سورۂ بقرہ ۲۷۵)۔

نیز نبی اکرم ﷺ نے سودی معاملے سے جڑے ہوئے تمام افراد پر لعنت فرمائی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ:

"لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا وموكله و شاهديه وكاتبه" (سنن ترمذی ۱/۲۲۹)۔

اس لئے جتنی بھی سودی اسکیمیں رائج ہیں ان سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہوگا، البتہ اگر کوئی شخص صاحب ضرورت ہو کہ اس کے پاس کسی طرح کا ذریعہ معاش نہ ہو یا صاحب حاجت ہو کہ اس کی بنیادی ضرورتیں پوری نہ ہو پاتی ہوں اور بے حد مشقت وپریشانی میں مبتلا ہو تو اضطراری صورت میں فقہاء کرام نے سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے، الاشباہ والنظائر میں ہے:

"يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (ص ۱۱۵)۔

لیکن عام حالات میں صرف اسباب راحت وآرام میں اضافے اور دنیا کی چمک دمک دیکھ کر اپنے معیار زندگی کو بڑھانے کی غرض سے سودی قرض لینے کی قطعا اجازت نہیں ہوگی، جدید اعلی تعلیم کا حصول بھی مرتبہ ضرورت وحاجت تک نہیں پہنچتا کہ اس کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت دی جائے۔

۱-جدید اعلی تعلیم شریعت کی نگاہ میں:

یہ سچ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جس تعلیم کے حصول کو فرض قرار دیا ہے، وہ دینی تعلیم ہے، لیکن اگر کوئی شخص دوسرے کسی ایسے علم کو سیکھنا چاہتا ہے جو اصول شریعت سے متصادم نہ ہو تو شرعی حدود کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے اس کی اجازت ہوگی، امام غزالیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "احیاء علوم الدین" میں علوم کی تقسیم کی ہے، اور بعض غیر شرعی علوم کو محمود ومباح بتایا ہے اور بعض کو مذموم پھر محمود علم میں بعض کو فرض کفایہ قرار دیا ہے اور بعض کو فضیلت تحریر فرماتے ہیں:

''العلوم تنقسم إلى شرعية وغير شرعية وأعني بالشرعية مااستفيد من الأنبياء صلوات الله عليهم وسلامه ولا يرشد العقل إليه مثل الحساب، ولا التجربة مثل الطب، ولاسماع مثل اللغة، والعلوم التي ليست بشرعية تنقسم إلى ما هو محمود وإلى ما هو مذموم وإلى ما هو مباح فالمحمود ما ترتبط به مصالح أمور الدنيا كالطب والحساب وذلک ينقسم إلى ما هو فرض كفاية وإلى ما هو فضيلة وليس فريضة'' (اتحاف السادة المتقین بشرح احیاء علوم الدین، ص ۱۴۴)۔

مذکورہ تصریح سے واضح ہوتا ہے کہ جدید اعلیٰ تعلیم اگر محمود ومباح ہوتو اسلامی اصول و آداب کی رعایت کرتے ہوئے اس کا حصول جائز ہی نہیں بلکہ بعض حالات میں فرض کفایہ ہوگا، اور سقوط فرض کے لئے شہر کے کم از کم ایک آدمی کا اس علم سے بہرہ مند ہونا لازم ہوگا، جیسا کہ امام غزالیؒ نے فرض کفایہ علوم کی وضاحت کی ہے (اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین ۱؍ ۱۴۴)۔

ایسی صورت حال میں مسلمانوں کو حدود شرع کے دائرے میں رہتے ہوئے جدید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے، اور اپنے بچوں کو حتی الوسع اس سے بہرہ یاب ہونے کا موقع فراہم کرنا چاہئے۔

۲-کم شرح سود پر تعلیمی قرض:

لیکن کوئی شخص جدید اعلیٰ تعلیم کے لئے سودی قرض لیتا ہے تو اس کا لینا شرعاً ناجائز ہوگا، خواہ اس کی شرح سود اور مدت ادائیگی کم ہو یا زیادہ اسی طرح کم شرح سود کو سروس چارج کہنا بھی درست نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ قرض میں کچھ بھی مشروط ہو جانے کے بعد سود ہو جاتا ہے، جو حرام ہے، شامی میں ہے:

''كل قرض جر نفعا فهو ربا أي إذا كان مشروطا'' (۳۵۵/۷)۔

اسی طرح علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں تحریر فرمایا ہے:

''كل قرض شرط فيه أن يزيد فهو حرام بلا خلاف'' (۳۶/۴)۔

البتہ اگر اس رقم کو سروس چارج یا فارم کی قیمت کے نام پر پہلے ہی وصول کر لی جائے تو درست ہوگا۔

۳-معاشی تنگی کے سبب تعلیمی قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا:

اگر کوئی شخص علمی اعتبار سے صاحب اہلیت وصلاحیت ہے اور اس کی دلی خواہش ہے کہ اندرون ملک یا بیرون ملک کسی بڑی یونیورسٹی میں داخلہ لے کر جدید اعلی تعلیم سے بہرہ ور ہو، لیکن اس کی معاشی تنگی آڑے آتی ہے اور اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اس سلسلے کے جملہ اخراجات کا تحمل کر سکے، تب بھی ایسی صورت میں اس کے لئے سود پر مبنی تعلیمی قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ فقہاء نے سودی قرض لینے کی اجازت صرف ضرورت و حاجت شدید کی بنا پر دی ہے، اور بس الاشباہ والنظائر میں ہے:

"یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (ص ۱۱۵)۔

اسی طرح حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون سی ضرورت ہے، جس میں سودی قرض لینا جائز ہے تو آپ نے جواب دیا کہ: نا قابل برداشت مجبوری کے وقت سود لینے سے گناہ نہ ہونے کی توقع ہے، بلکہ اسا ئر المحرمات (فتاوی محمودیہ ۳۷۹/۱۶)۔

ظاہر ہے کہ جدید اعلی تعلیم ضرورت وحاجت کے زمرے میں نہیں آتی کہ اس کی بنا پر سودی قرض لینے کو جائز قرار دیا جائے، البتہ قوم کے اصحاب ثروت کو چاہئے کہ ایسے ذہین وفطین اور علم وفن کے شوقین طلبہ کی کفالت کریں اور جدید اعلی تعلیم کے حصول میں ہر ممکن تعاون کریں، اور ایسا کوئی مستقل نظام بنائیں کہ قوم کے ہونہار بچے عصری علوم کے میدان میں بھی اپنی صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ کر سکیں اور ملک وملت کے لئے بہر صورت مفید ثابت ہو سکیں۔

۴-باپ کے صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں بیٹے کا تعلیمی قرض لینا:

اگر بیٹا نا بالغ ہو اور اس کا باپ مالدار، تو بیٹے کو بھی مالدار تصور کیا جاتا ہے، لیکن اگر بیٹا

بالغ ہوتو باپ کے مالدار ہونے سے اس کو مالدار نہیں مانا جاتا، جیسا کہ علامہ کاسانی نے ''بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع'' میں ادائیگی زکوۃ کے تعلق سے اس کی صراحت فرمائی ہے (بدائع الصنائع ۲/۴۷)۔

مذکورہ بالا تصریح سے واضح ہوتا ہے کہ باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے بالغ بیٹے کو صاحب استطاعت نہیں مانا جائے گا۔

اسی طرح تعلیمی قرض لینے کے سلسلے میں بیٹے کے صاحب استطاعت ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس وجہ سے کہ عدم استطاعت کی صورت میں بھی وہ اس درجہ مجبور نہیں ہے کہ اسے سودی قرض لینے کی اجازت دی جائے، کیونکہ اگر بالغ لڑکا کمائی کرنے سے عاجز ہوتو باپ پر اس کا نفقہ واجب ہوتا ہے، اور فقہاء کرام نے اسی زمرے میں ایسے طالب علم کو بھی شامل کیا ہے جو کسب معاش کے لئے فارغ نہ ہوسکے، شامی میں ہے:

''وطالب علم لا یتفرغ لذلک یعنی الکسب'' (شامی ۵/۳۴۱)۔

جب طالب علم بیٹے کے خورد ونوش، لباس و پوشاک اور رہائش کی ذمہ داری باپ کے سر کردی گئی تو وہ ایسا محتاج نہیں رہا کہ سود پر مبنی کسی اسکیم سے نفع اٹھانے کا مجاز ہو، رہی جدید اعلی تعلیم کے بھاری بھرکم اخراجات کی ذمہ داری، تو یہ باپ پر نہیں ہوگی۔

۵- صاحب استطاعت کے لئے تعلیمی قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا:

اگر کوئی طالب علم یا اس کے والد صاحب استطاعت ہوں اور اپنے پیسے کو تعلیم میں لگانے کے بجائے تعلیمی قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو یہ جائز نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ یہ سودی معاملہ ہے جو نص قطعی سے حرام ہے، اور نبی کریم ﷺ نے اس سے وابستہ تمام افراد پر لعنت فرمائی ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کے سلسلہ میں شریعت کا موقف

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کا تہذیبی ارتقاء، فکر کی بلندی، اور تمدن کی بالیدگی و پاکیزگی اس کی تعلیم پر منحصر ہے، جس قوم میں علم کے حصول اور اس کی نشر واشاعت پر جتنی زیادہ توجہ مرکوز ہوگی، اس کے افراد اتنا ہی زیادہ مہذب اور شائستہ ہوں گے، اور ان میں باہم ایک دوسرے کی قدر ومنزلت کا ماحول ہوگا، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ علم کو خیر خواہی، نفع رسانی، اور صحیح غرض کے لئے حاصل کیا گیا ہو۔

مگر جب کسی علم کو محض دنیاداری اور تاجرانہ ذہنیت کے پیش نظر حاصل کیا گیا ہو، اور غرض حصول جاہ وزر ہو تو پھر اس کے اہل میں ظاہری وجاہت، اور خیرہ کن شکل وصورت تو ضرور ہوگی، مگر حقیقی تہذیب وتمدن اور فکری ارتقاء کا فقدان ہوگا، ان میں بظاہر تو ایک دوسرے کی عزت ہوگی مگر باطن میں حسد اور نفرت کا جذبہ ہوگا، ترفع اور استکبار کا غلبہ ہوگا، تہذیب کا مطلب صرف خوبصورت بنگلہ، کار اور ظاہری ٹیپ ٹاپ نہیں ہے بلکہ اصل تہذیب، باہمی اخوت ومحبت، انسانیت کی قدر اور خیر خواہی ہے۔

ہمارے موجودہ معاشرہ میں جو افراد اہل علم اور باعزت سمجھے جاتے ہیں، مثلاً پروفیسر و معلمین، ڈاکٹر، وکیل یا تاجر حضرات، جو اپنے علوم کے ذریعہ ملک وملت اور انسانیت کی بڑی خدمت کرسکتے ہیں، انسان کے دکھ درد کو محسوس کرسکتے ہیں، اور قوم کی ترقی کا ذریعہ بن سکتے ہیں،

☆ رگھوناتھ پورہ، مئو (یوپی)۔

ان میں سے بیشتر لوگوں نے اپنے علم کو محض حصول زر اور عوام کی جیبیں خالی کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے، ان کی اس خالص تاجرانہ ذہنیت کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ انہوں نے علم کا حصول اسی غرض سے کیا ہے، اور اس علم کو بھاری رشوت اور لمبی فیس دے کر حاصل کیا ہے، جو اکثر قرض لے کر ادا کی گئی ہوتی ہیں، ظاہر ہے وہ رقم انہیں وصول کرنی ہے، اور کئی چند وصول کرنی ہے، قرض کے حصول اور اس کی بھرپائی کے لئے جن دشوار گزار مصائب سے وہ گزرے ہیں اس کے اثرات ان کے ذہن سے محو نہیں ہوتے اور پیسے کی محبت ان کے نفس میں کوٹ کوٹ کر بھر چکی ہوتی ہے۔

جبکہ اسلام نے علم کی ترغیب کے ساتھ اس بات سے روکا ہے کہ اسے دنیا حاصل کرنے کا مقصد بنایا جائے، دین کی بنیادی ضروریات سے متعلق علم حاصل کرنے کے بعد کسی بھی اعلی تعلیم خواہ علوم شرعیہ ہوں یا عصریہ، اسلام میں اس کی ممانعت نہیں ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "**ومن سلک طریقا یلتمس فیه علما سهل الله له به طریقا إلى الجنة**" (مشکاۃ رص ۳۴، بحوالہ صحیح مسلم)۔

(جو شخص کوئی راستہ چلے جس میں وہ علم حاصل کر رہا ہو، تو اللہ تعالی اس کے لئے اس کی وجہ سے جنت کی جانب راستہ آسان کر دیتے ہیں)، مگر حصول علم کی نیت کا صحیح ہونا ضروری ہے، اس کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "**من تعلم علما مما یبتغی به وجه الله لا یتعلمه إلا لیصیب به عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة یعنی ریحها**" (سنن ابوداؤد ۳؍ ۳۲۳)۔

(جو شخص کوئی علم حاصل کرے ایسے علوم میں سے جن سے اللہ کی رضا چاہی جاتی ہے، نہیں حاصل کرتا ہے اس کو مگر اس لئے کہ اس کے ذریعہ دنیا کا کوئی سامان حاصل کرے تو نہیں پائے گا جنت کی خوشبو کو قیامت کے دن)۔

اور اکثر علوم ایسے ہیں کہ آدمی نیت صالح کے ساتھ ان کے ذریعہ خدمت خلق کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے، اور دنیا بھی حاصل ہو جائے گی۔

۱- اسلامی شریعت میں جدید اعلیٰ تعلیم کا حصول مباح اور جائز ہے، بشرطیکہ ان کے حصول میں کسی حرام کا ارتکاب لازم نہ آئے، یا وہ علوم کسی ایسے امر سے متعلق نہ ہوں جن کی شریعت میں ممانعت آئی ہے، جیسے سحر، تصویر سازی (جاندار کی) رقص وسرور، گانا بجانا وغیرہ۔

علوم عصریہ جدیدہ میں سے بیشتر کا تعلق انسان کی اصلاح معیشت اور اصلاح جسم سے ہے جو انسان کی ضروریات میں سے ہیں، احادیث میں کسب معیشت کی فضیلت وارد ہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے اقوال میں سے ہے:"**لا یقع موقع الکسب علی العیال شئ ولا الجهاد في سبیل الله**" (مقدمہ کتاب الزہد)۔

نیز اس لئے بھی علوم جدیدہ کی اجازت ہونی چاہئے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے"**وفی الهدایة (۴۰۸) من فصل الحداد أن الإباحة اصل**"(لاشباہ والنظائر/ص ۷۹)۔

لہذا علوم جدیدہ کے سلسلہ میں مسلمانوں کا رویہ مثبت ہونا چاہئے، بقدر ضرورت علوم دینیہ کے حصول کے بعد علوم عصریہ کے حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲- اسلامی شریعت میں سود حرام ہے"**و أحل الله البیع و حرم الربوا**"(بقرہ ۲۷۵) اور اس کے لینے دینے والے، کھانے کھلانے والے، لکھنے اور گواہی دینے والے پر لعنت کی گئی ہے (سنن ابوداؤد ۲/ ۴۴۴)۔ اور یہ سود خواہ قلیل شرح پر ہو یا کثیر، طویل مدت کے لئے ہو یا قصیر، بہرصورت حرام ہے، اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں کہ سود لینے یا دینے کا مقصد کیا ہے، لہذا حصول علم کے لئے سودی قرض لینا خواہ سرکاری بینک سے ہو یا پرائیویٹ کسی ادارہ سے قلیل ہو یا کثیر جائز اور درست نہیں ہوگا۔

نیز قلیل شرح سود کو سروس چارج پر محمول کرنے سے بھی وہ جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ معاملہ استقراض سودی طے ہوا ہے۔

البتہ اگر قرض لیتے وقت معاملہ سود نہ ہو اور اصل رقم ہی واپس کرنی ہو تو سروس چارج کے طور پر کچھ رقم دینے میں حرج نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ بینک سے لین دین میں فارم اور دیگر

امور کے اخراجات ہوتے ہیں، اور بہتر یہ ہوگا کہ یہ اجر خدمت قرض حاصل کرتے وقت ہی دے دیا جائے۔

۳- ایک شخص اعلیٰ تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا خواہش مند ہے، یا بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کے معاشی حالات اس کے اخراجات برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں، تب بھی اس کے لئے سودی قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، اور جدید اعلیٰ تعلیم کا حصول، یا بیرون ملک تعلیم کا حصول ایسی ناگزیر ضرورت یا حاجت نہیں ہے کہ اس کے لئے کسی محظور یا حرام کو بقدر ضرورت بھی جائز کہا جائے۔

اس کی جائز صورت یہ ہے کہ محلّہ یا شہر کے اغنیاء اور اصحاب ثروت اپنا ایک امدادی ادارہ قائم کریں جس میں وہ حسب استطاعت رقم جمع کریں، اور اصحاب ضرورت کو بطور قرض حسب ضرورت رقم فراہم کریں، اور جب وہ واپس کرنے کے اہل ہو جائیں تو ان سے واپس لے لیں، معاشرہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے باہمی تعاون ضروری ہے۔

۴- سودی قرض لینا جائز نہیں، خواہ طالب علم کی معاشی حالت اس کی متحمل ہو یا نہ ہو، والد کے صاحب استطاعت ہونے سے اس کی بالغ اولاد صاحب استطاعت نہیں ہوتی، والد کے اوپر بالغ اولاد کا نفقہ اس صورت میں واجب ہے جبکہ لڑکا کسب سے عاجز یا معذور ہو، طالب علم کو بھی عاجز مانا گیا ہے، "وطالب علم لا يتفرغ لذلک يعني للكسب" (درمختار ۳۴۱/۵) لیکن فقہاء نے اس کو علوم دینیہ اور طالب علم کی رشد وصلاح کے ساتھ مقید کیا ہے، "قال صاحب القنية: لكن بعد الفتنة العامة......يعني فتنة التتار التي ذهب بها أكثر العلماء والمتعلمين، نرى المشتغلين بالفقه والأدب اللذين هما قواعد الدين واصول كلام العرب يمنعهم الإشتغال بالكسب عن التحصيل ويؤدي إلى ضياع العلم والتعطيل، فكان المختار الأن قول السلف......وقال ح: وأقول الحق الذي تقبله الطباع المستقيمة ولا تنفرمنه الأذواق السليمة القول بوجوبها لذي

الرشد لا غیرہ“ (شامی ۵/ ۳۴۲)۔

لہذا مسئولہ صورت میں طالب علم کے صاحب استطاعت نہ ہونے کے باوجود اس کے لئے سودی قرض لینا جائز نہ ہوگا، اور والد کے مستطیع ہونے سے طالب علم صاحب استطاعت نہیں سمجھا جائے گا، علوم جدیدہ عصریہ کے لئے باپ کے اوپر تعلیمی نفقہ واجب نہیں۔

۵- سود کا لینا اور دینا حرام ہے، اور کسی بھی سودی معاملہ میں یا ایسا کوئی معاملہ جس سے سود کے تعامل پر تعاون لازم آئے حرام ہے، سود کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں، اور اس کا ادنیٰ ترین شعبہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا۔

”عن أبی هريرةؓ قال قال رسول الله: الربوا سبعون جزءاً أيسرها أن ينكح الرجل أمه“ (مشکوۃ المصابیح رص ۲۴۶)۔

لہذا طالب علم یا اس کے والد صاحب استطاعت ہوں مگر فی الحال اپنا پیسہ تعلیم میں لگانا نہیں چاہتے، تب بھی ان کے لئے قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، اس لئے کہ اسکیم سودی ہے۔

☆☆☆

تعلیم کے لئے بینکوں سے قرض حاصل کرنا

مولانا افتخار احمد مفتاحی ☆

۱- موجودہ حالات کے تناظر میں جدید اعلی تعلیم کا حصول وقت کی اہم ضرورت ہے تعلیم وہ بنیادی ضرورت ہے جس کے پورا نہ ہونے کی صورت میں ایک ذمہ دار شہری کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے چاہے یہ جدید علوم کسی بھی زبان (انگریزی، ہندی) وغیرہ میں ہوں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ اس سے انسان کے اطوار شرعیہ وعقائد دینیہ میں خلل واقع نہ ہو خود حضور ﷺ نے بعض صحابہ کو زبان یہودی سیکھنے کی اجازت دی ہے، جامع ترمذی میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے:

''أمرني رسول الله ﷺ أن اتعلم السريانية، وفي رواية أمرني أن أتعلم كتاب يهود وقال: إني ما آمن يهود على كتاب قال فما مربي نصف شهر حتى تعلمته فكان إذا كتب الى يهود كتبت وان كتبوا اليه قرأت له كتابهم''۔

مزید وہ تعلیم جس سے اپنی اور اپنی قوم کی جان ومال کی حفاظت کے ساتھ حلال روزی حاصل کرنے میں مدد مل سکے بلاشبہ جائز اور کار خیر وموجب اجر وثواب ہے، اس کی طرف لوگوں کو رغبت دلانی چاہئے کہ دینی تعلیم کو مقدم رکھیں، دینی تعلیم سے اعراض کر کے دنیوی تعلیم میں منہمک ہونا اچھا نہیں قرآن پاک میں ہے:

''بل توثرون الحيوة الدنيا والآخرة خير و أبقى'' (سورہ اعلی) (بلکہ تم دنیوی

☆ استاذ جامعہ مفتاح العلوم شاہی کٹرہ، مئو (یوپی)۔

زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت اچھی اور سدا باقی رہنے والی ہے)۔

نیز نبی کریم ﷺ کے فرمان "طلب العلم فریضة علی کل مسلم" میں بھی دینی علوم ہی کی طرف اشارہ ہے۔

الحاصل مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو پہلے دینی علوم سے آراستہ و پیراستہ کریں اس کے بعد جدید اعلی تعلیم کے حصول میں بھی پوری لگن اور دلچسپی کا مظاہرہ کریں تا کہ یہ بچے حلال روزی کے ساتھ اپنی آنے والی نسل کے مستقبل کو تابناک بنا سکیں۔

۲- اسلامی نقطۂ نظر سے سودی معاملہ اور سودی لین دین قطعاً حرام ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: "أحل الله البیع وحرم الربوا" (اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوا (سود) کو حرام کیا)۔

"یمحق اللّٰہ الربوا و یربی الصدقات" (اللہ تعالی سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے)۔

بلکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"فإن لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله" (اگر سودی معاملہ سے باز نہ آؤ گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو)۔

احادیث میں بھی سودی لین دین پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں:

ایک حدیث میں ہے: "عن أبی هریرة ؓ قال قال رسول الله ﷺ: اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یا رسول الله: وما هن، قال، الشرک بالله، والسحر، و قتل النفس التی حرم الله إلا بالحق، واکل الربوا، وآکل ما الیتیم، والتولي یوم الرجف، وقذف المحصنات المومنات الغافلات"۔

(حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون سی چیزیں ہیں؟ فرمایا: شرک کرنا،

جادو کرنا، ناحق کسی کا قتل کرنا، سودی معاملہ کرنا، یتیم کا مال ناحق کھانا، جہاد سے بھاگنا، پاک دامن خواتین پر زنا کی تہمت لگانا)۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی قوم میں سودی لین دین کا رواج ہو جاتا ہے تو اللہ ان پر ضروریات زندگی کی گرانی مسلط کر دیتے ہیں اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جاتی ہے تو ان پر دشمنوں کا رعب وغلبہ چھا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات و احادیث سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ سودی معاملہ قطعاً حرام اس کا مرتکب سخت گنہگار، فاسق، باغی وسرکش ہے۔

اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ سودی معاملہ سے حتی الامکان بچتے رہیں اسی میں خیر ہے اور صرف سود ہی سے نہیں بلکہ جس میں سود کا شبہ ہو اس سے بھی اپنے آپ کو بچائیں۔

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں: "دعوا الربوا و الريبة" (مشکوٰۃ) ربوا اور شبہ ربوا کو بھی چھوڑ دو، اس لئے اگر کہیں سے غیر سودی قرض نہ ملتا ہو تو بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی اجازت دی جائے گی، ضرورت سے زیادہ لینا درست نہیں۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: "وفي القنية و البغية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"۔ ورنہ اصلاً نبی ﷺ نے اس قرض سے منع کیا جس کا مقصد نفع کمانا ہو جیسا کہ بیہقی نے سنن میں روایت کیا:

"عن رسول الله ﷺ أنه نهى عن قرض جر نفعا"۔

مذکورہ بالا باتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سود کے معاملہ میں ہماری شریعت میں بہت سخت رویہ اختیار کیا گیا ہے، اس لئے اعلیٰ تعلیم کے حصول میں آنے والے اخراجات کے لئے اپنی ذاتی جد وجہد، محنت و کاوش کو زیادہ سے زیادہ عمل میں لائیں اور اگر اس سے کام نہ چل سکتا ہو تو اعزہ و اقارب اور قوم کے ذی ثروت لوگوں سے غیر سودی، غیر مشتبہ قرض حاصل کریں اور انہیں اس بات سے واقف کرائیں کہ قرض دینے کا ثواب صدقہ وہدیہ سے کم نہیں ہے۔

اگر اس میں بھی ناکامی کا سامنا ہوتو چونکہ ہماری شریعت میں حالات اورضروریات کے لحاظ سے احکام کی سختی کونرم کرنے کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے چنانچہ فقہ کے اصول میں ایک یہ بھی ہے:"**الضرورات تبیح المحظورات**" اور"**المشقة تجلب التیسیر**"۔

مذکورہ بالا قاعدہ کوذہن نشین کرنے کے بعدغورکرنا ہے کہ موجودہ حالات میں سود کے مسئلہ میں احکام شریعت کے اندرکس حدتک تخفیف کی جاسکتی ہے۔

سودی قرض لینے کے لئے کوئی سخت مجبوری درپیش ہوجس میں سودپرقرض لئے بغیرکوئی چارہ نہیں، جان یا عزت پرآفت آنے کا امکان ہوایسی صورت میں ایک مجبورمسلمان کے لئے سودقرض بقدرضرورت لینا جائز ہوگا، اور چونکہ جدید اعلی تعلیم کاحصول وقت کی اہم ترین ضرورت بن چکی ہے اس لئے اس میں گنجائش کاپہلونکالنے کی مناسب کوشش کی جاسکتی ہے۔

زیربحث مسئلہ"سرکاری بینک عام معمول کے برخلاف تعلیمی قرضوں میں کم شرح سود لیتے ہیں اور یہ قرض زیادہ مدت کے لئے دیاجاتا ہے، نیزحکومت کا ادعا ہے کہ اس قرض کامقصد نفع کمانانہیں توکیااس کم شرح سودکوسروس چارج اور اجرت خدمت پرمحمول کیاجاسکتا ہے" میں جیسے اسلامی ترقیاتی بینک بنیادی منصوبوں کی تکمیل کے لئے غیرسودی قرضےفراہم کرتا ہے اور قرض جاری کرنے پرجودفتری مصارف آتے ہیں بینک سروس چارج کےنام سے ایک متعین رقم وصول کرتا ہےقرض جاری کرنے اوراس کاحساب وکتاب رکھنے کے لئے بینک کومتعددتنخواہ دار ملازمین رکھنے پڑیں گے اورمتعدددوسرے اخراجات برداشت کرنے ہوں گے، اس کے مدنظر قرض دینے پرجوواقعی اخراجات آئیں بینک قرض داروں سے بطورسروس چارج ان کووصول کرسکتا ہے یہ جائزنہیں ہونا چاہئےبشرطیکہ یہ اجرت اس جیسے کاموں پرآنے والی اجرت مثل کے برابرہواوردوسرے یہ کہ اس اجرت کی وصولی کوقرض پرحصول نفع کے لئے ایک حیلہ اوربہانہ نہ بنایاگیاہو، اس لئے اگر اس بات پراطمینان ہوکہ حکومت اورذمہ داران بینک اس قرض اسکیم سے نفع کمانانہیں چاہتےتوسروس چارج پرمحمول کرکے جوازکی راہ نکالی جاسکتی ہے۔

۳- موجودہ حالات کے تناظر میں یہ ضروری ہے کہ تعلیم کا ہر وہ شعبہ جس میں اپنے افرادکا رہنا خود ان کے اور مسلمانوں کے تحفظ اور تشخص کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو اس تعلیم کے حصول کے لئے "**الضرورات تبیح المحظورات**" کے تحت حکومت کی اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہونی چاہئے۔

۴- بچوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری اخلاقاً ماں، باپ پر عائد ہے اور تعلیم وتربیت پر خرچ کرنا صدقہ وخیرات کرنے سے بہتر ہے، "**لأن یودب الرجل ولدہ خیر لہ من أن یتصدق بصاع**"، یعنی آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

بچہ کو تعلیم دلانا ماں، باپ کے فرائض میں داخل ہے، اس کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے خواہ اس کی تعلیم کے لئے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ برداشت کرنی پڑے اور کتنی ہی رقم کیوں نہ خرچ کرنی پڑے، اس لئے اگر ماں، باپ صاحب استطاعت ہیں تو انہیں پر یہ بوجھ ڈالنا چاہئے اور سرکاری ایسی اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دینی چاہئے جس میں ربا کا شائبہ ہو اور اگر ماں باپ کسی طرح آمادہ نہ ہوں تو چونکہ لڑکے کے مستقبل کا بننا، سنورنا بھی ایک اہم مسئلہ ہے اور قرض کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے تو باپ کے صاحب استطاعت ہونے کے باوجود ضرورت کے تحت اسے بقدر ضرورت اجازت دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے بچہ صاحب استطاعت نہیں ہوگا۔

۵- چونکہ قرض اسکیم میں کچھ نہ کچھ ربوا کا شائبہ موجود ہے اور طالب علم یا والد صاحب استطاعت ہیں اس کے باوجود تعلیم میں اپنا پیسہ لگانا نہیں چاہتے تو اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دینا درست نہیں معلوم ہوتا۔

☆☆☆

تعلیم کے لئے قرض کا حصول

مولانا ریاض احمد قاسمی ☆

۱- اس سوال کے دو جز ہیں، ذیل میں دونوں کا نمبر وار جواب لکھا جا رہا ہے:

الف- جدید اعلی تعلیم کا حصول فی نفسہ، شرعی نقطۂ نظر سے نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے اور اگر خدمت خلق یا غلبہ اسلام کی نیت بھی شامل ہو تو ثواب بھی ملے گا۔ چنانچہ اس سلسلے کی چند آیات واحادیث ذیل میں پیش کی جاری ہیں:

۱-"**وعلم آدم الأسماء كلها**" (البقرہ ۳۱)۔

اس آیت کے ذیل مین علامہ رشید رضا مصری صاحب فرماتے ہیں: "**أودع في نفسه علم جميع الأشياء من غير تحديد ولا تعيين**" (المنار ۱/۲۶۲)۔

مولانا شہاب الدین ندوی صاحب نے اس آیت کو سامنے رکھ کر ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے، جس کا نام ہے "**بين علم آدم والعلم الحديث**"، اس کتاب میں انہوں نے مختلف حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو "علم الأسماء" دیا گیا ہے، وہ وہی علم ہے جو آج ان کی اولاد میں ترقی یافتہ شکل میں موجود ہے، اور یہی وہ علم ہے جس کی بناپر انسان "خلافت ارضی" کا مستحق ہوا ہے۔

۲- جناب طالوت کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: "**وزاده بسطة في العلم والجسم**" (بقرہ ۲۴۷) "**وقال في تفسير المنار: السعة في العلم الذي يكون**

☆ استاذ جامعہ رحمانی، خانقاہ مونگیر، بہار۔

به التدبیر'' (المنار ۴/ ۴۷۷)۔

ظاہر ہے حضرت طالوت کو جس علم کی وسعت دی گئی تھی، وہ دینی وشرعی علم نہ تھا کیونکہ وہ تو ان کے نبی شمویل علیہ السلام کو عطا کیا گیا تھا، بلکہ وہ سیاسی ومعاشی علم تھا، جس کی بنیاد پر قوم کی قیادت وسیادت ان کے سپرد کی گئی۔

۳-''و آتینا لقمان الحکمة'' (لقمان:۱۲)۔

حضرت لقمان نبی نہ تھے، بلکہ بڑے حکیم تھے، ان کو جو حکمت دی گئی تھی، وہ عام تھی، خدا کی معرفت اور دین کی جانکاری کے ساتھ، وہ اشیاء کے خواص اور ان کی خوبیوں وخرابیوں کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے، یہی دانائی ان کے لئے وجہ امتیاز بنی اور اللہ تعالی نے اپنا یہ احسان کلام پاک میں ذکر فرمایا۔

۴-''عن أبی هریرة قال قال رسول الله ﷺ: الحکمة ضالة المومن، أینما وجدها، فهو أحق بها'' (مشکوۃ ۳۴)یعنی دانائی کی بات مومن کا گمشدہ سامان ہے، جہاں اسے پائے وہ (کہنے والے سے زیادہ) اس کا حقدار ہے، یہاں بھی ''الحکمۃ'' سے ''عام دانائی وجانکاری'' مراد ہے، جس پر "أینما وجدها" کا عموم شاہد ہے، لہذ احدیث کی رو سے مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اس کے حصول میں اوروں سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لے، کیونکہ وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

۵-''عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ: العلم ثلاثة: آیة محکمة، أو سنة قائمة أو فریضة عادلة، وما کان سوی ذلک فهو فضل'' (مشکوۃ شریف ۳۵)۔

اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے ''علم دین'' کو تین شعبوں میں منحصر فرمایا ہے، جس کا حاصل: قرآن، حدیث اور فریضہ عادلہ ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ان تینوں کے علاوہ جتنے علم کے شعبہ جات

ہیں، وہ سب فضل ہیں، انسان ان کے حصول کا شرعا پابند تو نہیں ہے، البتہ اللہ خود جسے چاہتا ہے اپنے ''فضل'' سے نوازتا ہے: ''ذلک فضل الله یوتیه من یشاء '' (الجمعہ: ۴)، اب ہمیں چاہئے کہ ہم اس فضل کو تلاش کریں، طلب کریں، کیونکہ اللہ تعالی ہر فضل چاہنے والے کو اپنے فضل سے نوازتا ہے ''یؤتي کل ذی فضل فضله'' (ہود: ۳)۔

مذکورہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین کا ہر مسلمان مکلف ہے اور بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا مسلمان پر فرض ہے، اس کے بعد ہی ''عصری علوم'' کا نمبر آتا ہے، چنانچہ مشہور حدیث ہے: ''طلب العلم فریضة علی کل مسلم '' (مسلم شریف)، لہذا اگر کوئی مسلمان بقدر ضرورت دین کی تعلیم حاصل کئے بغیر ''عصری علوم'' کے حصول میں لگ جائے، تو یہ جائز نہ ہوگا، اسی طرح یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر جدید تعلیم کے حصول سے دین اور دیانت، یا ایمان واخلاق متاثر ہونے لگیں، تو ایسی تعلیم کا حصول بھی جائز نہیں ہوگا۔

ب-سوال کا دوسرا جزء یہ ہے کہ اس سلسلے میں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟ اس کا جواب گذشتہ تفصیلات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے، اور جدید اعلی تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور آئندہ نسل کو اس سے آراستہ کرنے کے لئے ہر جائز اقدام کرنا چاہئے، مسلم قوم پر من حیث القوم یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ جس طرح اپنی گاڑھی کمائی سے دینی مدارس کو چلا رہے ہیں اسی طرح پاکیزہ ماحول اور صاف شفاف نظام تعلیم پر مشتمل ایسے اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کریں اور چلائیں جہاں مسلمان بچے ''عصری علوم'' حاصل کرسکیں۔

۲- اصل قرض سے زائد جو رقم بھی دی جائے وہ شرعا سود ہی ہے، جسے قرآن مجید میں صراحتہ حرام قرار دیا گیا ہے، اس کو ''سروس چارج'' پر محمول کرکے جواز کی راہ نکالنا درست نہیں، ذیل میں اس کے چند دلائل ملاحظہ ہوں:

''بنو تغلب عرب نصاری، هم عمرؓ أن یضرب علیهم الجزیة، فأبوا

وقالوا: نحن العرب لا نؤدي ما يؤدي العجم، ولكن خذمنا ما ياخذ بعضكم من بعض، يعنون الصدقة فقال عمر: لاهذه فرض المسلمين، فقالوا فزدماشئت بهذا الاسم، لاباسم الجزية، ففعل وتراضى هو وهم على أن يضعف عليهم الصدقة وفي بعض طرقة هي جزية سموها ماشئتم'' (فتح القدیر ۳/۲۰۱)۔

غور کیا جائے: بنوتغلیب کی مذکورہ تجویز پر حضرت عمرؓ نے اولا صاف منع فرمایا کہ ہم اس کے اہل ہیں لیکن جب زیادہ اصرار کیا، بلکہ ''عنایہ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ رومی دشمنوں سے جا ملنے کا خیال ظاہر کیا، تو حضرت عمرؓ نے ان کی تجویز کے مطابق زکوۃ سے دوگنی رقم صحابہ کرام کے مشورے سے ان پر واجب کردی اور فرمایا کہ ہے تو یہ ''جزیہ'' ہی، البتہ تم اسے جو چاہو نام دو۔

معلوم ہوا کہ نام بدل دینے سے ''اشیاء کی حقیقت شرعی'' نہیں بدلتی۔ اسی طرح زیر بحث مسئلے میں بھی اصل قرض سے زائد جو رقم دی جارہی ہے، اس کی حقیقت شرعا سود ہے، بینک کے اس ادعا سے کہ ہمارا مقصد نفع کمانا نہیں، یا سود کا نام بدل کر اسے ''سروس چارج'' قرار دینے سے اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔

۳-اگر مذکورہ صورت میں ''شرح سود'' کو سروس چارج قرار دے کر جائز کردیا جائے تو پھر حرام کون سا سود ہوگا؟

یہ بات تو ہر ''سود'' پر صادق آئے گی کہ مالک سرمایہ جو اضافی رقم وصول کررہا ہے، وہ اس کا سروس چارج ہے، پھر ''حرم الربوا'' کے تحت کیا باقی رہے گا؟ کیا ''اشیاء ستہ'' میں تفاضل والا ''ربوا'' جو ''ربوا'' کا اصل مصداق ہی نہیں، بلکہ اسے تو آپ علیہ السلام نے ''سد للذریعہ'' منع کیا تھا، اور نہ آج دنیا میں اس کا رواج ہے؟

سوال میں ایک لفظ آیا ہے ''کم شرح سود'' جس میں ''کم'' کی صراحت کرکے، غالبا اس کے سروس چارج ہونے کی طرف ذہن کو مائل کرنا مقصود ہے، لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ عالمی سرمایہ جس تیزی سے سمٹ رہا ہے اور چند بڑے خزانوں میں جمع ہورہا ہے (جس کے آثار ظاہر

ہو چکے ہیں) اس کے پیش نظر یہ پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ اس سے بھی کم شرح سود پر ادارے سود دیا کریں گے، انسانیت کے بچے کھچے خون کو چوسنے اور اپنی تجوری کی خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے، تا آنکہ انسانیت شدید اقتصادی بحران کا شکار ہوجائے اور عالم پر ایک عمومی فساد طاری ہوجائے، تو کیا ہم موہوم ترقی کی لالچ میں ''کم سے کم شرح سود'' کو سروس چارج پر محمول کرتے جائیں گے؟

۳- یہاں یہ اصول قابل ذکر ہے کہ کسی بھی حرام چیز کی گنجائش پیدا کی جاسکتی ہے، تو وہ صرف ''ضرورت یا حاجت'' کی حالت میں پیدا کی جاسکتی ہے، قرآن مجید نے حرام چیزوں کو بیان کرنے کے بعد ''إلا ما اضطررتم''کا استثناء کر کے اس اصول کی طرف رہنمائی کی ہے، جس کی بنا پر فقہاء نے ''الضرورات تبیح المحظورات'' اور ''الحاجة تنزل منزلة الضرورة'' کا اصول مقرر فرمایا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ''تعلیمی قرض'' قوم یا فرد کی ضرورت یا حاجت کے دائرے میں آتا ہے، جس کی وجہ سے سود کی اجازت دی جاسکے؟ ذیل میں اس کا مختصر تجزیہ پیش کیا جاتا ہے:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ضرورت مند، یا حاجت مند کے لئے فقہاء نے ''الاستقراض بالربح'' کی اجازت دی ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم نے اپنی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' میں فرماتے ہیں: ''وفی القنیة والبغیة: یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (۱۲۹) استقراض بالربح کے معنی ہیں ''سود پر قرض لینا''، مذکورہ تعلیمی قرض بھی ''استقراض بالربح'' کے دائرے میں آتا ہے، لہذا اس کے جواز کے لئے اب یہ دیکھنا ہوگا کہ ہندوستانی مسلمان اس قرض کا محتاج ہے یا نہیں؟ اس کے لئے ہمیں پہلے ''ضرورت اور حاجت'' کی تعریف پر غور کرنا چاہئے! چنانچہ علامہ سیوطیؒ ضرورت کی تعریف ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

''بلوغه حدا إن لم يتناول الممنوع، هلك، أوقارب، وهذا يبيح تناول المحظور'' (الاشباہ والنظائر: ۸۵) یعنی ''ضرورت'' مجبوری کی اس حالت کا نام ہے، جس

میں انسان اگر ممنوع کا ارتکاب نہ کرے، تو یقین یا غالب گمان ہو کہ وہ مر جائے گا، یا مرنے کے قریب ہوجائے گا، اس کا حکم یہ ہے کہ اس حالت میں بقدر ضرورت ''حرام'' کے ارتکاب کی گنجائش ہے۔ ظاہر ہے کہ ہندوستانی مسلمان تعلیمی قرض کے معاملے میں اس حالت کو نہیں پہنچا ہے، نہ من حیث الفرد نہ من حیث القوم۔

''والحاجة: كالجائع الذي لو لم يجد ما يأكله، لم يهلك، غير أنه يكون في جهدو مشقة، وهذا لا يبيح الحرام، ويبيح الفطر في الصوم'' (حوالہ سابق) یعنی حاجت تنگی کی اس حالت کا نام ہے، جس میں انسان اگر ممنوع کا ارتکاب نہ کرے، تو یقین یا غالب گمان ہے کہ وہ نہ مرنے کے قریب ہوگا، مگر سخت تکلیف اور مشقت میں ضرور پڑ جائے گا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس حالت میں حرام کے ارتکاب کی تو گنجائش نہیں ہوتی، البتہ سہولیات اور آسانیاں اس کے لئے فراہم کی جاسکتی ہیں۔

اس تعریف کی رو سے ہندوستانی مسلمان تعلیمی قرض کے معاملے میں حاجت کے درجے تک بھی نہیں پہنچتا، کیونکہ جدید اعلی تعلیم سے عاری مسلمانوں کی ایک جماعت تدریس، تجارت، زراعت وغیرہ دوسرے ذرائع سے خوشحال اور باعزت زندگی گزار رہی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید اعلی تعلیم کے لئے سود پر تعلیمی قرض اگر نہ لیا جائے، تو اس سے کوئی تنگی یا مشقت لازم نہیں آئے گی، خصوصا جبکہ دوسرے جائز طریقوں سے تعلیم جاری رکھی جاسکتی ہو، مثلاً جب کوئی باصلاحیت طالب علم اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتا ہے، تو بعض کمپنیاں اس کے اخراجات کی کفالت کرتی ہیں، اس معاہدے کے تحت کہ فراغت کے بعد کمپنی کے لئے کام کریں گے، بعض دفعہ تعلیمی اخراجات کی کفالت خود سرکار بھی کرتی ہے، اس طرح کی مزید صورتوں کا بیان آگے آرہا ہے، لہذا سود پر تعلیمی قرض لینا تو جائز نہیں ہوگا، البتہ جدید اعلی تعلیم مسلمانوں کے لئے ''منفعت'' کا درجہ ضرور رکھتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر اسے حاصل کیا جائے، تو معاشی تقویت

ملے گی، معیار زندگی بلند ہوگا، اور حاصل نہ کیا جائے، تو کوئی خاص تنگی یا دشواری نہیں ہوگی، چنانچہ علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

"و المنفعة كالذي يشتهي خبز البر، و لحم الغنم، و الطعام الدسم" (حوالہ سابق)۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے اس کا حکم یہ بیان کیا ہے کہ: اگر جائز طریقے سے وہ حاصل ہو سکے، تو حاصل کرے، ورنہ صبر سے کام کرے (جواہر الفقہ ۲/ ۲۸)۔

اس سے معلوم ہوا کہ "جدید اعلیٰ تعلیم" مسلمان بے شک حاصل کریں، مگر جائز طریقوں سے، مثلاً اس کے لئے وہ خود تعاون باہمی کا طریقہ اپنائیں اور اس طرح کے امدادی ادارے قائم کئے جائیں، نیز حکومت سے بلاسودی قرض کا مطالبہ کیا جائے، وظائف کی تعداد اور مقدار میں اضافہ کرایا جائے، مرکزی وقف کونسل اور ریاستی وقف بورڈ کو ایماندار اور فعال بنانے کی تحریک چلائی جائے اور اس کی آمدنی کا معتد بہ حصہ مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم پر خرچ کرایا جائے، یہ وہ جائز طریقے ہیں، جن سے "جدید اعلیٰ تعلیم" کی منفعت حاصل کی جاسکتی ہے۔ ان تفصیلات کی روشنی میں سوال ۳ کے جواب کا متن یہ ہوگا:

مذکورہ صورت میں چونکہ ضرورت یا حاجت متحقق نہیں ہے، اس لئے مذکورہ طالب علم کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، جس میں سود ادا کرنا ضروری ہے۔

البتہ جائز طریقوں سے جدید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس یقین کے ساتھ کہ "ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء" یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے نوازے۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں جدید اعلیٰ تعلیم کے بغیر اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کی ترقی نہیں ہوسکتی اور ان کی بے بسی اور مظلومی دور نہیں کی جاسکتی، اس لئے جدید اعلیٰ تعلیم ایک ضرورت اور حاجت ہے، جس کے نہ ہونے کی وجہ سے آج مسلمان بین الاقوامی سطح پر نفسیاتی مشقت اور ذلت کا شکار ہیں۔

لیکن یہ بڑی سطحی بات ہے، جو سرسری نظر میں بڑی گہری معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسلام کے غلبہ اور مسلمانوں کی ترقی کا اصل طریقہ وہی ہے، جو قرآن مجید نے بیان فرما دیا ہے اور جس پر عمل کر کے مسلمان اس دور میں بھی غالب رہ چکے ہیں، جب عصری اور عقلی علوم ایران اور روم کے پاس تھے، یا یونان کے پاس، لیکن مسلمانوں نے پوری دنیا پر اپنے ایمان، اخلاق اور اعمال کی ایسی دھاک بٹھادی تھی کہ وہ جہاں بھی جاتے، کامیابی ان کے قدم چومتی۔

۴- تیسرے سوال کے جواب میں جو تفصیلات عرض کی گئیں ہیں، ان کی روشنی میں مذکورہ طالب علم کے لئے بھی اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، چاہے باپ کے صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے اس کو صاحب استطاعت مانیں یا نہ مانیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ اس صورت میں والد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی دولت اولاد کی اعلی تعلیم پر خرچ کرے، اسے اس پر ثواب ملے گا۔

ب- رہا یہ مسئلہ کہ والد کے صاحب استطاعت ہونے سے اولاد صاحب استطاعت سمجھی جائے گی یا نہیں؟ تو اس کے جواب سے اصل مسئلے کا کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن چونکہ اس سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے، اس لئے ہم اس کا جواب بھی عرض کئے دیتے ہیں کہ: اس کا دارومدار عرف پر ہے، یہ کوئی منصوص مسئلہ نہیں ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ نے کتاب الزکوۃ میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ مالدار کی نابالغ اولاد کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہے، "**لأنه يعد غنيا بيسار أبيه**" کہ وہ اپنے والد کے مالدار ہونے کی وجہ سے مالدار ہی سمجھی جاتی ہے، جبکہ اس کی بالغ اولاد کو زکاۃ دینا جائز ہے، "**لانه لا يعد غنيا بيسار أبيه**" اس فرق کی بنیاد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ کے زمانے میں عرف یہی تھا، اس لئے یہ حکم بیان کیا گیا، لیکن ہمارے ہندوستان کا عرف یہ ہے کہ جب تک اولاد اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو جائے اور شادی کر کے مستقل گھر نہ بسا لے، اس وقت تک مالداری اور غربت میں باپ ہی کے تابع شمار کی جاتی ہے، اسی وجہ سے اس کی کفالت، اس کی تعلیم کا بندوبست، اور اس کی جیب خرچ وغیرہ کا انتظام

والد ہی کے ذمہ رہتا ہے، لہذا مذکورہ مسئلے میں والد کے صاحب استطاعت ہونے سے طالب علم بھی صاحب استطاعت ہی سمجھا جائے گا اور اس کے لئے بدرجہ اولی سود پر قرض لینا جائز نہیں ہوگا؟

۵- مذکورہ صورت میں بدرجہ اولی اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ پہلے سوال کے جواب میں تعلیم کی اہمیت اور فضیلت پر جو دلائل پیش کئے گئے ہیں، ان سے معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام کی نظر میں تعلیم کا مقام کیا ہے؟ اس کے مقابلے میں اسلام مال کو کس نظر سے دیکھتا ہے، اس پر دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں، صرف "إنما أموالکم و أولادکم فتنة" کافی ہے، کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ "المال غاد و رائح" مال آنے جانے والی چیز ہے جس کو اللہ تعالی نے حصول مقاصد کا ذریعہ بنا کر پیدا فرمایا ہے، اس لئے اکتناز مال کے مقابلے میں حصول علم کو ترجیح دی جائے گی اور اس مد میں اپنے مال کو خرچ کرنے کا حکم دیا جائے گا، لہذا جب تنگ دست کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے تو مالدار کے لئے بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے حق میں تو حاجت کا ادنی شبہ نہیں ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرضے، ان کی صورتیں اور احکام

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی ☆

کسی بھی قوم کی بقاء زندگی اور عزت کے لئے تعلیم اس کی بنیادی ضرورت ہے، یہ ضرورت انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی اس سے کسی کو انکار نہیں، اور تعلیم سے مراد دینی تعلیم ہے اس پر بھی جمہور کا اتفاق ہے: "قل رب زدني علما" (سورۂ طٰہٰ: ۱۱۴)، "المراد بالعلم العلم الشرعي الذی يفيد معرفة ما يجب على المكلف من أمر دينه في عباداته و معاملاته، والعلم بالله و صفاته، وما يجب له من القيام بأمره" (فتح الباری لابن حجر العسقلانی ۱؍۱۸۷ باب فضل العلم)۔

کیونکہ اس میں دنیوی واخروی فلاح وکامیابی مضمر وپوشیدہ ہے اور یہی ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے، اسی لئے حضور ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو آیت نازل فرمائی وہ تعلیم ہی سے تعلق رکھتی ہے:

"اقرأ باسم ربک الذي خلق" (سورۂ علق: ۱)۔

مگر اسلامی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم وفنون کی تحصیل کی بھی شریعت نے نہ صرف حمایت کی، بلکہ اس کی ترغیب بھی دی ہے تاکہ انسان ان فنون کے ذریعہ دیگر انسانوں کی خدمت کر سکے، انہیں اپنے لئے حلال آمدنی کا ذریعہ بنا سکے، اور ان فنون میں وہ دیگر اقوام کا دست نگر نہ رہے۔

☆ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر۔

رہی دینی تعلیم تو وہ آج بھی مفت دی جارہی ہے، البتہ عصری فنون کی تعلیم بڑی مہنگی ہوچکی، کیونکہ **لوگوں** نے اسے ایک نفع بخش تجارت بنالیا، اور ان کی تحصیل کو اس قدر گراں کردیا کہ متوسط المعاش **لوگوں** کے لئے ان تک رسائی انتہائی دشوارگزار امر بن چکا ہے، حکومت ہند نے ایسے ہی **لوگوں** کی سہولت کے لئے کم شرح سود پر تعلیمی قرضوں کا نظم کیا ہے، اور اس کا یہ دعوی بھی ہے کہ ان قرضوں سے سود حاصل کرنا ہمارا مقصد نہیں بلکہ تعلیم میں تعاون مقصود ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ: کیا جدید اعلی تعلیم کے لئے اس طرح کا کم شرح والا سودی قرض لینا جائز ہے؟

جوابا عرض ہے کہ سودی قرض صرف بوقت ضرورت اور وہ بھی بقدر ضرورت ہی لیا جاسکتا ہے، "**يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح**" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/ ۳۲۷ القواعد الکلیۃ والضوابط الفقہیۃ رص ۲۳۲)، "**ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها**" (ایضا ۱/ ۳۰۸)۔

اور ضرورت وہی ہے جسے فقہاء کرام نے ضرورت قرار دیا ہے، اور اعلی تعلیم ایسی ضرورت نہیں ہے جس کے لئے سودی قرض لینا جائز ہو، خواہ وہ کم شرح سود والا قرض ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ حرام قلیل ہو یا کثیر حرام ہوتا ہے، اور اس سے بچنا فرض ہے۔

"**فأما الضرورة فمعناها لابد منها في قيام المصالح الدين والدنيا بحيث إذا فقدت لم تجر مصالح الدنيا على استقامته بل على فساد و تهارج و فوت حياة وفي الآخرة فوت النجاة والنعيم والرجوع بالخسران المبين**" (الموافقات للشاطبی ۲/ ۵-۴-۴)۔

ضرورت یہ ہے کہ دینی اور دنیوی مصلحت کے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، بایں طور کہ اگر وہ نہ ہو تو دنیوی مصلحت ٹھیک طرح سے انجام پذیر نہ ہو بلکہ اس میں اضطراب اور بگاڑ پیدا ہوجائے، وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور آخرت میں نجات آرام و آسائش میسر نہ ہو اور وہ بالکل گھاٹے میں پڑجائے۔

۲- شریعت اسلامیہ میں سودکالینا دینا بالکلیہ حرام ہے، اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس کی شناعت اورقباحت کو سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالی نے بڑے بڑے گناہ پر اعلان جنگ نہیں فرمایا سوائے دو گناہ کے، سود کالین دین، خدا کے ولی سے عداوت۔

جدید اعلی تعلیم ایسی ضرورت نہیں ہے جس کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت دی جائے، اور نہ ہی اس کم شرح سود کو سروس چارج پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "كل قرض جر منفعة فهو ربوا" (ہر وہ قرض جو منفعت کو کھینچ لائے وہ سود ہے)، جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شرح سود کم ہو یا زیادہ بہر صورت حرام ہے، نیز کم شرح سود والے قرض کو جائز قرار دینا سود کے دروازے کو کھولنے کے مترادف ہے، وہ اس طرح کہ اگر اعلی تعلیم کے لئے اس طرح کے قرض کو لینا جائز قرار دیا جاتا ہے تو لوگ دیگر مواقع میں بھی بلا جھجک و بلا روک ٹوک زیادہ شرح سود والے قرض کو بھی لیں گے، اور یہی کہیں گے کہ " یہ شرح سود کم ہی ہے کیوں کہ پہلے شرح سود اتنی تھی اور اب اتنی" جیسا کہ آج کل گھروں کے لئے قرض کی شرح سود کم کی گئی، جبکہ فقہ کا مسلم قاعدہ ہے کہ " ذریعہ حرام بھی حرام ہے" "ما كان سبب الحرام حرام" (الجمہرۃ موسوعۃ قواعد الفقہیہ ۲۱۰۶)۔

"يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله و رسوله" (سورۂ بقرہ ۲۷۸-۲۷۹)۔

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو، لیکن تم نے ایسا نہ کیا تو خبر دار ہو جاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے)۔

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "لعن الله آكل الربا وموكله و شاهديه و كاتبه وقال: هم سواء" (صحیح مسلم ۲/۲۷، التفسیر المنیر ۲/۹۳)۔

(اللہ تعالی نے لعنت فرمائی سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، گواہوں پر، لکھنے والے پر، اور فرمایا: یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں)۔

۳- اگر کوئی شخص اعلی تعلیم کے کسی شعبے میں داخلہ کا اہل ہو اور وہ بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہے، لیکن اس کے معاشی حالات اس کے لئے سازگار نہیں ہیں، اور وہ کم شرح سود والے قرض سے فائدہ اٹھانا چاہے، تو اسے بھی اس کی اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ جدید اعلی تعلیم کی تحصیل فرض کفایہ ہے، اور سود کے لین دین سے بچنا فرض عین ہے، اور فرض عین کو چھوڑ کر فرض کفایہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ شریعت اسلامیہ نے مامورات سے زیادہ منہیات کی جانب اعتناء کیا ہے، وہ اس طرح کہ امر بالشئی میں امر حسب استطاعت بجالانے کا حکم ہے، اور نہی میں بچنا ہی بچنا ہے۔

"فإذا أمرتكم بشئ فخذوا منه ما استطعتم وإذا نهيتكم عن شيء فانتهوا" (سنن ابن ماجہ ص۲، صحیح بخاری ۲/ ۱۰۸۲)۔

(جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم کروں تو جہاں تک ہو سکے تم اس کو بجالاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو باز آجاؤ)۔

اور الاشباہ والنظائر میں ہے: "لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات" (ص ۷۸)۔

۴- اگر خود طالب علم کی معاشی حالت اعلی تعلیم کی متحمل نہیں، لیکن اس کے والد کی معاشی حالت اس کی متحمل ہے تو والد اپنے ولد کے لئے اعلی تعلیم کا نظم کرے، یہ والد کی طرف سے ولد کے لئے بہترین تحفہ اور اسلام اور مسلمانوں کی عمدہ خدمت ہوگی، والد کے صاحب استطاعت ہونے اور نہ ہونے سے سودی قرض لینے کے عدم جواز کے حکم پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، کیونکہ ولد کے عدم استطاعت اور والد کے صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں نہ والد پر اپنے ولد کو یہ اعلی تعلیم دینا فرض عین ہے، اور نہ ولد پر اس کی تحصیل فرض اور امر مستحسن ہے، کیونکہ دستور خداوندی ہے: "لا يكلف الله نفسا إلا وسعها" (آل عمران: ۲۸۶) (اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اس کی بساط کے مطابق)۔

اس کی تفسیر میں صاحب روح المعانی علامہ ابو الفضل شہاب الدینؒ یہ فرماتے ہیں:

''أي سنته تعالى لا يكلف نفسا من النفوس إلا ما تطيق" (۱۱۲/۴) یعنی یہ سنت خداوندی ہے کہ وہ انسانوں میں سے کسی صاحب نفس کو اس کی بساط کے مطابق ہی ذمہ داری سونپتا ہے۔

۵- ہرگز جائز نہیں (بحوالہ سابق)۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کی حیثیت اوراس کے احکام

مولانا عبدالحفیظ ☆

۱- جدید تعلیم مثلاً سائنس، میڈیکل، انجینیر نگ، ٹیکنالوجی وغیرہ کی تعلیم امت مسلمہ کے لئے ضروری بلکہ ایک درجہ میں فرض کفایہ ہے اور دین اسلام کے غلبہ کے لئے مسلمانوں میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید عصری مفید علوم کا حصول بھی ضروری ہے، مسلمانوں میں ایسے افراد ضرور ہونے چاہئیں جو باصلاحیت ہوں اور اپنا دینی اور مذہبی تشخص برقرار رکھتے ہوئے حالات کی ضرورت کے پیش نظر جدید علوم حاصل کریں اور ان علوم کے ذریعہ اپنی صلاحیتیں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں صرف کریں تا کہ امت مسلمہ ترقی کے میدان میں پیچھے نہ رہے اور اغیار کی احتیاج کم سے کم ہو۔

"وعن زيد بن ثابت قال : أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أتعلم السريانية ۔ وفي رواية : إنه أمرني أن أتعلم كتاب يهود وقال : إني ما آمن يهود على كتاب ۔ قال : فما مر بي نصف شهر حتى تعلمت فكان إذا كتب إلى يهود كتبت وإذا كتبوا إليه قرأت له كتابهم" (رواہ الترمذی فی المشکوۃ ص۳۹۹)۔

"قيل فيه دليل على جواز تعلم ما هو حرام في شرعنا للتوقي

☆ دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی، پاکستان۔

والحذر عن الوقوع في الشر كذا ذكره الطيبي في ذيل كلام المظهر وهو غير ظاهر إذ لا يعرف في الشرع تحريم تعليم لغة من اللغات سريانية أو عبرانية أو هندية أو تركية أو فارسية وقد قال تعالى : "من آياته خلق السموات والأرض واختلاف ألسنتكم"۔ الروم ۔أي لغاتكم بل هو من جملة المباحات، نعم يعد من اللغو ومما لا يعني وهو مذموم عند أرباب الكمال إلا إذا ترتب عليه فائدة فحينئذ يستحب كما يستفاد من الحديث" (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ۹/ ۶۲)۔

۲- قرض کی رقم پر لئے جانے والے اضافے کو اجرتِ خدمت پر محمول کر کے جائز قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس میں حقیقی اخراجات مثلاً کاغذات تیار کرنے وغیرہ کے اخراجات سے زائد لی جانے والی رقم تو بلاشبہ سود ہوگی، اور حقیقی اخراجات کے بقدر لینے کی صورت میں ان اخراجات کا صحیح تعین بہت دشوار ہے، تاہم اگر کسی ذریعہ سے واقعۃً اس کا صحیح تعین ہو سکے تو صرف حقیقی اخراجات کے بقدر لینے کی ہی گنجائش ہوگی، لہٰذا قرض پر دی گئی رقم پر فقط حقیقی اخراجات کے علاوہ کوئی بھی زائد اضافہ لینا دینا جائز نہیں۔

علاوہ ازیں اجرتِ خدمت پر محمول کرنے کی صورت میں اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہوگا کہ قرض کی مقدار میں کمی یا زیادتی یا مدتِ ادائیگی میں کمی بیشی سے اس اجرت میں کوئی تبدیلی نہ ہو، بلکہ ہر حال میں حقیقی اخراجات کے بقدر ہی لیا جائے، جبکہ عملاً ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ رقم کی مقدار بڑھنے یا مدت زائد ہونے کی صورت میں رقم بھی زیادہ لی جاتی ہے، ایسی صورت میں مدت و میعاد وغیرہ کے عوض میں اضافی رقم کا لینا لازم آتا ہے جس کو اجرتِ عمل قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ یہ اضافی رقم لینا سود ہی ہوگا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہندوستان دارالحرب ہے، لہٰذا'' لاربوٰ بین الحربی و المسلم'' کی روسے وہاں سودی معاملہ سرکاری بینکوں کے ساتھ جائز ہونا چاہیے،تو جواب یہ ہے کہ حربی سے سودی معاملہ کا جواز صرف طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر ائمہ ثلاثہ اس صورت میں بھی عدم جواز کے قائل ہیں، نیز طرفین کے نزدیک بھی جواز کی کچھ شرائط ہیں جیسا کہ امداد الفتاوی میں رسالہ'' رافع الضنک فی منافع البنک'' میں ذکر کی گئی ہیں اور عموماً ان شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، چنانچہ اسی مذکورہ رسالہ میں یہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ:

''مشاہدہ ہے کہ عوام سب قیود سے قطع نظر کرکے ان صورتوں کے مرتکب ہونے لگے ہیں جو بالاجماع ناجائز ہیں اس لئے کسی کو اس قول پر عمل کرنے کی اجازت نہ ہوگی''

نیز ربوٰ کی حرمت کے بارے میں قرآن وحدیث کے قطعی نصوص جو عام ہیں ان کی روشنی میں امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب قوی اور راجح معلوم ہوتا ہے، علمائے محققین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار کرتے ہوئے دارالحرب میں عدم جواز کا قول کیا ہے حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ امداد المفتین (ص۷۰۵) میں سود پر وعیدوں سے متعلق روایات نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

'' لہٰذا کفار کے بینکوں سے سود لینے کے متعلق بھی علمائے محققین کا فتویٰ بنظر احتیاط اسی پر ہے کہ جائز نہیں''

حاصل یہ کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کی تقدیر پر بھی اس میں حربی کو سود دینے کے جواز کا فتوی نہیں دیا جاسکتا۔

''وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه: إن آخر ما نزلت آية الربا

وإن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض ولم يفسرها لنا فدعوا الربا والريبة ۔ رواه ابن ماجه والدارمی"(مشکاۃ المصابیح/ص۲۴۶)۔

۳- اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ سود پر قرض لینا ناجائز اور حرام ہے، مذکورہ حاجت کی وجہ سے اس کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ الاشباہ والنظائر میں مذکور ہے کہ:

"السادسة: الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة...... وفي القنية والبغية يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح "۔

اور البحر الرائق (۲۱۱/۶) میں بھی قنیہ کے حوالے سے مذکورہ جزئیہ نقل کیا گیا ہے۔

اور الاشباہ کی شرح میں علامہ حمویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"(قوله : يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح) وذلك نحو أن يقترض عشرة دنانير مثلا ويجعل لربها شيئا معلوما في كل يوم ربحا"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محتاج کے لیے سودی قرض لینا جائز ہے، اور اعلیٰ تعلیم کا حاصل کرنا بھی ایک اہم حاجت ہے، لہذا اس کی وجہ سے بھی سودی قرض کا لینا جائز ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مذکورہ جزئیہ میں محتاج سے مراد اگر مضطر ہے جیسا کہ سود سے متعلق قطعی نصوص کا تقاضا بھی یہی ہے تو اس جزئیہ سے اعلیٰ تعلیم وغیرہ کی حاجت کے لئے سودی قرض لینے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ہر ایک کے لئے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا شرعی ضرورت میں داخل نہیں، اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ اس کا درجہ فرض

کفایہ تک ہوسکتا ہے اور وہ بعض افراد کی طرف سے اس تعلیم کو حاصل کرنے سے پورا ہو جاتا ہے، باقی افراد کے لئے اعلیٰ تعلیم کا حصول کوئی ایسی شرعی ضرورت نہیں کہ جس کی وجہ سے ربو امحرم کو جائز قرار دیا جائے اور اگر اس سے مراد یہ لیا جائے کہ (ضرورتِ شدیدہ کے علاوہ) بوقتِ حاجت بھی سود پر قرض لیا جاسکتا ہے تو یہ محل نظر ہے، اس لئے کہ اس صورت میں قنیہ کا مذکورہ جزئیہ نصوص قطعیہ جو کہ مطلق ہیں ان کے خلاف ہوجائے گا، اور یہ واضح ہے کہ اس صورت میں اس جزئیہ کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا، نیز اس سے دیگر حاجات میں سودی قرض لینے کے جواز کا ایک دروازہ کھل جائے گا جو کہ انتہائی خطرناک ہے۔

''عن جابرؓ قال: لعن رسول الله ﷺ آکل الربوٰ و موکله و کاتبه وشاهدیه وقال هم سواء'' (مشکوٰۃ المصابیح رص ۲۴۴)۔

۴،۵- طالب علم یا اس کے والد کے صاحبِ استطاعت ہونے یا نہ ہونے سے مذکورہ عدمِ جواز والے حکم میں کوئی فرق نہیں آئے گا بلکہ مذکوہ اسکیم کے سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس سے فائدہ اٹھانا مطلقاً ناجائز ہے۔

☆☆☆

جدید تعلیم کی شرعی حیثیت

مولانا مفتی اقبال ٹنکاروی ☆

علم خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، علم کے ذریعہ انسان کو تمام مخلوق پر برتری اور فوقیت دی گئی ہے، علم انسان کی بنیادی ضرورت ہے، پانی، ہوا اور روشنی جس طرح انسانی زندگی کی بقاء کے لئے بنیادی عنصر ہیں، اسی طرح علم انسانی زندگی کے لئے وہ بنیادی پتھر ہے، جس کے بغیر اس کی عملی زندگی کو ثبات ودوام حاصل نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی اس کی روحانی زندگی قائم رہ سکتی ہے، انسان اور چوپائے کا فرق مٹ جائے گا، اس لئے قرآن پاک میں علم کو فضلِ عظیم قرار دیا گیا ہے۔

"وعلمک ما لم تکن تعلم وکان فضل اللّٰہ علیک عظیما" اور آپ ﷺ کو اس بات کی تعلیم دی، جس سے آپ ﷺ واقف نہیں ہیں، اور اس طرح آپ ﷺ پر اللہ تعالی کا فضل عظیم ہے (نساء:۱۱۳)۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کی پہلی آیت میں تعلیم اور پڑھنے کی ترغیب اور تذکرہ ہے، جب کہ اس وقت ہر طرح کی برائیاں (شرک، میت پرستی، زنا، فحاشی، ظلم وزیادتی، خونریزی وسفاکی) عام تھیں۔

ارشاد الٰہی ہے:

اقرأ باسم ربک الذی خلق ، خلق الانسان من علق ، اقرأ وربک الأکرم

☆ مہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھروچ، گجرات۔

الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم۔ (قرآن)(اے محمد! اپنے رب کا نام لے کر پڑھو، جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ سب باتیں سکھائیں، جس کا اس کو علم نہ تھا)۔

غرض قرآن پاک میں علم حاصل کرنے پر جتنا زور دیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ترقی اور کامیابی کو علم اور تفہیم کے ساتھ وابستہ کیا ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوئی ہے اور آپ سے یہ کہا جاتا ہے کہ زیادتیٔ علم کی دعاء اللہ تعالیٰ سے کریں:

قل رب زدنی علمًا (آپ کہیے، اے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما)۔

اور حضور ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد ایک موقع پر یوں وضاحت فرمائی ہے:

بعثت معلماً ۔ (مجھے تعلیم دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہے)۔

اور علم کی فضیلت و شرافت اس لئے ہے کہ یہ تقوی کے لئے وسیلہ ہے اور تقوی ہی سے دربار خداوندی میں عزت و عظمت ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: **إن أكرمكم عند الله أتقاكم** (حجرات: ۱۳) (اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ پرلحاظ ہے)۔

اس وقت دنیا میں علم کی بہتات اور کثرت ہے، مختلف چیزیں علم و فن کے نام پر وجود میں آچکی ہیں، علوم کی اس دنیا میں مفید اور غیر مفید کا امتیاز لوگ کھو بیٹھے ہیں، جس کی وجہ سے ان علوم سے فائدہ ہونے کے بجائے نقصانات و مضرات زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے اس راستہ میں غور وفکر کر کے قدم رکھنا چاہئے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

الخوض فی علم لا یستفیدالخائض فیه فائدة علم فهو مذموم، فکم من شخص خاص فی العلوم واستضر بها۔ ...(احیاء العلوم ۱/۳۷) (ایسے علم میں غور وخوض جس سے غور وخوض کرنے والا فائدہ حاصل نہ کر سکے وہ علم اس کے لئے مذموم ہیں کتنے اشخاص

ہیں جنہوں نے کسی علم میں غور کیا اور اس سے ان کو ضرر پہنچا)۔

اور حضرت شیخ الہندؒ اگر ایک طرف مسلم بچوں کو جدید علوم کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالتے ہیں تو دوسری طرف اپنے نظریۂ تعلیم کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

آپ میں سے جو حضرات محقق یا باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے بزرگوں نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان سیکھنا یا دوسری قوم کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا، ہاں، یہ بے شک کہا کہ انگریزی تعلیم کا آخر اثر یہی ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور اپنے مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومت کی پرستش کرنے لگیں، تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لئے جاہل رہنا اچھا ہے (خطبۂ صدارت مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۲۰ء بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۳/۱۶۴، دارالعلوم دیوبند ستمبر ۲۰۰۹ء)۔

اس سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ علم ایک دودھاری تلوار ہے، اس سے انسان کو نفع بھی پہنچتا ہے، ضرر بھی، علم کے ذریعہ انسان ہدایت پاتا ہے اور گمراہ بھی ہوتا ہے۔

علم نافع اور غیر نافع:

درحقیقت علم ایک ہی ہے، اسلام میں علم دین اور دنیا کی قطعاً کوئی تفریق نہیں ہے، علم ایک ہے، علم خدا کی ازلی اور ابدی صفت ہے، علم ایک نور ہے، جس سے ظلمتیں دور ہوتی ہیں، علم وہ عنایت ربانی اور نعمت یزدانی کا مظہر ہے، البتہ اس کی دو قسمیں نافع اور ضار (غیر نافع) کی حیثیت سے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے علم نافع کی دعاء مانگی ہے، اور غیر نافع سے پناہ مانگی ہے:

اللهم إني أسئلك علما نافعا وعملا متقبلا ورزقا طيبا (مشکوۃ ۲/۲۲۰ بحوالہ ابن ماجہ) اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسے علم کا جو نفع دے اور ایسے عمل کا جو قبول ہو جائے اور

ایسے رزق کا جو حلال و پاکیزہ ہو۔

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان الفاظ میں دعا مانگتے تھے:

اللّٰھم انی اعوذبک من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوۃ لا یستجاب لھا۔ (ابن ماجہ ۱/۳۳) (اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، اور ایسے دل سے جو تیرے آگے نہ جھکے، اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو، اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو)۔

ان احادیث مبارکہ اور دعاء ماثورہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نفع اور ضرر کے اعتبار سے علم کی دو قسمیں ہیں بعض نافع اور بعض غیر نافع، لہذا وہ علوم جو دنیا اور آخرت کے اعتبار سے نافع ہیں، ان کے حصول کے لئے کوشش اور اپنے حد تک وسائل کا استعمال بھی کرے، نیز اللہ تعالی سے دعا بھی مانگے، لیکن وہ علوم جو غیر نافع ہیں ان سے دور رہے اور پناہ بھی مانگنی چاہئے۔

اب سوال یہ ہے کہ کون علم نافع ہے اور کون غیر نافع؟ اس سلسلہ میں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو علم دین صرف زبان تک ہو دل تک نہ پہنچتا ہو ایسا علم دین بھی غیر نافع ہے، جو علم صرف علم تک محدود ہو، اس کے مطابق عمل نہ ہو وہ غیر نافع ہیں (کتاب العلم بحوالہ دارمی ۱/۷۳)۔

بہر حال وہ علم جو علم والے کو بھی فائدہ پہنچائے اور دوسرے کو بھی، مثلاً دین وشریعت اور اس کے متعلقات کا علم، طب، حساب، تاریخ، جغرافیہ، سائنس وغیرہ، غیر نافع وہ علم ہے جو نہ صاحب علم کو فائدہ پہنچائے، نہ دوسرے کو، جیسے سحر، موسیقی، عشقیہ شعر ومشاعرہ وغیرہ۔

غرض یہ کہ علم کی تقسیم اولی سے علم کی دو قسمیں نکلیں، علم نافع، علم غیر نافع، پھر علم نافع کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) علم دین یا شریعت (۲) علم دنیا۔

اب ہم اس سے متعلق بحث کریں گے کہ کون سا علم کس درجہ میں حاصل کرنا ضروری ہے۔

علم فرض عین:

علامہ حصکفیؒ رقمطراز ہیں:

واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه (الدرالمختار علی حاشیہ ردالمحتار ۱/ ۳۱)۔

اسی طرح ابن عابدین شامیؒ نے اس کی تفصیلات علائی کے حوالہ سے لکھی ہے:

یعنی فرائض اسلام میں سے یہ ہے کہ اپنا دین قائم کرنے، اپنے اخلاص عمل اور بندگان خدا کے ساتھ رہنے سہنے کے لئے بندہ جن کا محتاج ہوتا ہے، چنانچہ ہر عاقل بالغ مرد وعورت پر دین وہدایت سیکھنے کے بعد فرض ہے کہ وہ وضو،غسل ،نماز ،روزہ ،زکوۃ ،اور حج کا علم سیکھے، تاجر حضرات خرید وفروخت کے مسائل سیکھیں، ایسی ہی صنعت کار اور ہر وہ شخص جو کسی کام میں مشغول ہوں، اس پر وہ علم اور اس کا سیکھنا فرض ہے، تاکہ اس میں حرام کا مرتکب نہ ہو (حاشیہ ابن عابدین ۱/ ۲۹)۔

علم فرض کفایہ:

اگر علم دین اپنی ذاتی ضرورت تک حاصل کرتا ہے، تو فرض عین ہوا، لیکن اگر ذاتی ضرورت سے بڑھ کر دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے حاصل کرے تو فرض کفایہ ہوا۔

درمختار میں ہے:

وفرض كفاية وهو ما زاد عليه نفع غيره أي على قدر مايحتاجه لدينه في الحال (درالمختار مع ردالمحتار ۱/ ۳۲)۔

(فرض کفایہ وہ ہے جو اس سے زیادہ ہو اپنے غیر کو نفع پہنچانے کے لئے یعنی اس مقدار سے زیادہ ہو جس کا اپنی دینی ضرورت کے لئے فی الحال محتاج ہے)۔

مذکورہ بحث سے یہ بات ظاہر ہے کہ موجودہ زمانہ میں جدید تعلیم معاشی ضرورت اور دشمن کی مدافعت کے لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہیں، تو زندگی کے دیگر وسائل کی طرح ان کے

اختیار کرنے اور سیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، خود اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"قل من حرم زينة الله التي أخرج لعباده والطيبات من الرزق قل هي للذين آمنوا في الحيوة الدنيا خالصة يوم القيامة" (الاعراف: آیت ۳۲)۔

(کہو! اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالا تھا، اور کھانے کی پاک چیزوں کو، کہو! وہ دنیا کی زندگی میں بھی ایمان والوں کے لئے ہیں اور آخرت میں تو وہ خاص انہیں کے لئے ہوں گی)۔

نیز دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے:

"وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة"۔ (الانفال: ۶۰)۔

(ان کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے قوت تیار رکھو)۔

ان آیات کے مطابق مسلمانوں کے لئے جدید علوم کو سیکھنا درست نہیں بلکہ ایک ضرورت ہے اور اس کی تائید وتوثیق رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی فتنہ سے بچنے کے لئے حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کا اور کفار ومشرکین کے اعتراضات کے جواب دینے کے لئے حضرت حسان بن ثابتؓ کو عربی اشعار میں مہارت حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اسی طرح فقہاء نے اوقاف، مسلم پرسنل لاء اور مسلمانوں کے دوسرے معاملات میں رہنمائی کے لئے وکالت کی تعلیم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے، جیسا کہ امام غزالی نے ان تمام علوم کو سیکھنا ضروری قرار دیا ہے، جن کی امور دنیا کی درستگی میں ضرورت پڑتی ہیں:

فرض کفایہ ہر ایسا علم ہے کہ امور دنیا کی درستگی میں جس سے بے نیاز نہ رہا جا سکے، جیسے طب کیوں کہ وہ بقاء بدن کے لئے ضروری ہے اور جیسے حساب اس لئے کہ وہ معاملات اور وصیت و میراث کی تقسیم کے لئے ضروری ہے (احیاء العلوم ۱/۲۳)۔

تعلیم کے حصول میں ترتیب:

لیکن ان تمام علوم کے حصول میں ترتیب کا لحاظ ضروری ہے، یعنی قرآن وحدیث کے علوم کو پہلے حاصل کرنی چاہئے، اور جدید تعلیم کے حصول میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا جائز ودرست نہیں ہوگا، جو متعلم اور معلم کو دینی علوم سے غافل کردے اور اس پر جدید تعلیم کو فوقیت دینا لازم آئے، تو ایسی صورت میں جدید تعلیم تعلیم نہیں رہے گی، بلکہ وہ لہو حدیث (یعنی لا یعنی باتیں) کے مصداق ہوگی، اور جو لوگ لہو الحدیث میں اپنے آپ کو مشغول کرتے ہیں ان کے لئے قرآن پاک میں بڑی وعید آئی ہے:

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا أولائک لھم عذاب مھین. (لقمان:٦)، اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے، تاکہ بچلائیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی، وہ جو ہے ان کو ذلت کا عذاب ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علم صرف زبان تک ہو دل تک نہ پہنچتا ہو ایسا علم دین بھی غیر نافع ہیں یعنی جو علم صرف علم تک محدود ہو عمل نہ ہو وہ غیر نافع ہے (کتاب العلم بحوالہ دارمی)۔

اس لئے سب سے پہلے قرآن وحدیث کا علم اور دین کی وہ ساری باتیں پہلے جاننی چاہئے، جن کی ہر وقت ضرورت پڑتی ہیں جیسے نماز، روزہ، زکاۃ اور حج کے مسائل اور پھر زندگی گذارنے کے لئے جدید علوم کو حاصل کرے اور تمام علوم پر عمل بھی کرے، تب علم نافع ہوں گے۔

اولاد کی تعلیم وتربیت میں والدین کا کردار:

اولاد کی پرورش کے ساتھ اس کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری بھی والدین پر ہے قرآن پاک نے اس کو ایک مختصر اور بلیغ جملہ میں ادا کیا ہے: **یاأیھا الذین آمنوا قوا أنفسکم و أھلیکم نارا** (تحریم:٦)۔

(اے ایمان والو! اپنے اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ)۔

اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچانا بزرگ خاندان کا فرض ہے، یہ آگ جہنم کی آگ ہے، مگر اس سے مقصود ان تمام برائیوں اور خرابیوں سے بچانا جو آتش دوزخ بناتی ہیں، اس میں اخلاقی تعلیم وتربیت کے سارے پہلو آجاتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ والد کا اولاد کے لئے سب سے بہتر عطیہ حسن ادب کی تعلیم ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مانحل والد ولده من نحل أفضل من أدب حسن (ترمذی شریف)(کسی باپ نے اپنے بچے کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب یعنی اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا)۔

دوسری حدیث میں ہے:

أكرموا أولادكم وأحسنوا أدبهم (مشکوۃ) (اپنی اولاد کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرو اور ان کی اچھی تعلیم وتربیت کرو)۔

قرآن وحدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری والدین پر ہے، کہ انہیں اچھی سے اچھی تعلیم دے، ایسی اسکول میں داخلہ نہ کرائے اور ایسی تعلیم نہ دے جس سے ان کی سیرت اور اخلاق اچھا ہونے کے بجائے بگڑ جائے، گویا کہ تعلیمی ذمہ داری والد کی طرح ماں پر بھی ہے، البتہ ماں کے مقابلہ میں والد پر زیادہ ذمہ داری ہے۔

اب یہاں تحقیق طلب بات یہ ہے کہ والدین پر تعلیم وتربیت کی ذمہ داری کب تک ہے؟ اس سلسلہ میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ بچوں اور بچیوں کی پرورش کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ان کے بالغ ہونے تک ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

بچہ یا بچی بالغ ہونے تک ان کا نفقہ والد پر ہے، لیکن بچہ یا بچی کے نام سے کوئی جائداد یا نقد رقم ہے تو ایسی صورت میں والد پر ذمہ داری عائد نہیں ہوگی، بلکہ ان کی جائداد سے تعلیم وتربیت میں خرچ کی جائے گی۔

نفقة الصغير واجبة على أبيه. (بچہ کا نفقہ اس کے والد پر واجب ہے)۔

إنما تجب النفقة على الأب اذا لم يكن للصغير مال ،فالأصل أن نفقة الانسان في مال نفسه صغيرا أو كبيرا.(ہدایہ ۴/۴۴۵)، (یقیناً والد پر بچوں کا نفقہ اس وقت ہے جب کہ بچوں کا اپنا کوئی مال نہ ہو، اصل یہ ہے کہ انسان کا نفقہ اپنے حلال مال میں واجب ہوتا ہے چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے علامہ ابن ہمامؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

باپ مالدار ہو، بچے نابالغ ہوں، اگر بچے خود اتنی جائداد کے مالک نہ ہوں جس سے ان کی کفایت نہ ہو سکے تو لڑکوں کے کمانے کے لائق ہونے تک اور لڑکیوں کی شادی تک باپ پر نفقہ کی ذمہ داری ہوگی (قاموس الفقہ ۵/ ۲۱۲)۔

غرض یہ ہے کہ نفقہ کی طرح والدین پر اولاد کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ہے، لہٰذا اگر اولاد نابالغ ہیں مگر ان کے پاس جائداد یا نقد روپیہ ہے تو ان کی تعلیم کا خرچہ باپ پر عائد نہیں ہوگا، اگر اولاد بالغ ہوگئیں ہیں اور تندرست ہیں تو انہیں کمانے کے لئے مجبور کریں گے، اس صورت میں باپ کے ذمہ داری نہیں ہوگی ، ہاں اگر اس حالت میں بھی والدین ان کی کفالت کرتے ہیں تو اولاد کے حق میں ان کا احسان ہوگا، ایسے ہی مولانا مجیب اللہ صاحبؒ نے اپنی کتاب اسلامی فقہ میں ذکر کیا ہے (۲/۱۴۹)۔

جدید تعلیم کے لئے سودی قرض کا حکم

اس کا جواب لکھنے سے پہلے درج ذیل امور کی وضاحت ضروری ہیں:

(۱) سود کی تعریف اور اسکا حکم ۔

(۲) سود لینا اور دینا دونوں کا حکم یکساں ہے، یا کچھ فرق ہے؟

(۳) جدید تعلیم کی اجازت ضرورت کی بناء پر ہے یا حاجت کی بناء پر؟

{۱} سود کو عربی میں "ربوا" کہتے ہیں جسکے معنی بڑھنے اور زیادہ کے ہیں اور وہ مقدار جو زائد ہو، اور اسکا کوئی بدل نہ ہو شریعت میں اسے سود کہتے ہیں۔

علامہ شامیؒ سود کی تعریف میں رقمطراز ہیں:

(هو) شرعًا (فضل) ولوحكماً خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة (لأحد المتعاقدين) أى بايع أومشترى ـ (قوله أي بايع أومشترى) اى مثلا فمثلها المقرضات والراهنات ـ قال ويدخل فيه ما إذا شرط الانتفاع بالرهن كالاستخدام والركوب والزراعة واللبس ...... فان الكل ربوا حرام كما في الجواهر والنتف . (۴/۲۴۵)ـ

(ربا شرعاً لین دین کے سلسلے میں فریقین میں سے کسی ایک کیلئے ایسے اضافہ کا نام ہے جوعوض سے خالی ہو، چاہے یہ اضافہ حکماً ہو، متعاقدین سے مراد مثلاً بیچنے اور خریدنے والا ہے، چنانچہ اس کے مثل قرض اور رہن کے دونوں فریق بھی ہیں، اور اس میں یہ صورت بھی داخل ہوگی کہ مرتہن مال مرہون سے فائدہ اٹھانے کی شرط لگادے، جیسے خدمت لینا، سوار ہونا، کاشت کاری، کپڑے پہننا، دودھ پینا اور پھل کھانا، یہ سبھی کچھ سود اور حرام ہے)۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگر باہمی قرض کے معاملے میں بھی کوئی زیادتی کسی جانب کیلئے بطورشرط ہوتو وہ ''ربوا'' ہوگا اور حرام ہے ۔شامی میں ہے۔

كل قرض جر نفعا حرام اذا كان مشروطًا ہر وہ قرض جس سے فائدہ اٹھایا جائے حرام ہے، جبکہ معاملے میں اسکی شرط لگادی گئی ہو، اور **شرح المجلة** میں ہے: **كل قرض بشرط فيه منفعة فهو حرام (۳/۹۶)**۔

سود کا حکم:

سود کی حرمت نص قطعی سے ہے، اور اسکی حرمت پر کئی آیات ہیں، اسکی حرمت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ جمہور فقہاء اور محدثین اور ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ سود حرام ہے، یہاں قرآن مجید کی چند آیات اور احادیث پیش کی جارہی ہیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

أحل الله البيع وحرم الربوا (سورۂ بقرہ: ۲۷۵) (اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام قرار دیا ہے)۔

جو لوگ سود لینے سے باز نہیں آتے ان کیلئے اعلان جنگ ہے:-

فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله ۔ (بقرہ: ۲۷۸) (اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خبر دار ہو جاؤ جنگ کیلئے، اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے)۔

سود خور کے لئے سخت وعید ہے:-

يا ايهاالذين آمنوا لاتأكلوا الربا أضعافا مضاعفة واتقوا النار التي أعدت للكافرين ۔ (آل عمران: ۱۳۱) (اے ایمان والو! سود کئی حصہ بڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے)۔

سود کا ایک درہم لینا چھتیس دفعہ زنا کرنے سے بھی شدید ہے:-

عن عبيدالله بن حنظلة غسيل الملائكة قال قال رسول الله ﷺ درهم ربا ياكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية ۔ (مشکوۃ: ۲۴۶/۱) (حضرت عبید اللہ جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کے صاحبزادے ہیں، وہ نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ربا کا ایک درہم جو آدمی جان بجھ کر کھاتا ہے، ۳۶ مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے)۔

حدیث شریف میں سود دینے والے، سود لینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے سب پر لعنت آئی ہے۔

عن جابر قال لعن رسول الله ﷺ آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهده وقال هم سواء ۔ (مشکوۃ بحوالہ مسلم ۲۴۶/۲) (حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سود کھانے والے، لکھنے والے اور گواہوں پر لعنت فرمائی ہے)۔

{۲} سود لینا اور دینا دونوں گرچہ حرام ہیں لیکن دونوں کی حرمت کے مدارج میں کچھ فرق

ہے، اور فرق کے درج ذیل اسباب ہیں:

(۱) سود لینا حرام ہے اس لئے کہ اس میں ایک شخص بلاعوض دوسرے کا مال لیتا ہے۔

(۲) سود دینا چوں کہ یہ بھی حرام کا ذریعہ ہے اسلئے یہ بھی حرام ہے، ورنہ فی ذاتہ اسکی حقیقت بس اتنی ہے کہ ایک شخص اپنا ذاتی روپیہ کسی کو بلاعوض دے دیتا ہے، یہ کوئی برا کام نہیں ہے، البتہ اس صورت میں قساوت، سخت دلی اور معاشی کھسوٹ کا باعث بنتا ہے، یعنی وہ ربا جسکو اللہ تعالی نے حرام کیا اور اس پر شدید وعیدیں نازل فرمائیں۔

پس سود لینا اور دینا دونوں ہی حرام ہیں، لیکن حرمت اور قبح اول کی لعینہ اور دوسرے کی لغیرہ ہے (مباحث فقہیہ ر ص ۱۰۷)۔

بہر حال سود لینے کی اجازت کسی حالت میں درست نہیں ہوگی، اسی طرح قرض دے کر اس پر مقترض کا فائدہ اٹھانا درست نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ ربا میں داخل ہے، اور یہ حرام ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کل قرض جرنفعًا حرام أی اذا کان مشروطا (حوالہ سابق ص ر ۲۴۴) فقہاء نے " الضرورات تبیح المحضورات ، المشقة تجلب التیسیر'' قاعدہ کے تحت ضرورت کے وقت یا اس حاجت کے وقت جو ضرورت کے قائم مقام ہو، سود دینے اور سود کی شرط پر قرض لینے کی اجازت دی ہے، جیسا کہ قنیہ اور بغیہ کے حوالہ سے علامہ ابن نجیمؒ نے لکھا ہے۔

وفی القنیة والبغیة یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح . (الاشباہ والنظائر مطبع دیوبند ص ر ۱۴۵) (قنیہ اور بغیہ میں ہے کہ حاجت مند کے نفع کی شرط پر قرض حاصل کرنا جائز ہے)۔

نیز علامہ ابن نجیمؒ چودہویں قاعدہ **ماحرّم أخذہ حرم اعطاء ہ** کے ذیل میں ''**الرشوة لخوف علی ماله** کا استثنا کرتے ہیں۔ **الافی مسائل الرشوة لخوف علی ماله اونفسه (قوله علی الرشوة لخوف علی ماله) هذا فی جانب الدافع أما فی جانب المدفوع له فهو حرام ولم ینبه علیه ، وینبغی أن یستثنی الأخذ بالربا**

للمحتاج فانه لایحرم کماصرّح به المصنف فی البحر ویحرم علی الدافع الاعطاء بالرباء (حموی/ص۱۷۶)۔

(مگر مال یا جان کے خوف سے رشوت دینے کے مسائل ہیں، لیکن یہ جواز دینے والے کے حق میں ہے، اس شخص کے حق میں جس کو دیا گیا ہے حرام ہے، اسی طرح مناسب ہے کہ اس سے یہ صورت بھی مستثنیٰ ہو کہ کوئی محتاج سود پر قرض حاصل کرے یہ بھی حرام نہیں ہے، جیسا کہ بحر میں ہے)۔

{۴} اب رہا یہ مسئلہ کہ جدید تعلیم کی اجازت مسلمانوں کے لئے ضرورت کی بناپر ہے یا حاجت کی بناپر؟ تو اس سلسلہ میں فقہاء نے ضرورت اور حاجت کی جو تعریف کی ہے اس سے اور علم کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اجازت حاجت کی بناپر ہے، جیسا کہ علامہ حموی نے ضرورت کی تعریف درج ذیل صورت میں کی ہے:۔

قال الحموی : ههنا خمسة مراتب: ضرورة وحاجة ومنفعة وزينة وفضول، فالضرورة بلوغه حدًا إن لم يتناول الممنوع هلک أوقارب وهذا يبيح تناول الحرام، والحاجة كالجائع الذی لولم يجد مايأكله لم يهلک غير أنه يكون في جهد ومشقة وهذا لايبيح الحرام ويبيح الفطر فی الصوم (حاشیہ الاشباہ والنظائر/ص۱۰۸)۔

(احکام کے پانچ درجات ہیں، ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، اور فضول، ضرورت کا اس حد کو پہنچ جانا کہ اگر ممنوع شئے کو استعمال نہ کرے تو ہلاک ہوجائے، یا ہلاکت کے قریب پہنچ جائے، یہ صورت حرام کے استعمال کو مباح کردیتی ہے، حاجت کی مثال اس بھوکے شخص کی مانند ہے کہ اگر کھانے کی چیز نہ ملے تو ہلاک تو نہ ہو، مگر مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہوجائے، اس کی وجہ سے حرام اشیاء مباح تو نہیں ہوتی ہے، البتہ روزہ افطار کرلینا جائز ہوجاتا ہے)۔

ضرورت وحاجت کی اس تعریف سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ جدید تعلیم کا حصول اگرچہ ضرورت کے درجہ میں نہیں ہے، لیکن حاجت کے درجہ میں ضرور شامل ہے، کیونکہ عبادت الٰہی کیلئے دینی علوم کا بقدر ضرورت ہر مسلمان کا سیکھنا فرض اور ضروری ہے، تو معاشی اور سیاسی ضرورت اور اسلام کی طرف سے دفاع کیلئے صحیح نیت کے ساتھ جدید علوم کا سیکھنا بھی وقت کی ایک اہم ضرورت ہے (حوالۂ سابق، احیاء العلوم)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں:

کوئی بھی علم جو انسانیت کیلئے نفع بخش ہو، اسلام اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے حکمت کو گمشدہ مال قرار دیا ہے، آج ہم جس کو عصری تعلیم یا جدید تعلیم کہتے ہیں، وہ اسی حکمت کا مصداق ہے............ یہ عصری علوم نہ مذہب سے متصادم ہیں اور نہ مذہب کی رہنمائی سے بے نیاز (شمع فروزاں ۲/ ۹۳،۹۲)۔

مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جدید تعلیم کا حصول حاجت کی بنیاد پر ہے، تو کیا یہ صورت حرام کے استعمال کو مباح کر دیتی ہے؟

اس سلسلہ میں فقہاء کی رائے یہ ہے کہ حاجت عموماً حرام کو مباح نہیں کرتی، لیکن کبھی کبھی حاجت چاہے عام ہو یا خاص، ضرورت کے درجہ میں تسلیم کرلی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے حاجت مند لوگ جن کے لئے اپنی ضروریات کی تکمیل کا کوئی راستہ نہ ہو اور ضروریات بھی ایسی ہیں کہ اگر وہ انہیں پورا نہ کریں تو بڑی دشواری میں پڑجائیں گے، ان کے لئے فقہاء نے سودی قرض لینا جائز قرار دیا ہے۔

علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

''القاعدة السادسة من الخامسة'' الحاجة تتنزل منزلة الضرورة عامةً كانت أو خاصة ولهذا جوزت الإجازة على خلاف القياس للحاجة، وفي القنية والبغية يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر/ ص۱۱۵)۔

(چھٹا قاعدہ یہ ہے کہ ''حاجت'' ''ضرورت'' کے قائم مقام ہوجاتی ہے، عام ہو یا خاص، اسی بناپر خلاف قیاس بر بنائے حاجت ''اجارہ'' کو جائز رکھا گیا ہے،قنیہ اور بغیہ میں ہے حاجت مند لوگوں کیلئے نفع کی شرط پر قرض حاصل کرنا جائز ہے)۔

لہذا ایسے ہی اگر کوئی شخص اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے،یا وہ بیرون ملک جائز تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے،لیکن اس کے معاشی حالات اس کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں،تو اس کے لئے اس قرض کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

سرکاری بینک عام معمول کے خلاف تعلیمی قرضوں میں کم شرح سود لیتے ہیں اور یہ قرض زیادہ مدت کیلئے دیا جاتا ہے،تو کیا اس کو سروس چارج (اجرت خدمت) پر محمول کیا جا سکتا ہے؟

شریعت میں مطلقا سود حرام ہے، چاہے وہ کم مقدار میں ہو،یا زیادہ مقدار میں،اگر کوئی شخص کوئی شی کسی کو دے رہا ہے جو عوض سے خالی ہے اور شرط کے طور پر ہے تو سود میں شامل ہے اور وہ حرام ہے۔

عن أبي بن كعب و ابن مسعود و ابن عباس نهوا عن قرض جر نفعا (رواہ البیہقی بحوالہ الفقہ الاسلامی ۴/۲۶۷)۔

(حضرت ابی بن کعبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے ایسے قرض سے منع فرمایا ہے جس پر فائدہ اٹھایا جائے)۔

وقال رسول اللهﷺ: كل قرض جر نفعا فهو ربا ۔ (رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو قرض نفع کے لئے بنایا جائے وہ ربا (سود) ہے)۔**كل قرض جر نفعا حرام اى إذا كان مشروطا** ۔ (حوالہ سابق: ۴/۲۴۲) (ہر وہ قرض جس سے فائدہ اٹھایا جائے حرام ہے،جب کہ معاملے میں اس کی شرط کی گئی ہو)۔

فتح القدیر کے حوالہ سے حضرت حکیم الامتؒ ذکر کرتے ہیں،ربا حقیقی اور اصلی وہی ہے

جو بیع کے علاوہ قرض اور دین میں ہوتی ہے، اور علامہ ابن ہمامؒ کی عبارت کو پیش کیا ہے۔ **وقال ابن الهمام في الفتح باب الصرف إن اسم الربا تضمن الزيادة من الأموال الخاصة في أحد العوضين في قرض أو بيع** (امداد الفتاوی ۳/۳۱۱)۔

سود کی تعریف سے معلوم ہوا کہ اگر مقرض کی طرف سے قرض پر نفع کی شرط ہے چاہے وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں وہ حرام ہے، کیوں کہ قرض مقروض کی طرف سے ایک ایسا عقد ہے جو مستقرض کے فائدہ اور آسانی کے لئے مشروع ہے لیکن جب اس سے مقرض نے (قرض خواہ) فائدہ کی شرط لگا دی تو قرض اپنے موضوع سے نکل گیا، لہذا قرض دینا صحیح ہو جائے گا لیکن شرط باطل ہو جائے گی، یعنی قرض کی مقدار سے زیادہ لینا درست نہیں ہوگا۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ قرض پر مقرض کی طرف سے فائدہ کی جو بھی شرط ہوگی وہ سود میں شامل ہوگی اور وہ حرام ہے، چاہے قلیل مقدار ہو یا کثیر مقدار، اسلئے موجودہ زمانہ میں سرکاری بینک تعلیمی قرض میں کم شرح سود لیتے ہیں اگر یہ بینک کی طرف سے شرط ہوتی ہے کہ ہر متعین قرض پر سود لیتے ہیں تو یہ سروس چارج (اجرت خدمت) پر محمول نہیں ہوگا بلکہ سود پر محمول ہوگا۔

ہاں اگر بینک کی طرف سے کوئی شرح سود متعین نہ ہو، اور نہ اس کی کوئی شرط ہو اور مستقرض (مدیون) اپنے طور پر قرض ادائیگی کے وقت متعین قرض کی مقدار سے زیادہ دیدے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور مقرض کا اس صورت میں (مستقرض) سے زیادہ لینے میں کوئی کراہیت نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **فإن خيركم أحسنكم قضاء** (یقیناً تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرض کی ادائیگی اچھی صورت میں کرے) (نیل الاوطار ۲۲)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

فإن أقرض شخص غيره مطلقا من غير شرط فقضاه خيرامنه في الصفة

أوزاده في القدر .... جاز ولايكره للمقرض أخذه . (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۲۶ ۷)۔

(اگر کسی شخص نے دوسرے کوبغیر کسی شرط کے قرض دیا، اور مستقرض نے اس سے بہتر صورت میں قرض واپس کردیا، یعنی صفت اور مقدار میں زیادتی کی تو یہ جائز ودرست ہے، اورمقرض کا اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

اسی طرح اگر مستقرض نے مقرض کوہدیہ کےطورپر کچھ دیا تو مقرض اسے لے سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی طرف سے شرط نہ ہو۔

سابق مباحث کا خلاصہ یہ ہے:-

{۱} جدید اعلی تعلیم اگر علم نافع ہےتو مسلمانوں کے لئے صحیح نیت کے ساتھ اسے حاصل کرنا جائزاوردرست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

{۲} سرکاری بینک تعلیمی قرضوں میں جوسود لیتے ہیں تو اس کم شرح سودکوسروس چارج (اجرت خدمت) پرمحمول نہیں کیا جاسکتا، بلکہ وہ ربا پرمحمول ہوگا، اور وہ حرام ہے۔

{۳} ہاں اگر وہ طالب علم کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے یا وہ بیرون ملک جاکر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کے اوراس کے والد کی معاشی حالت اس کوبرداشت کرنے پر متحمل نہیں ہیں تو اس کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

{۴} اگرخود طالب علم کی معاشی حالت اس کی متحمل نہیں ہے،" اور طالب علم کا تعلیم کے علاوہ اورکوئی مشغلہ نہیں ہے"، لیکن اس کے والد اسکی صلاحیت رکھتے ہیں تو ایسی صورت میں والد صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے اسے صاحب استطاعت سمجھا جائے گا۔

{۵} واقعی اگر طالب علم یا والد صاحب استطاعت ہوں تو دونوں صورتوں میں اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا۔

☆☆☆

تعلیم کے لئے قرض حاصل کرنا

مفتی محمد شوکت ثناء قاسمی ☆

اسلام نہ کسی علم کا مخالف ہے اور نہ کسی زبان کا اور کیوں کر اسلام ان کا مخالف ہوسکتا ہے، جبکہ قرآن مجید نے کتنے ہی ایسے حقائق پر روشنی ڈالی ہے، جن کا تعلق فلکیات، طبعیات، نباتات اور حیوانات کے علوم سے ہے، گذشتہ اقوام کے قصص وواقعات ذکر کئے گئے ہیں اور ان میں غور وفکر اور تدبر کی دعوت دی گئی ہے، ظاہر ہے کہ یہ تدبر ان علوم کے تحصیل کے بغیر کیوں کر ممکن ہوگا؟؟

جدید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بارے میں شریعت کا نقطہ نظر:

اسلام میں بنیادی طور پر علم کی دو ہی قسمیں کی گئی ہیں، علم نافع اور علم غیر نافع، علم نافع سے ایسے علوم مراد ہیں جو انسانیت کے لئے دنیا یا آخرت کے اعتبار سے فائدہ مند ہو اور غیر نافع وہ علوم ہیں جو دین اور دنیا کے اعتبار سے بے فائدہ یا نقصان دہ ہوں، رسول اکرم علم نافع کے لئے دعا کیا کرتے تھے اور جو علم نافع نہ ہو اس سے پناہ چاہتے تھے۔

''اللهم إني اسالک علما نافعا وأعوذبک من علم لا ينفع'' (نسائی: ۸۶۸ ۷ ابن حبان، طبرانی) (اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع کا سوال کرتا ہوں اور علم غیر نافع سے پناہ چاہتا ہوں)۔

☆ جامعہ عائشہ نسواں، داراب جنگ کالونی، ملا پیٹ حیدرآباد۔

آپ علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ علم وحکمت مومن کا گمشدہ خزانہ ہے ''الحکمة ضالة المومن'' (الترمذی ۲۶۸۷، ابن ماجہ ۴۱۶۹) اس ارشاد کا منشا بھی یہی ہے کہ جو علم وحکمت کی بات حاصل ہو اور وہ انسانیت کے مفاد میں ہو اس کو رغبت واشتیاق کے ساتھ حاصل کرنا چاہئے، اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے غور کیا جائے تو اکثر عصری علوم وفنون علم نافع کی فہرست میں آتے ہیں، طب انسانی جسم کے لئے نفع بخش ہے، انجینیرنگ انسانی ضروریات کی تکمیل میں مفید ہے، علم قانون میں انسان کی عزت وآبرو کی حفاظت ہے، ادب وصحافت کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام ہوتا ہے، تجارت اور معاشیات سے متعلق علوم کا مقصد فرد اور سماج کی معاشی ضرورت کو پورا کرنا اور اس کے صرف کے جائز اور ناجائز مواقع کی رہنمائی کرتا ہے جس کے مفید اور نافع ہونے سے کس کو انکار ہوسکتا ہے؟ اس لئے تمام علوم اسلام میں مطلوب ہیں اور ان کی حیثیت فرض کفایہ کی ہے، امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

غیر شرعی علوم تین قسم کے ہیں: بعض تو محمود ہیں بعض مذموم اور بعض مباح وجائز ہے، محمود وہ ہیں جس سے دنیوی امور کے مفادات وابستہ ہوں، جیسے کہ طب اور حساب، پھر ان کی بھی تقسیم فرض کفایہ اور محض فضیلت کی طرف کی گئی ہے، جو کہ فرض نہیں ہے۔

اس لئے مسلمانوں کی ان علوم سے بے توجہی قطعا مناسب نہیں بلکہ بقدر ضرورت دینی علوم کے حصول کے بعد جدید اعلی تعلیم کے حصول میں قسمت آزمائی مناسب ہی نہیں بلکہ تقاضہ وقت ہے۔

کیا تعلیمی قرض کی شرح سود کو سروس چارج پر محمول کیا جاسکتا ہے؟

بینک خیرخواہ اور خیراتی ادارہ نہیں ہوتا، بینک کا مقصد زیادہ سے زیادہ نفع کمانا اور سرمایہ حاصل کرنا ہوتا ہے، اس لئے بینک عام طور سے جو بھی کرتا ہے وہ بھی سود سے خالی نہیں، اس پر دس سے بارہ فیصد شرح سود عائد کیا جاتا ہے، البتہ ان قرضوں پر سود در سود نہیں لگایا جاتا ہے، جیسا کہ دیگر قرضوں پر ہوتا ہے، حکومت کا یہ دعوی کہ اس قرض کا مقصد نفع کمانا نہیں ہے یہ محض ایک دعوی

ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ اگر حکومت اپنے دعوؤں میں واقعی سنجیدہ ہوتی تو پھر اس تعلیمی قرض پر دس سے بارہ فیصد تک شرح سود عائد نہیں کرتی، جبکہ ملک کے باشندوں کے لئے تعلیم کی فراہمی اس کی ذمہ داری ہے۔

تعلیمی قرض کی کم شرح سود کو سروس چارج پر محمول کرنا مندرجہ ذیل وجوہ کی وجہ سے قطعا درست نہیں ہوسکتا ہے:

۱-سروس چارج کی رقم غیر معمولی نہیں ہوتی، جبکہ بینک ان قرضوں پر بارہ فیصد شرح سود عائد کرتا ہے، اس اعتبار سے اگر کوئی شخص چار لاکھ روپے پانچ سال کے لئے لے رہا ہے تو سود کی مجموعی رقم اصل رقم کے نصف سے بھی زائد ہوجائے گی۔

۲-سروس چارج کی رقم کسی چیز پر سالانہ فیصد کے لحاظ سے نہیں لی جاتی ہے، جبکہ اس قرض پر ہر سال بارہ فیصد کے لحاظ سے رقم لی جاتی ہے۔

۳-ایک ہی چیز پر سروس چارج کے نام سے ڈبل رقم نہیں لی جاتی ہے جبکہ بینک قرض جاری کرتے وقت سروس چارج کے نام سے مجموعی رقم سے دو فیصد کے لحاظ سے رقم وصول کرتا ہے، بینک بھی تعلیمی قرض کے کم شرح سود کو سروس چارج تسلیم نہیں کرتا، بلکہ بینک اور ماہرین بھی اس کو سود ہی مانتے ہیں، البتہ بینک تعلیمی قرض پر یہ رعایت دیتا ہے کہ شرح سود سالانہ عائد کرتا ہے اور سالانہ شرح سود کی جو رقم ہوتی ہے اس کو اصل رقم کے ساتھ جوڑ کر اس پر سود نہیں لگاتا، بلکہ ہر سال کی شرح سود کا حساب الگ رہتا ہے، لیکن یہ سہولت تعلیم کے ختم ہونے کے ایک سال کے بعد یا تعلیم کی تکمیل اور ملازمت کے ملنے کے چھ ماہ بعد تک رہتی ہے، اس کے بعد وہ ساری رقم ایک ساتھ ملا دی جاتی ہے، اب اس کے بعد ادائیگی نہیں کی گئی یا ادائیگی میں تاخیر کی گئی تو مجموعی رقم پر سود لگایا جاتا ہے، الحاصل یہ کہ تعلیمی قرض جو زیادہ مدت کے لئے کم شرح سود پر جاری کیا جاتا ہے اس میں اصل رقم سے زائد جو رقم ہوتی ہے وہ سود ہے اور شریعت میں سود حرام ہے، خواہ وہ سود مفرد ہو یا مرکب۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

(جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان نے خبطی بنادیا ہو لپٹ کر، یہ سزا اس لئے ہوگی کہ لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے، اللہ تعالی نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام کردیا) (سورۂ بقرۃ: ۲۷۵)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

(اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے دونا اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہارا بھلا ہو) (آل عمران: ۱۳۰)۔

عام حالات میں سودی قرض لینے کی اجازت نہیں ہے، اگر کوئی شخص واقعی اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہو، لیکن اس کے معاشی حالات اس تعلیم کے اخراجات برداشت کرنے کے متحمل نہ ہوں تو خواہ وہ بیرون ملک تعلیم کے لئے جائے یا اندرون ملک اس کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہوگی، کیونکہ آج کل اعلی تعلیم بھی انسان کی ضرورتوں میں شامل ہے، اور فقہاء کرام نے ضرورت کے وقت محظورات کی اجازت دی ہے۔

''الضرورات تبيح المحظورات'' (الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الخامسۃ: الضرر یزال)۔

اسی طرح فقہاء نے ضرورت کے وقت سودی قرض لینے کی بھی اجازت دی ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

''يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (البحر الرائق: باب الربا، الاشباہ والنظائر: ۱۱۵) (ضرورت مند کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت ہے)۔

اسی طرح علماء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ کبھی کبھی حاجت کو بھی ضرورت کا درجہ دے دیا جاتا ہے خواہ یہ حاجت عمومی ہو یا خصوصی۔

''الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة'' (الاشباہ والنظائر: القاعدۃ الخامسۃ: الضرر یزال)۔

لہذا اگر عصری علوم وفنون کی ضرورت کوشرعی ضرورت کے زمرہ میں شامل کیا جائے یا نہ کیا جائے، شرعی حاجت کے قبیل سے تو ضرور ہوسکتا ہے، اورشرعی حاجت بھی بسا اوقات ضرورت کا درجہ حاصل کرلیتی ہے، موجودہ زمانہ کے حالات اور تقاضہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بالکل مناسب ہوگا کہ عصری علوم وفنون کی ضرورت شرعی ضرورت نہیں تو شرعی حاجت میں ضرور داخل ہے، اور اس حاجت کو اس علوم کی عمومی وخصوصی ضرورتوں کے پیش نظر شرعی ضرورت کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

قرض کے جواز اور عدم جواز کا تعلق طالب علم کے معاش سے ہے یا اس کے والد سے؟

بچے کی پیدائش سے بلوغ تک کے سارے اخراجات اس کے والد پر ہوتے ہیں لیکن بلوغ کے بعد شرعاباپ پر اس کا نان ونفقہ اور دیگر اخراجات واجب نہیں ہوتے (مگر جب بالغ مذکر اولاد کسی وجہ سے کمانے سے عاجز ہو) اسی لئے باپ پر بالغ مذکر اولاد پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب نہیں ہے (البدائع ۲/ ۷۰، الدرالمختار مع الشامی ۳/ ۲۸۵)۔

اور زکوۃ کے جواز اور عدم جواز کے مسئلہ میں بھی باپ کی مالداری کا اعتبار نہیں کیا جاتا، اگر باپ مالدار ہو اور اس کی مذکر بالغ اولاد غریب ہو تو اس کے لئے زکوۃ کی رقم حلال ہوجائے گی اور اس کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی، اور فقہاء نے اس صورت میں باپ کے مالدار ہونے کی وجہ سے اس کی اس اولاد کو مالدار نہیں سمجھا۔ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

"ان الطفل يعد غنيا بغني أبيه، بخلاف الكبير فانه لا يعد غنيا بغني أبيه" (حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۲۷۰)۔

(نابالغ بچہ اس کے باپ کے مالدار ہونے سے مالدار سمجھا جاتا ہے، برخلاف بڑی اولاد کے وہ باپ کے مالدار ہونے سے مالدار نہیں سمجھا جاتا)۔

فقہاء کی ان تشریحات کی روشنی میں طالب علم کی معاشی حالت اس لائق نہ ہو کہ اعلی تعلیم کے اخراجات برداشت کر سکے، لیکن اس کے والد کے پاس اتنی استطاعت موجود ہو اور اب تک کے جملہ اخراجات اس کے والد برداشت کر رہے تھے تو ایسی صورت میں اس طالب علم کے لئے اس قرض اسکیم سے استفادہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ سودی قرض بوقت ضرورت شدیدہ (جب کہ اس کا کوئی دوسرا متبادل موجود نہ ہو) لینے کی اجازت ہوتی ہے اور یہاں چونکہ والد کو استطاعت ہے اور اب تک اپنے لڑکے کے سارے اخراجات برداشت کر رہے تھے، اس لئے اس شخص کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

طالب علم یا والد کے صاحب استطاعت ہونے کے باوجود قرض اسکیم سے استفادہ:

یہ بات گذر چکی ہے کہ تعلیم کے نام پر جو قرض جاری ہوتا ہے اگر چہ اس میں شرح سود عام قرضوں کے بالمقابل کم ہوتی ہے، لیکن وہ بھی درحقیقت سودی ہے، اس لئے عام حالات میں اس قرض سے استفادہ کی اجازت نہیں ہے اور خاص طور سے جب لینے والا صاحب استطاعت ہو تو اس کے لئے تو کسی طرح بھی جائز نہیں ہوگا۔

☆☆☆

جدید تعلیم اور تعلیمی قرض کا شرعی حکم

مولانا محمد ارشد فاروقی ☆

۱-جدید اعلیٰ تعلیم کے بارے میں شریعت کا نقطہ نظر:

جدید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بارے میں شریعت کا نقطہ نظر بہت نمایاں اور واضح ہے:

علامہ شامی فرماتے ہیں:

علم حاصل کرنا فرض عین اور فرض کفایہ ہے، فرض کفایہ جن علوم کا حاصل کرنا ہے وہ ہر وہ علم ہے جس کے بغیر نظام دنیا رواں دواں نہ ہو سکے جیسے طب، حساب، نحو، لغت، کلام، فن قرات وتجوید، اسناد حدیث تقسیم وصیت، میراث، کتابت، معانی، بدیع، بیان، اصول، ناسخ ومنسوخ کی شناخت، عام وخاص نص وظاہر کی واقفیت درحقیقت یہ علوم تفسیر وحدیث کے علوم کے لئے ذریعہ و وسیلہ ہیں، مزید برآں فرض کفایہ آثار واخبار اور فن رجال بھی ہے صحابہ کے ناموں اور ان کی خصوصیات کی آگہی اور روایت کے باب میں عدالت کی جانکاری ضعیف وقوی میں امتیاز اسی طرح صنعتوں کے اصول اور کاشت کاری، کپڑے کی صنعت، پچھنہ لگانے کا فن (رد المحتار علی الدر المختار ۱/۱۲۲، دار الکتاب دیوبند)۔

جن علوم کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے ان کا مفصل بیان اور فہرست عبارت بالا سے معلوم ہوتی ہے جسے ان الفاظ میں تعبیر کر سکتے ہیں کہ ان تمام علوم کا حاصل کرنا اور ان میں مہارت پیدا کرنا فرض کفایہ ہے، جن علوم کی ضرورت دنیوی نظام چلانے باقی رکھنے

☆ صدر شعبہ افتاء جامعہ امام انور دیوبند، سہارنپور (یوپی)۔

اور بڑھانے میں پڑتی ہے۔

قرآن وحدیث کے اعلی علوم کے حصول کے لئے نحو وصرف ،لغت ،قرأت ،معانی و بدیع اور بیان کا حصول ذریعہ ووسیلہ کے طور پر فرض کفایہ ہے جس کا مطلب عالم دین فقیہ قاری محدث بننا فرض کفایہ ہے۔

اسی طرح طبیب ومعالج اور ڈاکٹر بننا فرض کفایہ ہے اور آج کے دور میں طبی دنیا نے جس قدر علمی ترقی کی ہے وہاں تک پہنچنا اور اس فن کو مزید ترقی دینا فرض کفایہ ہے تاکہ مریضوں کا علاج کیا جاسکے اور جو امراض اور علاج قرار دیئے گئے ہیں ان کا علاج ان نصوص کی روشنی میں تلاش کیا جاسکے جن میں بتایا گیا ہے کہ موت کے علاوہ ہر مرض کا علاج ہے۔

محاسب بننا فرض کفایہ ہے ان دنوں علم حساب نے ترقی کی ہے اور یہ مستقل فن اور پیشہ کے طور پر متعارف ہے اس لئے سی اے (CA) کا کورس کرنا فرض کفایہ ہے۔

کاشتکاری بھی فرض کفایہ میں داخل ہے، انگریزی کلچر نے بھی خاصی ترقی کی ہے اس لئے اس فن کی مہارت بھی بطور فرض کفایہ مطلوب ہے۔

حیاکہ: کپڑا بننا یہ ایسا پیشہ ہے جس کی کئی قسمیں اور مراحل ہیں گھر کے پاورلوم سے لے کر بڑے بڑے کارخانے اسی مقصد کے لئے مشغول عمل ہیں، اور ٹکسٹائل انڈسٹری وجود میں آچکی ہے اس کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے والے نصاب اور کورس کا مکمل کرنا اور ایسی مہارت حاصل کرنا کہ مارکیٹ کی مطلوبہ مانگ کے مطابق ڈیزائن وتیاری کو ممکن بنانا اور مارکیٹ پر چھا جانے کی لیاقت پیدا کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔

دنیاوی ان تمام علوم میں جن کی انسانیت کو ضرورت ہے مہارت وحذاقت پیدا کرنا اور اس کی اعلی تعلیم حاصل کرنا دنیا بھر کے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، خصوصا ہندوستان میں مسلمانوں کے معاشی معیار کو بلند کرنے اور ملک کی تعمیر وترقی میں حصہ لینے بحیثیت امت مسلمہ کے اجاگر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مسلم نسل کو دنیاوی علوم کی اعلی تعلیم دی جائے اور فرض عین

سے غفلت نہ برتی جائے۔

امام غزالی نے علم کی دوقسمیں کی ہیں: ایک فرض عین جو اعتقاد، فعل اور ترک کے اعتبار سے ہر مسلمان پر لازم ہے یعنی اللہ کے وجود کا اعتقاد رکھنا، اس نے جس کام کے کرنے کا حکم دیا ہے اس کو کرنا اور جس سے منع کیا ہے اس کو ترک کرنا۔

اور دوسری قسم فرض کفایہ ہے یہ وہ علم ہے جو دنیا کے نظام کو درست رکھنے کے لئے ضروری ہے اس سے کوئی چارہ کار نہیں ہے جیسے طب، اس لئے کہ وہ بدن کو باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے اور جیسے حساب کہ وہ معاملات وصایا اور میراث کی تقسیم کے لئے ضروری ہے (الاحیاء ۱/۱۵)۔

امام غزالی کے نزدیک تعلیم کی سب سے اعلیٰ غرض وغایت اللہ تعالیٰ اور اس کے امر ونہی کی معرفت ہے، اس لئے کہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری اس کی معرفت پر موقوف ہے اور ان میں سے جن کا تعلق دنیا کے علوم سے ہے جن کو زندگی کی بقا میں دخل ہے، وہ بھی ضروری ولازم ہوں گے، خواہ اصل ہوں یا خادم، یا تحسین وتزئین کرنے والے۔

اس مفہوم کی دوسری تعبیر علوم عالیہ اور علوم آلیہ ہے علم مقصود اور علم ذرائع دونوں کی تحصیل ضروری ہے۔

ابن خلدون کے نزدیک تعلیم ضروری ہے اس لئے کہ اس سے عقلی ملکہ پیدا ہوتا ہے جن کے ذریعہ انسان اپنے دین ودنیا کے امور میں تصرف کرتا ہے اسکی وجہ سے انسان حیوان سے ممتاز ہوتا ہے وہ مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''انسان کے لئے نفس ناطقہ صرف بالقوہ ہوتا ہے اور وہ پہلے پہل قوت سے فعل کی طرف علوم وادراکات کے محسوسات سے علاحدگی کے ذریعہ پھر اس کے بعد نظری قوت سے حاصل کردہ علوم کے ذریعہ منتقل ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ بالفعل ادراک اور عقل محض بن جاتا ہے اس وقت وہ ایک روحانی ذات میں تبدیل ہوجاتا ہے، اور اپنے وجود کی تکمیل کرلیتا ہے، لہذا یہ ضروری ہے کہ علم ونظر کی ہر قسم سے اسے بحیثیت ایک بے مثال عقل کے

فائدے پہنچے، فنون ہمیشہ اس سے مستفاد ہوں اور اس کے ملکہ سے ایک ایسا علمی قانون ظہور میں آئے جو اس ملکہ سے مستفاد ہو (مقدمہ ابن خلدون/۳۵۹)۔

یہی وجہ ہے کہ بہتر تجربہ، فنی ملکات اور کامل تہذیب عقل کے لئے مفید ہیں، کیونکہ یہ ایسے امور کا مجموعہ نہیں جن میں تدبیر منزل اپنے ہم جنسوں کے ساتھ معاشرتی رویہ، ان سے ربط و تعلق کے طریقہ کا حصول، پھر امور دین کی انجام دہی، ان سے متعلق آداب و شرائط سب شامل ہیں، یہ سب کے سب ایسے قوانین ہیں جن سے علوم کی تشکیل ہوتی ہے اور ان کے ذریعہ عقل میں اضافہ ہوتا ہے (مقدمہ ابن خلدون/۳۵۹)۔

ابن خلدون کی یہ تشریح تحصیل علوم کا ایک جامع منصوبہ پیش کرتی ہے یہ واضح حقیقت ہے کہ اسلام نے ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے علم کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہے پھر علم کی فرضیت دوطرح کی بتائی گئی ہے ایک فرض عین دوسری فرض کفایہ دونوں کی تفصیلات کی توضیح مشہور علماء اسلام کی تحریروں کے ذریعہ کی گئی۔

البتہ علم کے باب کی موجودہ صورت حال طرح طرح کی مشکلات پیدا کررہی ہے عملی طور پر علم کی دوئی کے فلسفہ کو قبول کرلیا گیا ہے کہ دینی تعلیم کے مراکز مستقل وہاں عصری علوم کا ذکر نہیں اور عصری تعلیم کے مراکز علاحدہ جہاں مبادیات دین سے بھی بے اعتنائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء اور دانشور کے دو طبقے وجود میں آئے اور دونوں کے مابین کشمکش شروع ہوئی اور جاری ہے۔

جبکہ ضرورت کا تقاضا یہ ہے کہ تعلیم کو دوئی سے محفوظ رکھا جائے دین کا وہ علم جس کا حصول ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے اس مقدار میں ہر مسلمان شہری کو یہ علم حاصل کرنے کے مواقع پیدا کئے جائیں۔

اس کے بعد فرض کفایہ علوم میں سے جس علم کا انتخاب طالب علم کے سرپرست یا خود طالب علم کرے یا منصوبہ بندی کے ذریعہ جن علوم کے ماہرین کی ضرورت ہو اس علم کا متخصص و

ماہر تیار کیا جائے۔

جب تک جامع منصوبہ بند تعلیمی نظام برپا نہیں ہوتا اس وقت تک دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے عصری علوم سکھانے کا نظم اس انداز میں کیا جائے گا کہ وہ مبادیات سے واقف ہوسکیں تاکہ احوال زمانہ سے بھی وہ باخبر رہ کر دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں۔

عصری علوم حاصل کرنے والوں کے لئے دینی علوم کے مبادیات واصول سکھانے کا انتظام کیا جائے، تاکہ معرفت الہ انہیں حاصل ہو سکے اور عبادات کی انجام دہی ممکن ہو سکے۔

ملت اسلامیہ ہندیہ کا طاقتور تعلیمی بورڈ پورے ملک اور **ملت** کا نقشہ سامنے رکھ کر فیصلہ کرے کہ **ملت** کو کن علوم کے ماہرین کی کس مقدار میں ضرورت ہے اس کے مطابق دینی وعصری علوم کے ماہرین تیار کئے جائیں یہ **ملت** اسلامیہ ہندیہ کے ذمہ شرعی ذمہ داری ہے اور فرض کفایہ کی ادائیگی ہے۔

۲- اسلامی شریعت نے سود کو معاشرے میں برپا کرنے والی تباہ کاریوں کی بنیاد پر حرام قرار دیا ہے، جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے، اور محقق علماء بینک کے سود کو بھی سود اور ربا کا مصداق مانتے ہیں۔

البتہ فقہاء نے بوقت ضرورت سودی قرض لینا جائز قرار دیا ہے (دیکھئے: جدید فقہی مسائل ۱/۴۱۶)۔

علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

”ویجوز للمحتاج الإستقراض بالربح“ (الاشباہ والنظائر ۱۱۵) (ضرورت مند کے لئے نفع کے ساتھ قرض حاصل کرنا درست ہے)۔

فقہاء نے ضرورت مند کے لئے سود پر قرض لینے کی اجازت دی ہے اور ضرورت میں کھانا، کپڑا اور مکان شمار کیا ہے۔

جب شخصی ضرورت کے لئے سود پر قرض لینے کی گنجائش رکھی ہے تو ہم صورت مسئلہ کو

سامنے رکھ کر چند امور کی صراحت کریں گے:

۱- انسان کی زندگی کے لئے تعلیم سب سے بڑی ضرورت ہے جو کھانا کپڑا اور مکان سے زیادہ ضرورت ہونے میں فائق ہے روٹی کپڑا مکان ایک وقتی ضرورت ہے تو تعلیم دائمی ضرورت ہے۔

۲-اعلی عصری تعلیم کا تعلق جہاں فرد سے ہے وہیں اس کا تعلق معاشرہ، سماج اور اجتماعیت سے ہے۔

۳-مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی ترقی وتنزلی میں تعلیم کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

امور بالا کے پیش نظر مسلم طالب علم جو اعلی عصری تعلیم کے لئے کوشاں ہے اور غربت و افلاس کے باعث وہ بینک سے سود پر قرض لینا چاہتا ہے تو خود اس طالب علم کی ضرورت اور امت اسلامیہ ہندیہ کی اجتماعیت کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے اجازت ہونی چاہئے۔

پھر تعلیم کے لئے بینک سے سودی قرض لینے میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ملک کے ہر شہری کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے جب حکومت اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوتی اور بینک سے تعلیمی قرض دے رہی ہے تو طالب علم اسے اپنا حق سمجھ کر لے سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود قرض کو سودی سمجھتے ہوئے بر بنائے ضرورت جائز سمجھے (مزید وضاحت کے لئے دیکھئے: جدید فقہی مسائل، ص ۴۱۷)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ لکھتے ہیں:

''اس معاملہ کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ جزوی رقم کو جو سود کے نام سے لی جاتی ہے حقیقت میں وہ سود نہیں ہے بلکہ اس طریقہ کا انتظام ٹھیک رکھنے والوں کی اجرت میں اور جو سامان وغیرہ اس پر خرچ ہوتے ہیں یا درکار ہوتے ہیں ان کی قیمت میں لی جاتی ہے جس سے انتظام میں سہولت رہتی ہے'' (نظام الفتاوی، ص ۲۶۴)۔

فقہاء و مفتیان کرام کی ان عبارتوں سے مسئلہ کی تصویر سامنے آتی ہے چونکہ عالمی نظام

سودی بینک سے اس طرح جڑا ہوا ہے کہ سر دست اس سے چھٹکارا کی کوئی صورت نہیں ہے، اس لئے اس میں رائج سودی نظام کو صراحتا سود ماننا اور حرام گردانا مقاصد شریعت کا تقاضا ہے ضرورت کی بنیاد پر جواز کا فتوی دینا بھی تقاضائے شریعت ہے۔

تعلیمی قرض لینے والا اس قرض کو جو سود پر لے رہا ہے اسے سروس چارج یا اجرت خدمت پر محمول نہ کرے بلکہ سود ہی سمجھے اور ضرورت کی بنیاد پر لینا درست سمجھے، اسی کے ساتھ غیر سودی نظام معیشت کو رواج دینے کے لئے حسب استطاعت کوشاں رہے۔

۳- اس اسکیم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، تفصیلات جواب ۲ میں گذر گئیں۔

۴- فقہاء نے نفقہ کے باب میں بالغ لڑکے کا نفقہ والد کے ذمہ نہیں رکھا ہے، ہدایہ میں ہے: "و نفقة الأولاد الصغار علی الأب" (ہدایہ ۲/ ۴۴۴)۔

اس لئے اگر طالب علم صاحب استطاعت نہیں ہے اور باپ صاحب استطاعت ہے تو فقہی اور قانونی طور پر یہ طالب علم تعلیمی قرض لینے کا مستحق ہے، کیونکہ اس کے نان ونفقہ کا ذمہ دار اس کا والد نہیں ہے۔

لیکن اخلاقی طور پر باپ جو صاحب استطاعت ہے اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے بیٹے کی اعلی تعلیم کا بندوبست کرے، اور معاشرے میں اخلاقی صورت رائج بھی ہے باپ بیٹے کی اعلی تعلیم کے لئے فکرمند رہتا ہے تو اس صورت میں بیٹے کو بینک کے سودی قرض سے بچائے۔

قرض کے جواز وعدم جواز کا تعلق طالب علم کے اپنے ذاتی احوال کے اعتبار ہی سے ہوگا۔

۵- طالب علم اور اس کے والد کے صاحب استطاعت ہونے کے باوجود اپنا پیسہ اعلی تعلیم کے مد میں صرف نہیں کرنا چاہتے بلکہ تعلیمی قرض بینک سے لینا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے حالات کا تجزیہ خود کرنا ہوگا، اگر اپنی رقم کو محصولات وٹیکس سے بچانا مقصود ہو یا اصل پونجی ظاہر کرنے کی صورت میں مضرات وخطرات کا سامنا ہو تو تعلیمی قرض لینا درست ہوگا۔

عام حالات میں صاحب استطاعت ہوتے ہوئے سودقرض لینا درست نہیں ہوگا،''الضرورة تقدر بقدر الضرورة''۔

☆☆☆

اعلی عصری علوم اور قرض کا حصول

مولانا محمد ممتاز خاں ندوی ☆

۱-جدید اعلی تعلیم کے سلسلہ میں شریعت کا نقطہ نظر:

علم کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں: ۱-علم دینی، ۲-علم دنیوی۔

علم دینی:

علم دین ایک مسلمان کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے، بغیر علم دین کے آدمی کا مشیت خداوندی کے مطابق زندگی گذارنا مشکل ہے، سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی اس کا تعلق علم سے ہی ہے۔

''إقرا باسم ربک الذی خلق......الخ'' (سورۂ علق: ۱-۵) ((اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو، جس نے (عالم کو) پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا)۔

سورہ زمر میں ہے: ''قل هل يستوی الذين يعلمون والذين لا يعلمون'' (سورۂ زمر: ۹) (کہو، بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں، اور جو نہیں رکھتے ہیں، دونوں برابر ہو سکتے ہیں)۔

سورۂ طہ میں ہے: ''قل ربی زدنی علما'' (طہ: ۱۱۴) (اور دعا کیا کرو کہ میرا پروردگار

☆ مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور، رائے بریلی۔

مجھے اور زیادہ علم دے)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے علم دین کے حصول پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور اتنے علم کا سیکھنا جس سے وہ بہ آسانی احکام خداوندی کو بجالائے فرض قرار دیا ہے، **طلب العلم فریضة علی کل مسلم** (ابن ماجہ: باب فضل العلم والحث علی طلب العلم) (علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)، ارشاد نبوی ہے:

"**من سلک طریقا یلتمس فیه علما سهل الله له طریقا إلی الجنة**" (مسلم: فی کتاب الذکر والدعاء: باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن) (جو علم کے راستہ میں نکلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں)، آپ ﷺ نے فرمایا: "**فضل العالم علی العابد کفضلی علی من أدناکم ثم قال رسول الله ﷺ: إن الله وملائکته وأهل السموات والأرضین حتی النملة فی حجرها وحتی الحوت لیصلون علی معلم الناس**" (ترمذی العلم: باب فضل الفقہ علی العبادۃ)۔ (عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کم تر شخص پر، بے شک اللہ تعالیٰ فرشتے، آسمان، اور زمین والے، یہاں تک کہ چونٹیاں اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں لوگوں کو خیر سکھانے والے کے لئے دعا کرتی ہیں)، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: "**من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل الله حتی یرجع**" (ترمذی العلم: باب فضل طلب العلم) (جو علم کی طلب میں نکلتا ہے تو وہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے یہاں تک کہ لوٹ آئے)۔

علم دنیوی:

علماء کرام اور اسلام نے علم دنیوی کو شجر ممنوعہ نہیں قرار دیا ہے، بلکہ عالم دنیوی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، اور ان کی توصیف فرمائی ہے، البتہ دنیوی علوم فرض، واجب کے دائرہ میں تو نہیں بلکہ ان کی حیثیت فضیلت اور تطوع کی ہوگی، ایک شخص علم دینی جو اس کے لئے ضروری ہے نہ سیکھے تو گنہگار ہوگا، لیکن اگر علم دنیوی مثل علم طب، سائنس، انجینئرنگ وغیرہ نہ سیکھے تو گنہگار نہیں

ہوگا،علم دنیوی کے سلسلہ میں کچھ دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

۱-سنن ابوداؤد کی روایت ہے:"عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله ﷺ قال: العلم آية محكمة أو سنة قائمة أو فريضة عادلة وما سوى ذلك ذلک" (رواہ ابوداؤد)۔

(عبداللہ ابن عمرو سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم کی تین قسمیں ہیں: آیت محکمہ، سنت قائمہ، فریضہ عادلہ یعنی وراثت کی منصفانہ تقسیم، اس کے علاوہ فضیلت اور تطوع کی چیزیں ہیں)۔

اس حدیث کے ذیل میں صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں:"وما كان سوى ذلك كعلم العروض والطب والهندسة والهيئة والميقات فهو فضل" (مرقاۃ ۱/۳۵۶)

(اور جو علوم ان کے علاوہ ہیں، جیسے علم عروض اور علم طب، انجینئرنگ، اور علم نجوم، تو ان کی حیثیت تطوع اور فضیلت کی ہوگی)۔

۲-ہندیہ جو فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف ہے، اس میں ہے:

علم کا طلب کرنا فرض ہے، اور جس علم کی ایک آدمی کو ضرورت پڑتی ہے، اس کا سیکھنا فرض ہے، جیسے وضو اور نماز کے احکام، نماز اور شرعی چیزوں کا علم، رہا معاشی امور کا علم اور اس کے علاوہ چیزوں کا علم تو یہ فرض نہیں ہے، تو اگر کوئی ان علوم کو سیکھے، تو افضل ہے، اور اگر کوئی ان کو چھوڑ دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اسی طرح سراجیہ میں ہے (ہندیہ ۵/۳۷۷)۔

۳-حضرت علی نے فرمایا:"العلوم خمسة، الفقه للاديان والطب بالابدان والهندسة للبنيان والنحو للسان والنجوم للزمان" (مفتاح السعادۃ ۱/۲۶۷)۔

(مقصدی علوم پانچ ہیں: فقہ مذہب کو سمجھنے کے لئے، طب جسمانی علاج کے لئے، انجینئرنگ تعمیر کے لئے، قواعد نحو زبان دانی کے لئے، اور علوم نجوم وقت کی تحقیق کے لئے)۔

۵-حضرت امام شافعیؒ سے نقل کیا گیا ہے:"العلم علمان علم الفقة للأديان

وعلم الطب للأبدان" (مفتاح السعادة ۱/۲۶۷)۔

(علم دوطرح کے ہیں: ایک فقہ کا علم ہے مذاہب کو جاننے کے لئے، اور دوسرا طب کا علم ہے جسموں کے علاج کے لئے)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم دین جو ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے، اس کے حصول کے بعد علم دنیوی کا حصول افضل اور تطوع کے درجہ میں ہے، ہمارے اسلاف نے علم دنیوی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، اور اس کی توصیف فرمائی ہے۔

جدید اعلیٰ تعلیم میں مسلمانوں کا رویہ:

اتنا دینی علم جو ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے، اس کو حاصل نہ کر کے جدید علوم کی طرف توجہ دینا جائز نہیں ہے، اور یہ چیز مسلمان کے لئے زہر آلود ہے، حضرت مولانا عبد الرحیم لاجپوری فرماتے ہیں:

"دینی تعلیم سے اعراض کر کے اور دینی مدارس کو چھوڑ کر دنیوی تعلیم میں منہمک ہوجانا اچھا نہیں ہے، خدائے پاک کو ناراض کرنے کے مرادف ہے، قرآن پاک میں ہے: "بل تؤثرون الحياة الدنيا و الآخرة خير و أبقى" (بلکہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ دنیا کے مقابلہ آخرت اچھی اور سدا باقی رہنے والی ہے) (فتاوی رحیمیہ ۳/۴۵-۴۶)۔

لیکن علم دین جو ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے، اس کے حصول کے بعد دنیوی علوم مثلاً سائنس، طب، انجینرنگ، وغیرہ کی تعلیم فضیلت اور تطوع کے درجہ میں ہوگی بلکہ چونکہ یہ دور سائنس اور ٹکنالوجی کا ہے، دنیوی علوم سے ناواقفیت سے ایک شخص زندگی کے میدان میں پیچھے سمجھا جاتا ہے، اور تصور کیا جاتا ہے کہ ایسا شخص زمانہ کی رفتار کے ساتھ نہیں چل سکتا ہے، اور ایسا شخص دوسری قومیں جو جدید اعلیٰ تعلیم میں معراج کو پہنچی ہوئی ہیں، احساس کمتری کا شکار رہتا ہے۔

اس وجہ سے ایک مسلمان کے لئے جدید اعلیٰ تعلیم کا حصول بھی ضروری ہوگا، تاکہ

مسلمان زندگی کے میدان میں پیچھے نہ رہے، اور احساس کمتری کا شکار نہ ہو، اور اس کے معاش کا مسئلہ بھی کسی قدر حل ہوجائے۔

۲-جدید اعلی تعلیم کے حصول کے لئے بینک کا قرض، شرعی نقطۂ نظر:

احقر کی رائے اس سلسلے میں یہ ہے کہ جدید اعلی تعلیم کے حصول کے لئے بینک کے قرض جس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ ہر سال میں اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم دینی ہوگی، اس کو سروس چارج پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ اس قرض میں سود کی تعریف صادق آرہی ہے، پہلے ہم ربا (سود) کی تعریف کرتے ہیں تا کہ اصل مسئلہ سمجھنے میں ہی آسانی ہو۔

۱-علامہ شامی نے ربا کی تعریف بایں الفاظ کی ہے:

''شرعاً: فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بمال'' (ردالمحتار ۴/۱۹۶)

(مال کے مال سے معاوضہ کے وقت بلاعوض زائد مال)۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''کل قرض جر نفعا حرام إذا کان مشروطا'' (ردالمحتار ۴/۱۹۴) (ہر وہ قرض جو نفع لائے حرام ہوگا، بشرطیکہ وہ مشروط ہو)۔

مذکورہ تمام تعریف کا حاصل یہ ہے کہ بغیر عوض اصل رقم کے ساتھ مزید رقم کی ادائیگی کی شرط ربا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بینک طالب علم کو اعلی تعلیم کے حصول کے لئے جو قرض دے رہا ہے، اور ہر سال اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم کی ادائیگی کی شرط لگا رہا ہے، یہ سود ہے، اور سود خواری کی نفسیات یہی رہی ہے کہ پہلے قرض دو تا کہ لوگ ہنسی خوشی نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر اسے لے لیں، اور جب وقت پر ادا نہ کرسکیں تو زائد ادائیگی کی شرط پر مہلت دے دو، زمانہ جاہلیت میں ربا کا یہی طریقہ زیادہ مروج تھا، جسے ربا نسیہ سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

''ثم اذا حل الدین طالبوا المدیون برأس المال، فان تعذر علیه الأداء

زادوا في الحق والأجل فهذا هو الربا الذى كانوا فى الجاهلية يتعاملون به'' (تفسیر کبیر ۷/۹۱)۔

(پھر جب دین کی ادائیگی کا وقت آ جاتا ہے، تو قرض دینے والے اصل رقم کی واپسی کا مطالبہ کرتے، اب اگر اس کے لئے ادا کرنا مشکل ہوتا تو رقم میں بھی اضافہ کر دیتے، یعنی زائد رقم کا مطالبہ کرتے، اور مہلت بھی دیتے، ربا کی یہ صورت ہے جو زمانہ جاہلیت میں مروج تھا)۔

اس لئے حقیقت یہ ہے کہ سرکاری بینک سے قرض پر لی جانے والی زائد رقم سود میں داخل ہے، اور سود کا لینا بھی حرام ہے، اور دینا بھی۔

اگر بینک سالانہ اضافہ نہ کر کے قرض دیتے وقت یک لخت حساب لگا کر ٹھیک ٹھیک کچھ رقم دفتری کاغذات، قلم، دوات اور دیگر امور کی انجام دہی کے لئے متعین کر دے خواہ وصولی قسط وار کی جائے، اس کو سروس چارج پر محمول کیا جا سکتا ہے، اس کی تائید درمختار کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

''يستحق القاضي الأجر على كتب الوثائق أو المحاضر أو السجلات قدر ما يجوز لغيره كالمفتي'' (درمختار مع الرد ۹/۱۲۷)۔

(قاضی وثیقہ لکھنے اور محضر وغیرہ کے لکھنے پر اس قدر اجرت کا مستحق ہوگا، جو دوسرے کو جیسے قاضی کو دی جاتی ہے)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کی اس عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

''قرض جاری کرنے اور اس کا حساب کتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں، بینک کے لئے اپنے قرض داروں سے بطور ''سروس چارج'' کے ان کو وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے جو اس منصوبہ پر قرض کے اجراء کے لئے پیش آئے ہیں'' (فقہی مقالات ۱/۲۷۰)۔

۳-طالب علم جس کی معاشی حالت کمزور ہے جدید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے بینک سے قرض لینا:

پہلے بیان کیا گیا ہے کہ بینک کا قرض یہ سودی قرض ہے، سودی قرض عام حالات میں لینا جائز نہیں ہے، بلکہ فقہاء کرام نے ضرورت وحاجت کے وقت سودی قرض کی اجازت دی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت، حاجت کی تعریف کردی جائے، علامہ حموی نے فتح القدیر کے حوالہ سے پانچ درجے قائم کئے ہیں، اور ہر ایک کی تعریف کی ہے: ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول۔

۱-ضرورت: یہ ہے کہ اگر ایک شخص ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے گا، تو وہ ہلاک یا قریب الموت ہوجائے گا، یہی صورت اضطرار کی ہے، اس حالت میں حرام اور ممنوع چیز کا استعمال (چند شرائط کے ساتھ) جائز ہوجاتا ہے۔

''فالضرورة بلوغه حدا إن لم يتناول الممنوع هلک إذا قاربه وهذا يبيح تناول الحرام'' (غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر ۱/ ۲۷۷)۔

۲-حاجت: یہ ہے کہ اگر وہ ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو ہلاک تو نہیں ہوگا، مگر مشقت اور تکلیف شدید ہوگی، یہ صورت اضطرار کی نہیں، ایسی حالت میں بہت سے احکام میں رعایت اور سہولت رکھی گئی ہے:

''والحاجة كالجائع الذى لو لم يجد ما يأكله لم يهلک غير أنه يكون فى جهد ومشقةوهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر فى الصوم'' (ایضا)۔

۳-منفعت: یہ ہے کہ کسی چیز کے استعمال کرنے سے اس کے بدن کو فائدہ پہنچے گا، لیکن نہ کرنے سے کوئی سخت تکلیف یا ہلاک کا خطرہ نہیں، جیسے عمدہ قسم کے کھانے، اور مقوی غذائیں، اس حالت کے لئے نہ کوئی حرام حلال ہوتا ہے، نہ روزہ افطار جائز ہوتا ہے، مباح اور جائز طریقوں سے یہ چیزیں حاصل ہوسکیں تو استعمال کرے، اور نہ حاصل ہوسکیں تو صبر کرے۔

"و المنفعة کالذی یشتھی خبز البر و لحم الغنم و الطعام دسم" (ایضا)۔

زینت: جس سے بدن کوکوئی خاص تقویت بھی نہیں، محض تفریح خواہش ہے، ظاہر ہے اس کام کے لئے کسی ناجائز چیز کے جائز ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

"و الزینة کالمشتھی الحلوی و السکر" (ایضا)۔

فضول: وہ ہے جو زینت مباح کے دائرہ سے بھی آگے محض ہوس ہو، اس کا حکم بھی ظاہر ہے کہ اس کے لئے احکام میں کوئی رعایت ہونے کے بجائے، اس فضول کی مخالفت احادیث صحیح میں وارد ہے۔

جدید اعلی تعلیم کا حصول، اضطرار اس وجہ سے نہیں ہے کہ اگر جدید اعلی تعلیم حاصل نہ کی جائے، تو طالب علم نہ ہلاک ہوگا، اور نہ موت سے قریب ہوگا، اور نہ اعلی تعلیم کا حصول حاجت میں سے ہے، کیونکہ اگر اعلی تعلیم حاصل نہ کی جائے تو شدید تکلیف میں مبتلا نہیں ہوگا۔

۴-باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے لڑکے کے صاحب استطاعت ہونے کا مسئلہ:

باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے لڑکا جس کے پاس کچھ مال نہیں ہے، کیا وہ صاحب استطاعت سمجھا جائے گا۔

فقہ کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر باپ صاحب استطاعت ہے، اور لڑکا نابالغ ہے تو باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے نابالغ لڑکا بھی صاحب استطاعت سمجھا جائے گا، اور اگر لڑکا بالغ ہے، تو باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے بالغ لڑکا صاحب استطاعت نہیں سمجھا جائے گا، اس سلسلہ میں کچھ دلائل ملاحظہ فرمائیں:

۱-درمختار میں ہے:"و لا إلى طفله بخلاف ولده الکبیر" (درمختار مع الرد ۴/۴۷)۔

اور باپ اپنے نابالغ بچہ کو زکوۃ نہیں دے سکتا، البتہ اپنے بالغ لڑکے کو زکوۃ دے سکتا ہے۔

علامہ شامی نے اس پر یہ نوٹ چڑھایا ہے:

''إن الطفل يعد غنيا بغني أبيه بخلاف الكبير فانه لايعد غنيا بغني أبيه'' (شامی ۲/۷۴)۔

(بے شک بچہ اپنے والد کی مالداری کی وجہ سے مال دار سمجھا جائے گا، برخلاف بالغ لڑکے کے یہ باپ کی مالداری سے مال دار نہیں سمجھا جائے گا)۔

۲-ہندیہ میں ہے: ''ولو كان كبيرا فقيرا جاز'' (ہندیہ ۱/۱۸۹)۔

اگر بالغ لڑکا فقیر ہو تو باپ لڑکے کو زکوۃ دے سکتا ہے۔

بالغ لڑکا باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے اگر وہ فقیر ہے تو وہ صاحب استطاعت تو نہیں سمجھا جائے گا، لیکن اس کے لئے بینک کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ سودی قرض ہے، جیسا کہ واضح کیا گیا کہ سودی قرض بغیر ضرورت اور حاجت کے جائز نہیں ہے، اور اعلی تعلیم کا حصول یہ نہ ضرورت میں ہے اور نہ حاجت ہی ہے۔

۵-طالب علم یا والد کے صاحب استطاعت ہونے کے باوجود بینک سے سودی قرض لینا:

سوال نمبر ۲ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ بینک جو اعلی تعلیم کے لئے قرض دیتا ہے یہ سودی قرض ہے اور سودی قرض بغیر ضرورت اور حاجت کے جائز نہیں ہے، اس میں طالب علم یا والد کے صاحب استطاعت ہونے یا نہ ہونے کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض اور احکام

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری ☆

۱- تعلیم وتربیت دراصل انسانی معاشرہ کو بامقصد زندگی کی طرف گامزن کرنے اور اس کے مختلف عناصر کو مقصدیت کی روح سے آشنا کرنے اور انسانی وحدت کے وسائل کو صحیح طریقہ سے استعمال کرنے کی ایک مثبت کوشش کا نام ہے، تاکہ کسی بھی معاشرہ کے افراد میں بلاتفریق ذمہ داری کا صحیح احساس پورے توازن کے ساتھ پایا جائے، اور یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں ہے کہ سب سے پہلے اسلام نے تعلیم وتربیت کی بنیاد پر انسانی معاشرہ کو تعمیر کیا اور حضور ﷺ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی میں تعلیم وتربیت کی حقیقت کو براہ راست نہایت صراحت کے ساتھ بیان فرمایا اور سورۂ علق کی پہلی آیتوں میں تعلیم وتربیت اور اس کے وسائل کا ذکر یوں کیا گیا: ''اقرا باسم ربک الذی خلق......الخ'' (سورۂ علق ۱-۵)۔

چنانچہ نبوت کی بنیاد بھی تعلیم پر قائم کی گئی اور خلافت کی بلند وبالا عمارت علم کے اتیاز پر قائم ہوئی، اسلامی تہذیب وثقافت کا دارومدار علم پر ہے اور دنیا کی سیادت وقیادت بھی علم کے بغیر ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ عہد اسلامی کے ابتدائی دور میں صفہ کی درس گاہ قائم ہوئی، یہ وہی صفہ تھا جسے حضور ﷺ نے اپنے اصحاب کی تعلیم وتربیت کے لئے قائم فرمایا تھا، اور اسی صفہ میں آپ ﷺ نے انہیں ایسے علوم وفنون اور علمی حقائق و اکتشافات سے آراستہ کیا تھا جو تمام علمی میدانوں میں بعد میں آنے والے فقہاء ومحدثین اور محققین، اصحاب علم وفضل کا بنیادی مرجع اور

☆ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھروارہ، دربھنگہ۔

مرکزی محور رہا۔ اس درسگاہ میں تربیت پانے والے علماء محققین فقہاء ومحدثین کے عمیق مطالعہ اور طویل تحقیقات وتجربات سے علم کا میدان وسیع ہوا اور اس کے مختلف شعبوں ریاضیات، فلکیات، طب، طبیعات، جغرافیہ، فن تعمیر، سمندر، جہاز رانی کے بڑے بڑے یکتائے زمانہ اہل علم پیدا ہوئے اور اسی علمی ترقی نے یورپ کے ظلمت کدوں کو روشن کیا اور ان کے دل ودماغ اور علم کی اہمیت وضرورت، سائنسی دریافت اور کائنات کے آثار واسرار میں تحقیق وتدبر کے لئے تیار کیا۔

۱۔عصر حاضر میں علوم عصریہ ''سائنس وٹکنالوجی کی تعلیم''۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ تعلیم کسی بھی قوم کی باعزت زندگی کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے، انفرادی طور پر بھی تعلیم ایک اہم ضرورت ہے اور اجتماعی حیثیت سے بھی، مذہب اسلام صرف دینی تعلیم ہی پر تکیہ کرنے کو نہیں کہتا بلکہ ہر نافع علم کی تحصیل کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اس کے حصول کی ترغیب دیتا ہے۔

حضور ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان کی تعلیم کی تحصیل کے لئے حکم فرمایا تھا:

خارجہ بن زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ زید بن ثابتؓ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کی تحریر سیکھنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ کی قسم مجھ کو یہودیوں پر بھروسہ نہیں ہے، کہ وہ میری طرف سے درست لکھے، زید بن ثابتؓ نے ارشاد فرمایا کہ آدھا مہینہ نہیں گزرا تھا کہ میں نے یہودیوں کی تحریر خوب اچھی طرح سیکھ لی پھر جب آپ ﷺ کچھ لکھوانا چاہتے تھے تو میں ہی آپ کا مکتوب لکھتا تھا، اور جب کہیں سے آپ ﷺ کے پاس کوئی مکتوب آتا تو میں ہی اس کو پڑھتا تھا (ابوداؤد ۲/ ۵۱۳، کتاب العلم باب فی فضل العلم، بذل المجہود ۱۵/ ۳۳۳)۔

''العلم علمان علم الأديان وعلم الأبدان'' (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۲۳۵، کشف الخفاء للعجلونی ۲/ ۸۹)۔

علم کی دو قسمیں ہیں: علم دین، بدن کا علم (میڈیکل کا علم)۔

امام غزالی احیاء علوم میں حضرت علی کا قول نقل کرتے ہیں:

علوم پانچ ہیں: علم فقہ دین کے لئے، علم طب میڈیکل کے لئے، جسم کے لئے، علم ہندسہ انجینئرنگ، تعمیر کے لئے، علم نحو زبان دانی کے لئے، اور علم نجوم وقت کے لئے۔

حضرت امام شافعی کا قول ہے:

''العلم علمان علم الطب للأبدان وعلم الفقه للأديان'' (مفتاح السعادة ۱/ ۲۶۷)۔

(علم دو قسم کے ہیں، علم طب جسم کے لئے اور علم فقہ دین کے لئے)۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلف صالحین جدید علوم وفنون کے معاملہ میں کتنے وسیع النظر واقع ہوئے تھے اور اس کی تحقیق کرتے تھے، امام غزالی اپنے دور کے ان علماء پر تنقید کرتے تھے جو صرف فقہ پڑھنے پر اکتفا کرتے تھے اور دیگر علوم وفنون باطنی وطبی وغیرہ سے بے اعتنائی برتتے تھے۔

مسلمانوں کو دینی تعلیم کی طرح جدید علوم وفنون میں بھی دست گاہ اور مہارت حاصل کرنی ہوگی تا کہ مسابقت اور مقابلہ کے اس دور میں وہ دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہیں۔

''عن أبي هريره قال قال ﷺ: الكلمة الحكمة ضالة المؤمن حيث ماوجدها فهو أحق بها'' (ابن ماجہ ۲/ ۳۱۷)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی حکمت ودانش کی بات ہے وہ مومن کی ہی ہے جو اس کے پاس سے گم ہوگئی تھی جہاں بھی اس کو ملے وہ اس کو اسی شوق وجذبہ سے لے لے جیسے اس کی گم شدہ چیز مل گئی ہے کیونکہ اس گمشدہ چیز کے لینے کا زیادہ حقدار وہی ہے)۔

''اللهم إني أعوذبک من الأربع من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع

ومن نفس لا تشبع ومن دعاء لا يسمع''(ابن ماجہ ۲/ ۲۷۲ ابواب الدعاء باب دعاء رسول اللہ ﷺ)۔

(اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری چار چیزوں سے: ۱- اس علم سے جو فائدہ نہ دے، ۲- اور اس دل سے جو اللہ کے سامنے نرم نہ ہو، ۳- اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو، ۴- اور اس دعا سے جو سنی نہ جاوے)۔

قرآن مجید میں مختلف قوموں، پیغمبروں، بادشاہوں اور بعض دوسرے اشخاص کا تذکرہ ہے، شہروں، ملکوں، پہاڑوں، سمندروں کا ذکر بھی آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ، جغرافیہ، سیر اور انساب وغیرہ کا علم سیکھنا قرآن مجید کی رو سے ممنوع نہیں ہوسکتا، اسی طرح دوسرے سائنسی علوم وغیرہ۔

''عن جابر قال سمعت النبي ﷺ يقول: سلوا الله علما نافعا، وتعوذوا بالله من علم لا ينفع''(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳/ ۵۸۷)۔

(حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ سے علم نافع طلب کرو، اور اللہ تعالیٰ سے اس علم سے پناہ مانگو جو فائدہ نہ دے)۔

۲- سرکاری بینک عام معمول کے برخلاف تعلیمی قرضوں میں کم شرح سود لیتے ہیں اور یہ قرض زیادہ مدت کے لئے دیا جاتا ہے، نیز حکومت کا ادعا ہے کہ اس قرض سے مقصد نفع کمانا نہیں، تو حکومت کے اس بہ بانگ دہل کے باوجود اس کم شرح سود کو سروس چارج ''اجرت خدمت'' پر محمول ہرگز نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ سود ہی کہلائے گا، اگر حکومت یہ اعلان کرتی کہ جو رقم قرض تعلیمی مقاصد کی تکمیل کے لئے زیادہ مدت کے لئے دے رہی ہے اس کا مقصد نفع کمانا اور سود حاصل کرنا نہیں ہے، بلکہ قرض سے زیادہ مزید رقم جو حکومت وصول کرے گی وہ سروس چارج ''اجرت خدمت'' ہوگی، تو بلاشک وشبہ وہ سروس چارج ''اجرت خدمت'' پر محمول کیا جاسکتا تھا، مگر یہاں ربا ہی ربا ہے، کم ہو یا زیادہ سود ہے۔

۳- اگر ایک شخص اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے، یا وہ بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے معاشی حالات اس کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں تو ایسی صورت میں اس کے لئے اس تعلیمی قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

ابن نجیمؒ نے لکھا ہے: **"یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"** (الاشباہ والنظائر ۱/۲۹۴) (ضرورت مندوں کے لئے سودی قرض لینے کی گنجائش ہوتی ہے)۔

اصولیین کی اصطلاح میں حاجت ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر شریعت کے مقاصد خمسہ میں سے کسی مقصد کا وجود موقوف تو نہ ہو لیکن اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو مشقت اور حرج پیدا ہو جائے۔

یہ حاجات بعض اوقات "ضرورت" کے حکم میں تسلیم کی جاتی ہیں اور جیسے ضرورت کی بنا پر ناجائز بقدر ضرورت جائز ہو جاتا ہے، اسی طرح حاجت کی بنا پر فقہاء احکام میں سہولت پیدا کرتے ہیں (الموافقات ۳/۵)۔

۴- اگر خود طالبعلم کی معاشی حالت اس کی متحمل نہیں ہے لیکن اس کے والد اس کی صلاحیت رکھتے ہیں تو والد کو چاہئے کہ اپنے لڑکے کی تعلیمی مراحل کو آگے بڑھائیں جدید علوم وفنون اور سائنس وٹکنالوجی کی تعلیم وتربیت کی اہمیت کو سمجھیں اور اپنے لڑکے کو خوب اعلی تعلیم دلا کر آراستہ و پیراستہ کرنے میں کوئی عذر تنگ پیش نہ کریں۔

والد کے صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے لڑکے کو صاحب استطاعت نہیں سمجھا جائے گا، والد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے لڑکے کی تعلیمی مراحل کو آگے بڑھائے مگر والد اس کی طرف توجہ نہیں دیتا ہے تو پھر قرض کے جائز ہونے اور نہ ہونے کا تعلق لڑکے کے اپنے حالات سے ہوگا، اگر یہ لڑکا خود یقین کامل رکھتا ہے کہ اپنے تعلیمی مراحل کو آگے بڑھائے گا چاہے سودی قرض لے کر اپنی تعلیم کو اس کو پوری کرنے کی ضرورت پڑے، تب بھی اپنی تعلیم کو ضرور بلند وتکمیل

کر کے چھوڑوں گا، تو اس صورت میں اس لڑکے کے لئے بھی سودی قرض لینے کی شرعاً گنجائش ہوگی (تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے: اسلام اور جدید معاشی مسائل، ص ۸۶ تا ۸۸)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے آپ کو نقصان سے بچاؤ اور دوسرے کو بھی نقصان سے بچاؤ، جو شخص کسی کو تکلیف پہنچائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نقصان سے دوچار کردے گا، اور جو شخص کسی دوسرے سے مخالفت ودشمنی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو مشقت میں ڈال دے گا (دارقطنی ۳/۶۱، اسنادہ حسن: اخرجہ الحاکم فی المستدرک ۲/۵۸، عن عباس بن محمد وصححہ)۔

اسی حدیث سے یہ بات بھی الم نشرح ہوگئی کہ اپنے آپ کو زیور تعلیم سے لاتعلق رکھنا بھی اپنے آپ کو اور لوگوں کو اور مذہب اسلام کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے، اور یہ مجبور ہے تو شرعی نقطہ نظر سے الضرورات تبیح المحظورات کے تحت بدرجہ اولیٰ اس کو سودی قرض لے کر تعلیمی مراحل کو آگے بڑھانے کی اجازت ہے۔

۵- اگر طالب علم یا والد صاحب استطاعت ہوں، اس کے باوجود فی الحال تعلیم میں اپنا پیسہ نہ لگانا چاہیں تو اس صورت میں ان کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا شرعی نقطہ نظر سے کسی بھی حال میں جائز نہ ہوگا، درحقیقت ملک کے باشندوں کے لئے تعلیم کی فراہمی اصل میں حکومت کی ذمہ داری تھی، لیکن حکومت اس ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کرچکی ہے، تو اب خود ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم وتربیت پر دھیان دیں، اولاد ہمارے پاس خدائے تعالیٰ کی امانت ہے، ہمیں اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جو اس کی روحانی و جسمانی تربیت کے لئے ضروری ہے، بچہ کی پیدائش کی غرض سے حق تعالیٰ کی معرفت واطاعت ہے اور اس کی تربیت کا مقصد دین اور روحانیت کا حاصل کرنا ہے، اولاد کو چھوٹی اور معمولی باتوں کی تعلیم دینا اور ادب سکھانا ایک صاع ''ساڑھے تین کلوغلہ'' خیرات کرنے سے بہتر ہے، حضور ﷺ نے کا ارشاد ہے: "لان یودب الرجل ولدہ خیر لہ من أن یتصدق

بصاع“ (ترمذی۱۶/۲)(یعنی آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع غلہ خیرات کرنے سے بہتر ہے)، ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:”مانحل والد ولدا من نحل أفضل من أدب حسن“ (ترمذی۱۶/۲)(یعنی کسی والد نے اپنی اولاد کو نیک ادب سے افضل کوئی عطیہ عطا نہیں کیا)۔

☆☆☆

حصول علم کے لئے سودی قرض

مفتی احمد نادر القاسمی ☆

کیا حصول علم بنیادی ضرورت ہے؟

تعلیم حاصل کرنے کے لئے سودی قرض لینا خواہ حکومتی اداروں اور پرائیویٹ کمپنیوں کی طرف سے منظم طریقے پر یہ قرض فراہم کئے جانے کے انتظامات ہوں، یا کسی بھی بینک سے اتفاقی طور پر حاصل کرلیا جائے، یہ مسئلہ دراصل اس بات پر مبنی ہے کہ تعلیم حاصل کرنا انسان کی بنیادی ضرورت میں شامل ہے یا نہیں؟

جہاں تک خالص کتاب وسنت کی تعلیم کا تعلق ہے تو اس میں شک نہیں کہ ایمان باللہ کے بعد کتاب وسنت اور دین کی تعلیم اس حد تک ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے اندر ایمان و اسلام اور حرام وحلال کی پہچان پیدا ہوجائے۔

جہاں تک عصری تعلیم کا تعلق ہے تو اس کی حیثیت زندگی گذارنے کے لئے ایک فن اور آرٹ، نیز معاش ومعاد حاصل کرنے کے لئے ایک آلہ اور ہنر کی ہے، موجودہ سیاسی، سماجی، معاشی اور عالمی تناظر میں اس کی حیثیت حصول معاش کے لئے لازمی حرفت کی ہوگئی ہے۔

اگر اس پس منظر میں دیکھا جائے تب یہ بات موضوع بحث بھی بن سکتی ہے، اجتہادی طور پر اس سودی قرض کی اجازت اور عدم اجازت پر غور کیا جاسکتا ہے، اور اگر اسے صرف تعلیم کا

☆ رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا۔

نام دیتے ہیں تو پھر اس سودی قرض لینے کی خواہ ہم اس کا نام ''ایجوکیشنل لون'' رکھیں یا سودی قرض رکھیں اس پر گفتگو کی ضرورت نہیں ہے، ''أحل اللہ البیع و حرم الربوا'' خواہ کم ہو یا زیادہ اور کسی بھی نام سے لیا جائے۔

اس مختصری تمہیدی گفتگو کے بعد جوابات سپرد قلم ہیں:

۱-جدید اعلی تعلیم کا حصول:

شریعت اسلامی تعلیم وتعلم کے باب میں دنیوی اور اخروی دونوں اعتبار سے ''نافعیت'' کو اہمیت دیتی ہے، دنیوی اور دینی خانوں میں تعلیم کو تقسیم نہیں کرتی بلکہ اس علم کو فیوض وبرکات کے صلہ میں آخرت کی جوابدہی کو پیش نظر رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے جابجا علم نافع، رزق حلال اور عمل متقبل'' کی اللہ تعالی سے التجا کرنے کی تلقین کی ہے۔

حصول علم میں شریعت نے مقاصد کو ضرور سامنے رکھا ہے، اور مقاصد کی روشنی میں ہی آخرت میں اس کے اجر ملنے یا نہ ملنے کی بات آئی ہے، اگر کتب حدیث کے الفاظ پر غور کیا جائے تو اس کے عموم میں انسانی زندگی کو سنوارنے اور بہتر بنانے اور رشد وہدایت کی جانب رہنمائی کرنے، نیز صالح فکر کو پروان چڑھانے والے تمام علوم وافکار کو شامل ہے، اسی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو علم دوطرح کے ہوتے ہیں؛

الف-وہ علم جو معرفت الٰہی کا ذریعہ ہوا سے علم شرائع جیسے قرآن وسنت کا علم کہا جاتا ہے، اور اس کی اتنی جانکاری فرض ہے جس سے کہ انسان حرام وحلال اور دین کے واجبات و کلیات کو جان سکے۔

ب-وہ علوم جسے انسان نے براہ راست انبیاء سے اخذ نہیں کیا ہے بلکہ مرور ایام، کائنات کے مشاہدات اور تجربوں سے حاصل کیا ہے اور اسے تحریر وفن کے قالب میں ڈھالا ہے، اسے علوم عصریہ بھی کہا جاتا ہے، یہ علوم صرف اور صرف انسانوں کو راحت پہنچانے، یا ہلاک کرنے یا پھر انسان کو نفع پہنچانے والے مواد سے بحث کرتے ہیں، دوسرے الفاظ میں کائنات میں موجود

اشیاء ان کا محور ہیں، خالق کائنات سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں عصری علوم یہاں تک کہ طب وعلاج بھی صرف اور صرف حصول معاش سے مربوط ہو گئے ہیں، اور انہیں اعلی سے اعلی ملازمتوں کا ذریعہ بنادیا گیا ہے، اس لئے ان علوم کی حیثیت اب رزق کے وسائل کی ہوگئی ہے، زمانہ قدیم کے مقابلہ اس عہد میں معاشی جدوجہد بھی تبدیل ہوئی ہے، زمانہ قدیم میں ذرائع معاش صرف زرائتی شعبوں اور باغات تک ہی محدود تھے، مگر اب مختلف میدان ہو گئے۔

عصری علوم اور سیاسی برتری:

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موجودہ عہد میں عصری علوم جہاں معاشی برتری اور حصول رزق سے مربوط ہیں، وہیں سیاسی برتری کا بھی ذریعہ ہیں، اگر عصری علوم اور خاص طور سے جدید ٹکنالوجی میں مجموعی طور سے مہارت کے بغیر سیاسی برتری تو دور کی بات ہے، موجودہ اقوام کے ساتھ چلنا بھی دشوار ہے، اگر مسلمان شرعی علوم کے ساتھ عصری علوم جس کی حیثیت مباح علوم کی ہے اور دنیا نے اسے ضروری قرار دے رکھا ہے، حاصل نہیں کرتے تو نہ صرف یہ کہ وہ پوری دنیا سے کٹ جائیں گے بلکہ بے حیثیت ہو جائیں گے، اور مسلم قوم کا دنیا میں بے حیثیت ہونا اسلام کی عظمت کے منافی ہے، جو دعوت دین، تبلیغ شریعت اور رسالت اسلام کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بنے گا، اس لئے بھی عصری علوم سے بے اعتنائی اسلام کے روشن مستقبل کو متاثر کرسکتا ہے۔

نیز دنیا میں انسانوں کا یہ مزاج رہا ہے کہ انسان ہمیشہ یا تو اپنے سے بلند رتبہ انسان کی بات سنتا ہے یا پھر اپنے سے برابر کے آدمی کا، اگر مسلمان عصری علوم نہیں حاصل کریں گے تو دنیا ان کو اپنے سے کم تر محسوس کر کے ان کے حوالہ سے اسلام کی دعوت کو نظر انداز کر دے گی، نیز یہ کہ عصری علوم کا بہت بڑا حصہ وہ ہے جس کی رہنمائی کتاب وسنت میں بھی دی گئی ہے، جیسے سیاست و خلافت، زراعت، معدنیات وغیرہ، ظاہر ہے کہ کتاب وسنت میں کسی چیز کا بیان ہونا، اس کا شرعی ہونا ہے، اس لئے بعض علوم جو اس وقت عصری کہلاتے ہیں وہ شرعی بھی ہیں۔

۲-سود کی کم شرح اور سروس چارج:

بینکوں کا عام ضابطہ یہ ہے کہ وہ کھاتہ داروں سے سروس چارج (اجرت خدمت) سالانہ علاحدہ سے وصول کرتا ہے، یا پھر کھاتہ باقی رکھنے کے لئے، ایک متعین رقم کو بینک میں چھوڑے رکھنے کو لازمی قرار دیتا ہے، اور وہ اس رقم کو سود پر لگا کر سود حاصل کرتا رہتا ہے، اور الگ سے کوئی اضافی رقم نہیں لیتا۔

لیکن جو رقم بینک قرض دیتا ہے ہر حال میں اس پر سود کی شکل میں اضافی رقم وصول کرتا ہے، خواہ اس کی شرح جو بھی ہو، حکومت اور بینک کا یہ دعوی کہ اس کا مقصد نفع کمانا نہیں ہے، یہ بات درست نہیں ہے، اگر نفع کمانا نہیں ہے تو پھر کم یا زیادہ اضافہ رقم لی کیوں جارہی ہے؟

سود کی جو تعریف فقہاء نے کتاب وسنت کی روشنی میں کی ہے، اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ چونکہ حدیث میں ''الفضل ربا'' آیا ہے جو مطلق زیادتی کے لئے بولا جاتا ہے، اس لئے اس پر بھی ربا محرم کا حکم لگےگا، اسے اجرت عمل کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے۔

ہاں رقم دینے سے پہلے کاغذات وغیرہ پر کرنے کی کوئی فیس بینک وصول کرے تو اس پر اجرت عمل یا خدمت کا اطلاق ہوگا۔

۳-جدید اعلی عصری تعلیم کے لئے سودی قرض:

شریعت اسلامی میں روٹی، کپڑا اور مکان اور موجودہ دور میں صحت بھی انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، اور بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے شریعت نے انسان کو بہت سی مراعات اور یسر وآسانی فراہم کی ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ دور جدید میں تعلیم کو معاش سے جوڑ دیا گیا ہے، اور جہاں کسب معاش کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے، وہیں اب عصری علوم، زبان اور طریقہ تجارت کی تعلیم بھی اتنی ہی ضروری ہوگئی ہے لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ کیا حصول تعلیم بھی اسی طرح اس ضرورت کے دائرے میں آتا ہے جو ضرورت مبیح محرمات ہوتی ہے؟ اور

اس حاجت کو بھی ضرورت کا درجہ حاصل ہوگا؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عصری علوم حاصل کرنا بقائے حیات کے لئے اتنا ضروری نہیں ہے جتنا کہ روٹی کپڑا اور مکان ضروری ہے، اس لئے فقہاء کا بیان کردہ قاعدہ: "**یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح**" اس جگہ منطبق نہیں ہوگا، اور اس طرح کی سود پر قرض فراہم کرنے والی اسکیموں سے مستفید ہونے کی جو کہ زندگی بھر کے لئے انسان کو سود کی لعنت میں گرفتار کردے، شرعا اجازت نہیں ہوگی۔

اس طرح کی اسکیموں کے ذریعہ بینکوں کا انسان کی خدمت کرنے کا جذبہ کم اور ہمیشہ کے لئے سود دینے والا گراہک بنانے کا زیادہ ہے، اس لئے قطعاً اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۴- سودی قرض کا تعلق والدین کی استطاعت سے ہے یا طالب علم کی؟

اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے اس فرق کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ طالب علم اگر بالغ ہے تو اس کا حکم الگ ہے اور نابالغ ہے تو اس کا حکم الگ، اس لئے اس کی دو جہتیں ہیں:

۱- اگر کوئی طالب علم بالغ ہے تو استطاعت کا تعلق خود اس کی ذات سے ہے، اگر فقیر اور مجبور ہے اور ایسے حالات سے دوچار ہے کہ اسے سودی قرض کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے تو پھر اسے اس کی اجازت ہوگی، اگرچہ والدین اسے اخراجات دے رہے ہوں، کیونکہ بالغ اولاد کو اخراجات دینا واجب نہیں، بلکہ تبرع ہے، اس لئے استطاعت کا تعلق بالغ طالب کے معاملہ میں خود اس کی اپنی ذات سے ہوگا والدین سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۲- اور اگر طالب علم نابالغ ہے اور والدین کے ساتھ رہتا ہے تو اس کی استطاعت کا تعلق والدین سے ہوگا، کیونکہ اس کا نفقہ والد پر واجب ہے: "**وعلی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف**"۔

لیکن اگر طالب علم والدین کے ساتھ نہیں ہے، گھر سے دور ہے تو طالب علم جس کے ساتھ ہے یا جس ادارہ میں رہ رہا ہے اس کے نگراں کے توسط سے یہاں پر استطاعت کا تعلق خود اس طالب علم کی ذات سے وابستہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ فن من حیث المجموع بالغ طالب علم کی صورت میں قرض کے جائز اور نا جائز ہونے کے معاملہ میں استطاعت کا تعلق خود اس طالب علم سے ہے، اور نابالغ ہونے کی صورت میں والدین سے ہے۔

۵- اگر طالب علم یا اس کے والدین صاحب استطاعت ہوں:

اگر طالب علم یا اس کے والدین صاحب استطاعت ہوں تو ان کے لئے کسی بھی صورت میں سودی قرض کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ وہ از روئے شرع محتاج نہیں ہے، اور سودی قرض کی اجازت شریعت نے ضرورت کے وقت صرف مجبور و محتاج کو دی ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کا حکم

مولانا محمد شاہجہاں ندوی ☆

اسلام جس نقشے پر انسان کی اخلاقی تربیت، تمدنی شیرازہ بندی اور معاشی تنظیم کرنا چاہتا ہے، اس کے ہر ہر جز سے سود کلی منافات رکھتا ہے، اور سودی کاروبار کی ادنی سے ادنی اور بظاہر معصوم سے معصوم صورت بھی اس پورے نقشے کو خراب کردیتی ہے، چنانچہ اسلام سود کی تمام شکلوں کو قطعی انداز میں حرام قرار دیتا ہے اور اس شدت کے ساتھ حرام قرار دیتا ہے کہ اسلامی شریعت میں اس کے علاوہ کسی معصیت پر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ نہیں کیا گیا، ارشاد ربانی ہے:

''یا أیها الذین آمنوا اتقوا اللّٰه وذروا مابقي من الربوا إن کنتم مؤمنین فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله......'' (بقرہ:۲۷۸-۲۷۹) (اے ایمان والو! خدا سے ڈرو، اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو، لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے......)۔

۱- اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ علوم دنیویہ جن کی مسلمانوں کو ضرورت ہے، یا جن سے ان کے جائز مفادات پورے ہوتے ہیں ان کا حصول فرض کفایہ ہے، امام غزالی تحریر کرتے ہیں:

☆ الجامعۃ الاسلامیہ شانتاپورم، مالاپورم، کیرالہ۔

غیر شرعی علوم میں اچھے اور برے ہر طرح کے علوم ہیں، چنانچہ اچھے علوم میں سے وہ ہیں جن سے دنیاوی معاملات اور مصالح مربوط ہوں، جیسے طب اور حساب وغیرہ۔ اور ان پسندیدہ علوم میں بھی بعض فرض کفایہ ہیں، اور بعض مستحب ہیں، اور بعض مباح ہیں:

۱۔فرض کفایہ ہر وہ علم ہے، جس سے دنیوی معاملات کے انصرام و بندوبست کے سلسلہ میں کسی طرح بے نیازی نہیں برتی جاسکتی ہے، جیسے طب جو کہ انسان کی جسمانی صحت کی حفاظت کے لئے ضروری ہے، اور جیسے علم حساب جو معاملات، وصیتوں اور میراث وغیرہ کی تقسیم کے لئے لازم ہے......اسی طرح صنعتی علوم بھی فرض کفایہ ہیں، جیسے زراعت کا علم، کپڑے بننے کا علم، اور پولیٹیکل سائنس، بلکہ پچھنے لگانے اور سلائی کا علم بھی فرض کفایہ ہے، کیونکہ اگر کوئی شہر پچھنے لگانے والے سے خالی ہوجائے تو وہاں کے باشندگان کی طرف ہلاکت لپک پڑے گی۔

۲۔مستحب علم وہ ہے، جس سے ضروری و لازمی علم میں مزید قوت حاصل ہو، جیسے حساب کی باریکیوں، اور طب کی حقیقتوں میں مہارت خصوصی اور انفرادیت (Specialization) پیدا کرنا، جو قدر لازم سے زائد شے ہے۔

۳۔مباح وہ علم ہے جس میں کوئی فائدہ ہو، اور کوئی خاص ضرر نہ ہو جیسے غیر فحش اشعار کا علم، اور امتوں کی تاریخ وغیرہ کا علم۔

۴۔مذموم اور ناپسندیدہ علوم وہ ہیں جن میں ضرر ہو، جیسے سحر، طلسم اور شعبدہ بازی وغیرہ کا علم) (إحیاء علوم الدین للغزالی ۱/ ۲۳ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع سوم، ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء)۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ امام غزالی نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے مثال دی ہے، لیکن ہمارے اس عہد میں علم کی بے شمار قسمیں ہیں، اور ان سب میں انسان نے خصوصی مہارت پیدا کرلی ہے، اور وہ علوم بھی ایسے ہیں جن سے کسی بھی قوم کا عروج و زوال وابستہ ہے، اور ان سے معاشی، مالی اور فوجی میدان میں برتری حاصل ہوتی ہے، اور ان تمام علوم کی مسلمانوں کو براہ راست یا بالواسطہ ضرورت ہے۔

لہذا جدید اعلیٰ تعلیم کا حصول شریعت کی نگاہ میں فرض کفایہ ہے، امت اسلامیہ کے اندر بقدر حاجت تمام نافع علوم وفنون کے ماہرین کا وجود لازم ہے، اسی طرح ٹیکنیکل علوم کے ماہرین کا وجود بھی لازم ہے، خود اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کی قوم پر احسان کا تذکرہ کے ضمن میں فرمایا کہ ہم نے ان کو زرہ سازی اور لوہے کے استعمال کا طریقہ سکھایا (الانبیاء: ۸۰)۔

قرطبی تحریر کرتے ہیں: "وهذه الآية أصل في اتخاذ الصنائع والأسباب، وقد أخبر الله عن نبيه داؤد عليه السلام أنه كان يصنع الدروع" (تفسیر القرطبی ۱۱/۳۰۱-۳۲۱)۔

(یہ آیت صنعت اور اسباب قوت کی تحصیل میں بنیادی دلیل ہے، خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی داؤد علیہ السلام کی طرف سے خبر دی ہے کہ وہ زرہیں بناتے تھے)۔

خود فقہاء نے بھی صراحت کی ہے کہ ان تمام علوم کا سیکھنا فرض کفایہ ہے، جن کی مسلمانوں کو ضرورت پڑتی ہے (دیکھئے نہایۃ المحتاج إلی شرح المنہاج للرملی ۳۸/۸ طبع دار إحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۳۰-۱۹۹۲ء ومغنی المحتاج إلی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج للشربینی الخطیب ۲۱۱/۴)۔

اور رد المحتار میں ہے: "وأما فرض الكفاية من العلم، فهو كل ما لا يستغنى عنه في قوام أمور الدنيا كالطب والحساب" (رد المحتار نقلاً عن تبیین المحارم ۱/۱۲۶)۔

(فرض کفایہ ہر وہ علم ہے جس سے دنیا کے معاملات کی درستگی میں بے نیازی نہیں برتی جاسکتی ہے، جیسے طب اور حساب)۔

اور ایک جگہ تحریر ہے: "فيتناول ما هو ديني كصلاة الجنازة، و دنيوی كالصنائع المحتاج إليها" (مرجع سابق ۱/۱۲۶) (فرض کفایہ میں وہ معاملہ بھی شامل ہے جو دینی ہو، جیسے نماز جنازہ، اور وہ معاملات بھی جو دنیوی ہوں، جیسے صنعتیں جن کی ضرورت پڑتی ہے)۔

اس تفصیل سے دنیوی علوم کی تحصیل کے لئے سفر کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ اگر ان کی تحصیل فرض ہو، خواہ فرض کفایہ ہو تو اس طرح کے علوم کے لئے سفر بھی فرض کفایہ ہوگا، اور اگر ان

کی تحصیل مستحب یا مباح ہو، تو ان کی تحصیل کے لئے سفر بھی مندوب اور مباح ہوگا۔

اسی طرح ان دنیوی علوم کی تحصیل کفار سے بھی جائز ہوگی، چنانچہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ''العلم ضالة المؤمن فخذوا ولو من المشركين'' (التراتیب الإداریة للکتانی ۲/ ۲۴۸) (علم مومن کی متاع گمشدہ ہے، سو اسے حاصل کرو، خواہ مشرک ہی سے کیوں نہ حاصل کرنا پڑے)۔

خود بعض صحابہ کرام نے معرکہ بدر کے مشرک قیدیوں سے کتابت سیکھی، ایسے ہی مدینہ کے یہودیوں سے بھی کتابت سیکھی (مرجع سابق ۲/ ۲۴۸)۔

ان تفصیلات سے روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ تمام ان نافع جدید علوم وفنون کی تحصیل شریعت کی نگاہ میں فرض کفایہ ہے، جن کی مسلمانوں کو سیاسی، معاشی اور فوجی میدان میں برتری کے لئے ضرورت ہے، ان میں کسی طرح کی غفلت برتنا اور لاپرواہی کا شکار ہونا، ان کی پسماندگی میں مزید اضافہ کا سبب ہوگا۔

چنانچہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ جدید اعلی تعلیم کے حصول کے سلسلہ میں مثبت رویہ اپنائیں، اور نئی نسل کی اعلی تعلیم کا بہتر نظم کریں، ذہین طالب علموں کی حوصلہ افزائی اور ذہن سازی کریں، اور انہیں ہر طرح کا مالی تعاون دیں۔

مسلمانوں کے ذہن میں لازماً یہ بات رہنی چاہئے کہ اسلام انہیں مختلف علوم وفنون اور ترقی کے میدانوں میں پیش پیش دیکھنا چاہتا ہے۔

۲- بینکوں کا عام مقصد نفع کمانا ہی ہوتا ہے، اور حکومت کا یہ ادعا کہ اس قرض کا مقصد نفع کمانا نہیں ہے، ایسا ہی ہے، جیسے حکومت کہتی ہے کہ کسانوں کو کم شرح پر سودی قرض دینا زراعت میں تعاون کرنا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب سود کا ہی کھیل ہے، چنانچہ حکومت عموماً ایسے کورسیز ہی کے لئے لون دیتی ہے جو Job Oriented ہوں، اور ان کی تعلیم بھی ایسے اداروں میں دی جاتی ہو، جو اپنے میدان میں شہرت رکھتے ہوں یعنی جن کورسیز کے بعد کام اور ملازمت

ملنا یقینی ہو، اور رقم کی ادائیگی اور واپسی قطعی ہو، حکومت ہر طرح کی تعلیم کے لئے قرض نہیں دیتی ہے، اگر اس کا مقصد نفع کمانا نہ ہوتا تو ہر طرح کی تعلیم کے لئے قرض فراہم کرتی، اور ہر طرح کی تعلیم کو فروغ دیتی، لہذا حکومت کا ادعا کچھ بھی ہو، یہ سودی لین دین ہے، جس میں شرح سود کم کردی گئی ہے، لہذا اس کم شرح سود کو سروس چارج یا اجرت محنت پر محمول نہیں کرسکتے ہیں۔

۳- اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں سود قطعی طور پر حرام، اور کبیرہ گناہوں میں سے بھی مہلک گناہ ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں سود خور کے علاوہ کسی گنہگار کو اعلان جنگ نہیں دیا ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سود کسی الٰہی شریعت میں حلال نہیں تھا (دیکھئے: المجموع للنووی ۹/۳۷۵ طبع دارالفکر، بیروت ۲۰۰۵ء)۔

لیکن ایک ایسے ملک میں جہاں اسلامی حکومت نہ ہو، اور نہ ہی کوئی ایسی تنظیم ہو جو اعلی تعلیم کے اہل مسلم طلبہ کو تعاون یا غیر سودی قرض فراہم کرتی ہو، تو مسلمانوں کی موجودہ تعلیمی پسماندگی کو دیکھتے ہوئے، مسلم طلبہ کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، کیونکہ تعلیم ملک کے ہر باشندہ کا حق ہے، اور اصولی اعتبار سے حکومت کو اس کا نظم کرنا چاہئے، لیکن اگر حکومت کم شرح سود کے بغیر نظم نہیں کرتی ہے، تو اپنے جائز حق تعلیم کو حاصل کرنے کے لئے مسلم طلبہ کا سود کی رقم دینا جائز ہوگا، اس صورت میں گناہ سود خور پر ہوگا، نہ کہ سود دینے والے پر، چنانچہ فقہاء نے اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے یا ظلم وضرر کو دور کرنے کے لئے رشوت دینے کو جائز قرار دیا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۸/۳۵، نہایۃ المحتاج للرملی ۸/۳۳۶)۔

۴- طالب علم کے والد صاحب کی معاشی حالت جدید اعلی تعلیم دلانے کی متحمل ہے، تو ایسی صورت میں سودی قرض جائز نہ ہوگا، فقہ حنفی میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ اگر بچہ علم میں مشغول ہو، خواہ بالغ ہو تو اس کا نفقہ باپ پر واجب ہے، جبکہ اس کے پاس مال نہ ہو، الدر المختار میں ہے:

''وكذا تجب لولده الكبير العاجز عن الكسب كأنثى مطلقا، وزمن......وطالبعلم لا يتفرغ لذلك'' (الدر المختار ۵/۳۴۱)۔

(ایسے ہی بالغ اولاد جو کمانے سے عاجز ہوں، ان کا نفقہ بھی باپ پر واجب ہے، جیسے ہر حال میں لڑکی کا نفقہ واجب ہے، اور اپاہج کا بھی واجب ہے، اور طالب علم جو کمائی کے لئے خود کو فارغ نہیں کر پا رہا ہو، اس کا نفقہ بھی باپ پر واجب ہے)۔

اور رد المحتار میں اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وحاصله أن السلف قالوا بوجوب نفقته على الأب، لكن أفتى أبوحامد بعدمه لفساد أحوال أكثرهم، ومن كان بخلافهم، نادر في هذا الزمان، فلا يفرد بالحكم، دفعا لحرج التمييز بين المصلح والمفسد، قال صاحب ''القنية'':لكن بعد الفتنة العامة: يعني–فتنة التتار–التي ذهب بها أكثر العلماء والمتعلمين، نرى المشتغلين بالفقه والأدب، الذين هما قواعد الدين، واصول كلام العرب، يمنعهم الاشتغال بالكسب عن التحصيل، ويؤدي إلى ضياع العلم، والتعطيل، فكان المختار الآن قول السلف، وهفوات البعض لا تمنع الوجوب'' (ردالمحتار ۵/۳۴۱-۳۴۲)۔

(حاصل کلام یہ ہے کہ سلف نے باپ پر بالغ طالب علم لڑکے کا نفقہ واجب قرار دیا ہے، لیکن ابو حامد نے اکثر طالب علم کے حالات کے بگاڑ کی وجہ سے عدم وجوب کا فتوی دیا ہے، کیونکہ سوجھ بوجھ رکھنے والے طلبہ اس زمانہ میں نادر ہیں، چنانچہ ان کے لئے الگ سے حکم نہیں دیا جا سکتا ہے، اس وجہ سے کہ مصلح اور مفسد میں شناخت دشوار ہے، صاحب ''قنیہ'' کا کہنا ہے کہ ہمہ گیر فتنہ یعنی فتنۂ تاتار کے بعد جس کے شکار بیشتر اہل علم اور طلبہ ہو گئے، ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ و ادب جو کہ دین کے قواعد اور کلام عرب کے اصول ہیں، ان میں مشغول رہنے والوں کو کسب معاش، تحصیل علم سے روکتا ہے، اور علم کے ضائع اور معطل ہونے کا سبب بنتا ہے، لہذا اس وقت سلف کا قول ہی مختار ہے، اور بعض کی باتیں وجوب نفقہ سے مانع نہیں ہے)۔

لیکن صاحب ''البحر الرائق'' نے سمجھ داری اور صالح طالب علم کے لئے نفقہ واجب

قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ مصلح اور مفسد میں تمییز دشوار نہیں ہے قرائن سے معلوم ہوسکتا ہے۔

میری رائے میں صاحب ''قنیہ'' کا موقف مضبوط معلوم ہوتا ہے، لہذا اسے ہی اختیار کرنا مناسب ہے کیونکہ جدید اعلی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ عام طور سے سوجھ بوجھ اور صلاح رکھنے والے ہوتے ہیں، اور شاذ ونادر کا اعتبار نہیں ہے۔

لہذا باپ کی ذمہ داری ہے کہ اولاد کو دین ودنیا اور صنعت وحرفت کی تعلیم سے آراستہ کرے، فقہاء نے بھی تعلیم کی اس ذمہ داری کی صراحت کی ہے: **"التاج والإكليل لمختصر خليل"** میں ہے:

''إذا كان الابن في حضانة أمه، لم يمنع من الاختلاف لأبيه يعلمه؛ لأن للأب تعليمه وتاديبه وإسلامه في المكتب والصنائع''(التاج والإکلیل للمواق ۴؍ ۲۱۵)۔

(اگر لڑکا ماں کی پرورش میں ہو، تو اسے باپ کے پاس جانے سے روکا نہیں جائے گا، جو اسے علم کے زیور سے آراستہ کرے گا، اس لئے کہ باپ کا حق ہے کہ اسے علم وادب سے آراستہ کرے، اور مکتب اور صنعت کے حوالہ کرے)۔

مغنی المحتاج میں ہے: **"وإن اختارها–أي الأم–ذكر، فعندها ليلا، وعند الأب نهارا، يعلمه الأمور الدينية والدنيوية، على ما يليق به، ويسلمه للمكتب–وهو اسم للموضع الذي يتعلم فيه–وذي حرفة، يتعلم من الأول الكتابة، ومن الثاني الحرفة على ما يليق بحال الولد"** (مغنی المحتاج للشربینی الخطیب ۳؍ ۴۵۸)۔

(اگر لڑکا ماں کو اختیار کرے، تو رات میں اس کے پاس رہے گا، اور دن میں باپ کے پاس، جو اسے اس کے مناسب حال دین ودنیا کی تعلیم دے گا، اور ادب سے آراستہ کرے گا، اور مکتب اور پیشہ ور کے حوالہ کرے گا، مکتب سے وہ تحریر اور پیشہ ور سے اپنے حسب حال پیشہ کا علم حاصل کرے گا)۔

اور ردالمحتار میں ہے:''وإذا استغنى الغلام عن الخدمة أجبر الأب أو الوصي أو الولي على أخذه؛لأنه أقدرعلى تأديبه و تعليمه'' (ردالمحتار، نقلا عن شرح المجمع ۵/۲۶۸)۔

(لڑکا اگر خدمت سے بے نیاز ہوجائے، تو باپ یا وصی یا ولی کو اس کے لینے پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ باپ اس کی تادیب وتعلیم پر زیادہ قادر ہے)۔

۵- اس سوال کی دوشقیں ہیں:

۱- طالب علم صاحب استطاعت ہو، تو اس صورت میں اس کے لئے قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا، کیونکہ ایجوکیشنل لون لینے کا جواز مجبوری کی صورت میں ہے، اور جب وہ خود صاحب استطاعت ہے تو پھر جواز کی اساس ہی منہدم ہوگئی، لہذا اس پر لازم ہے کہ اپنا پیسہ لگا کر اپنے مستقبل کو روشن کرے۔

۲- والد صاحب استطاعت ہو، اور وہ اپنی ذمہ داری سے غفلت برت رہا ہو، تو ایسی صورت میں طالب علم کے لئے قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے، کیونکہ اسلامی ملک نہیں کہ باپ کو اخراجات تعلیم پر مجبور کیا جاسکے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض اور اس کے مسائل

مولانا عبداللہ خالد لونا واڑی ☆

عصری تعلیم اسلامی نقطہ نظر

اسلام میں تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی اس میں تعلیم کا حکم دیا گیا، "اقرأ باسم ربک الذی خلق" (سورۂ علق)، اسی طرح "وقل رب زدنی علما" (طٰہٰ: ۱۱۴)۔

علم سے مراد کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں "علما" کو اسم نکرہ فرمایا ہے اور نکرہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، یعنی کوئی بھی علم، البتہ اس کی تفسیر احادیث میں ملتی ہے کہ اس سے مراد نفع بخش علم ہے، تو اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے میرے پروردگار میرے نفع بخش علم کو بڑھا دیجئے، خواہ یہ نفع دنیوی زندگی تک محدود ہو یا آخرت تک کام آنے والا ہو، سب کو شامل ہے، اسی لئے حضور علیہ السلام علم نافع کی دعا فرماتے تھے (ابن ماجہ حدیث نمبر: ۳۸۴۳)۔

علم کی دو قسمیں ہیں: علم نافع، علم غیر نافع۔

علم نافع سے ہر وہ علم مراد ہوگا جو انسان کے لئے مفید ہو وہ عام ہے خواہ عصری ہو یا دینی، اس اعتبار سے جہاں خالص اسلامی علوم وفنون (قرآن وحدیث، فقہ) ان علوم کے حصول

☆ دار العلوم لوناواڑا، پنچ محل گجرات۔

کے ذرائع (زبان وادب، نحو وصرف، بلاغت) داخل ہیں وہی عصری علوم وفنون (سائنس، انجینئرنگ، میڈیکل، جغرافیہ، حساب وغیرہ) داخل ہیں، بشرطیکہ وہ انسان کے لئے مفید ونفع بخش ہو، اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں عصری تعلیم ممنوع نہیں ہے، بلکہ اسلام اس کی اجازت اور ترغیب دیتا ہے بلکہ اس کی ضرورت پر زور بھی دیتا ہے یہ بات حضور ﷺ کی سیرت میں بھی ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو استعمال فرمایا۔

آپ ﷺ نے غزوہ بدر میں جو لوگ قید ہو کر آئے ان کے بارے میں فرمایا کہ ان میں جو لوگ پڑھے لکھے ہوں وہ دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں، اسی طرح آپ ﷺ نے عورتوں کے بارے میں حکم دیا "علموهن الغزل" (ان کو کاتنا سکھاؤ)۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: "الحكمة ضالة المؤمن" یعنی جو علم وحکمت کی بات حاصل ہو اور وہ انسانیت کی مفاد میں ہو اس کو اس رغبت واشتیاق کے ساتھ حاصل کرنا چاہئے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے بعض غزوات میں منجنیق کا استعمال فرمایا، گویا کہ وہ اس زمانہ کی توپ تھی جس کے ذریعہ پتھر کی چٹانیں دور سے دشمن کے قلعوں پر پھینکی جاسکتی تھیں فتح مکہ کے بعد جب بنوثقیف کی ماہرانہ تیر اندازی نے مجاہدین کو بڑی دشواری میں ڈال دیا اس موقع پر آپ ﷺ نے ایسی گاڑیاں بنوائی جس پر چمڑے کا غلاف ڈالا گیا تاکہ دشمن کے تیر چمڑے میں پھنس کر رہ جائیں۔

اسی طرح غزوہ خندق کا واقعہ تو مشہور ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر آپ ﷺ نے میدان جنگ کی پشت پر پہاڑیوں کو رکھتے ہوئے آگے کی سمت میں طویل وعریض خندقیں کھدوائی یہ عربوں کے لئے نیا تجربہ تھا، اور اس حسن تدبیر کے نتیجہ میں اعداء اسلام کی متحدہ قوت جو تقریبا بیس ہزار کے قریب تھی ذلیل ہو خوار ہو کر واپس ہوئی۔

اس سیرۃ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے زمانہ میں جدید

ٹکنالوجی حاصل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑا، اور اس کو کبھی تقاضہ دین کے منافی تصور نہیں فرمایا، اسی لئے اسلامی عہد میں قدیم سائنسی علوم کو نہ صرف قبول کیا گیا بلکہ ان کا ترجمہ بھی کیا گیا، اور ہر فن میں مسلمان سب سے آگے نظر آتے ہیں، چنانچہ مسلمان سائنسدان میں حکیم یحیی منصور (۲۱۴ھ) کا نام کا سب سے پہلا فلکیاتی مصنف کا نام ملتا ہے، اسی طرح خالد بن عبد الملک مروزی، ابو عبد اللہ محمد بن جابر بنانی (۳۰۵ھ) علی بن عیسی اصطرلابی (۲۲۴ھ)، ابو الوفاء بوزجانی (۳۷۸ھ) وغیرہ کے نام سے تاریخ روشن ہے۔

علم طب جس کے بارے میں امام شافعیؒ نے فرمایا: ''العلم علمان علم الفقه للأديان وعلم الطب للأبدان'' (مفتاح السعادۃ ۳۰۲)، اس میں بھی مسلمانوں کی خدمات نمایاں ہیں اس میں اہم ترین نام ابو الحسن بن علی سہل طبری (۲۵۱ھ) جنہوں نے فردوس الحکمت کے نام سے کتاب لکھ کر جو پہلی طبی انسائیکلوپیڈیا ہے، علم طب پر ایک زبردست احسان کیا ہے، اسی طرح سب سے پہلے طب کی تاریخ کے سرجن ابو القاسم زہراوی (۳۹۵ھ) کے نام ملتے ہیں۔

اسی طرح ابو بکر محمد زکریا رازی (۳۰۸ھ) سنان بن ثابت حرانی (۳۲۰ھ)، شیخ حسین ابو علی سینا (۴۲۸ھ) اس فن میں نمایاں خدمات ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے عصری علوم میں کبھی کوتاہی نہیں کی، بلکہ سب سے فائق نظر آتے ہیں بعصری علوم کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں ہر وقت مستعد رہنے کا حکم دیا ہے، یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب مسلمان ہر فن میں کفار سے آگے ہوں، چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

''وأعدوا لهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوا الله وعدوكم''۔

اس کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

''مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں، نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی، اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامان جہاد تھا۔

آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آب دوز کشتیاں وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا، بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے۔

اسی طرح آئندہ جو اسلحہ وآلات حرب وضرب تیار ہو وہ سب آیات کے منشاء میں داخل ہے (شیخ الہند: ۲۴۴)۔

مسلمانوں کے لئے عصری تعلیم اس لئے بھی ضروری ہے کہ دنیا میں اسے نیابت و خلافت کے فرائض انجام دینے ہیں، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''إذ قال ربک للملائکة إنی جاعل فی الأرض خلیفة''۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش کا ایک اہم مقصد نیابت وخلافت کے فریضہ کی ادائیگی ہے، اسے نیابت کے فرائض کیسے انجام دینے ہیں؟ تو اس کے لئے دین کے علم کے ساتھ دنیا کا علم بھی ضروری ہے، وہ تمام چیزیں جو دنیا میں نظر آتی ہے کسی نہ کسی علم سے جڑی ہوئی ہے، اور وہ تمام انسانی زندگی سے مربوط ہے، اس لئے ان کے بارے میں معلومات ناگزیر، اس سے معلوم ہوا کہ ان علوم کا حصول ضروری ہے، اس کا دوسرا نام عصری علوم ہے، افسوس کہ مسلمان اس میں بہت پیچھے ہیں، مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ان علوم کو حاصل کریں اور یہ فرض کفایہ ہے۔

لیکن افسوس کہ یہ تعلیم اتنی مہنگی ہے کہ ہر کس وناکس کے لئے اس کا حصول آسان نہیں بلکہ بہت ہی دشوار ہے، اس پریشانی کو دور کرنے کے لئے حکومت تعلیمی قرض دیتی ہے، جس کا مقصد تعلیم کو فروغ دینا ہے، لیکن حکومت اس قرض کو سود کے ساتھ دیتی ہے، اور سود کی شرح بہت کم ہوتی ہے، قرض طویل مدت ہوتا ہے اور اس کا مقصد قطعی نفع کمانا نہیں ہوتا، تو کیا اس کو سروس

چارج پر محمول کیا جا سکتا ہے؟

اسلام میں سود حرام ہے، اس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں، اور اس کے لینے والے کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے، جس طرح لینے کو حرام کیا ہے اسی طرح دینے کو بھی حرام کیا ہے۔

"لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء" (مسلم)۔

"كل قرض جر نفعا فهو ربوا" (قرض جس میں نفع حاصل ہو رہا ہے)۔

ہدایہ میں ہے: "الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي من عوض شرط فيه" (ہدایہ ۳/۷۷)۔

امام جصاص "ربوا" کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"هو القرض المشروط فيه الأجل و زيادة مال على المستقرض" (احکام القرآن ۱/۴۶۹)۔

اسی طرح علامہ ابن عربی اس کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الربا في اللغة الزيادة والمراد في الآية كل زيادة لا يقابلها عوض الربوا"، اسی طرح عنایہ میں ہے:

"وفي شرع عبارة عن فضل مالايقابله عوض في معاوضة مال بمال" (عنایہ متن الفتح)۔

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت جو قرض کے مقابلہ میں زائد رقم لیتی ہے اگر چہ وہ کم ہوتی ہے اور دیر تک کے لئے ہوتی ہے اور حکومت کا مقصد اگر چہ منافع حاصل کرنا نہیں ہوتا ہے اور مدد کرنا مقصود ہوتا ہے، لیکن وہ اس سود کی تعریف میں داخل ہوتا ہے، لیکن شریعت نے ضرورت کے وقت سود لینے کی اجازت دی ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

"یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الاشباہ والنظائر)۔

اسی طرح اصولیین کی اصطلاح میں بھی حاجت ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر شریعت کے مقاصد خمسہ میں سے کسی چیز کا مقصد موقوف تو نہ ہو لیکن اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو مشقت وحرج پیدا ہو جائے۔

"وأما الحاجیات معناها أنها مفتقرإلیها من حیث الوسع ورفع الضیق المؤدی فی الغالب إلی الحرج والمشقة اللاحقة بفوت المطلوب" (الموافقات ۳/۵)۔

اور کبھی حاجت کو ضرورت کے درجہ میں رکھا جاتا ہے، جیسے ضرورت کی بناپر ناجائز بقدر ضرورت جائز ہو جاتا ہے، اسی طرح حاجت کی بناپر بھی سہولت پیدا ہو جاتی ہے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة" (الاشباہ والنظائر /۱۸۰)۔

کبھی ضرورت انفرادی اور شخصی ہوتی ہے اور کبھی اجتماعی وقومی ہوتی ہے، تو ان دونوں کا حکم یکساں ہوگا، چنانچہ مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں:

اضطرار دو قسم کا ہوتا ہے، ایک اضطرار انفرادی وشخصی، اور ایک اضطرار اجتماعی وقومی، پس جس طرح "ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" اضطرار شخصی اور انفرادی میں سودی قرض لے کر سود دینے یا اسی طرح اضطرار اجتماعی وقومی میں بھی سودی قرض لینے کی گنجائش ہوگی (جدید فقہی تحقیقات ۴/ ۴۷۵)۔

تعلیم بھی ایک ضرورت ہے، یہ ضرورت اجتماعی اور فردی ضرورت ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کو ہر فن میں چاہے جنگی فن ہو یا معاشی، ہر ایک میں کفار کے مقابلہ میں آگے رہنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوا الله وعدوكم''(الانفال:۶۰)۔

اورمسلمانوں کے اکثر طبقہ کو اس تعلیم کے حصول کے لئے اخراجات مہیا ہونا مشکل ہے، اور یہ ایک اجتماعی ضرورت ہے اور غیر مسلم ملک میں نہ تو اسلامی نظام بیت المال اور عشر و خراج اور زکوۃ وصدقات وغیرہ ہیں اور نہ ہی اسلامی معاشرہ وایثار، اس لئے نہ بطور ملک آسانی ملنے کا سوال اور نہ بطور قرض، اس لئے سودی قرض کے بغیر جو معمولی اور دیرپا ہوتا ہے، اس کے بغیر چارہ کارنہیں اس لئے ضرورت کے وقت اس کی اجازت ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل کرنے کے لئے زیادہ خرچ ہوتا ہے، جس کی پوری کاروائی بینک کے ماتحت ہوتی ہے، اس لئے اگر اپنا خرچ کرنے میں انکم ٹیکس وغیرہ کا اندیشہ رہتا ہے اور ایک بات یہ بھی ہے کہ ہندوستان کے معروف بعض علماء نے جیسے مفتی نظام الدین صاحبؒ، قاضی مجاہد الاسلام قاسمی وغیرہ نے حکومت کے ترقیاتی قرض وغیرہ میں جس میں کچھ سود ہوتا ہے، اس کو ملازمین بینک کی اجرت مان کر اس کی اجازت دی ہے، اس لئے اگر خود طالبعلم اس کا متحمل نہیں ہے تو سودی قرض لینے کی اجازت ہوگی، اور اس کے جائز وناجائز ہونے کے سلسلہ میں طالب علم کے حالات کا اعتبار کیا جائے گا، نہ کہ اس کے والد کا، اس لئے کہ طالب علم خود احکام کا مکلف ہے والد کا مالدار ہونا نہ ہونا طالب علم پر کوئی اثر نہیں ڈالتا لیکن اگر طالب علم صاحب استطاعت ہے، تو اس کو اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ صرف ضرورت کے وقت سودی قرض جائز ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض اور اس کے شرعی احکام

مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی ☆

جدید علوم کے تین پہلو ہیں: ۱- علمی، ۲- صنعتی، ۳- اقتصادی اور معاشی۔

اور تینوں پہلوؤں کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، اس لئے ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جدید علوم کا حاصل کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، جب تک کہ مسلمان جدید علوم میں مہارت حاصل کر کے ان علوم میں قیادت کے لائق نہیں ہوجائیں گے، مسلمانوں کی پسماندگی اور درماندگی دور نہیں ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ صرف جدید علوم کا حصول ہی اس امت مسلمہ کے لئے کافی ہے، بلکہ سب سے پہلی شرط یہی ہے کہ مسلمانوں کو حقیقی معنوں میں مسلمان بننا پڑے گا۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جدید علوم کی اہمیت کو سمجھیں، اپنے تمام بچوں کے لئے ضروری علوم دینیہ کا انتظام کریں، ہر ہر بچے کے لئے ضروری علوم دینیہ کا حاصل کرنا فرض عین ہے، پھر اس کے بعد کچھ بچوں کو علوم دینیہ میں مہارت حاصل کرنے کے لئے لگا دیں، اور کچھ بچوں کو جدید علوم اور علوم عصر یہ کے حصول اور اس میں مہارت حاصل کرنے کے لئے لگا دیں، جو بچے جدید علوم حاصل کر رہے ہیں، ان کو ان کی ضرورت اور سمجھ کے مطابق علوم دینیہ یعنی عقیدہ تفسیر، حدیث اور فقہ کے درس کا بھی انتظام کریں، اور جو بچے علوم دینیہ میں مہارت کے حصول میں لگے ہوئے ہیں ان کو بھی جدید علوم میں سے ضروری معلومات کا خزانہ بہم پہنچاتے رہیں۔

جس طرح دینی مدارس کے قیام کو ضروری سمجھیں اسی طرح ضرورت کے مطابق عصری

☆ جامعہ اسلامیہ ہنا تناپورم کیرالا۔

اور جدید علوم کے ادارے، کالج، اور یونیورسٹیوں کے قیام کو بھی ضروری سمجھیں، اپنے بچوں کو اعلی سے اعلی تعلیم دلانے کی ہر ممکن کوشش کریں، یہ بات یاد رکھیں کہ ہمیں اپنا حق حاصل کرنے کے لئے اپنے اندر قابلیت بلکہ بے پناہ قابلیت پیدا کرنی ہوگی۔

آج مسلمانوں کو ہزاروں ماہر انجینئروں کی ضرورت ہے، ہزاروں ڈاکٹروں کی ماہرین زراعت، قانون اور وکلاء، سائنس داں، صحافی، اور ملٹی میڈیا کے ماہرین کی ضرورت ہے، دور حاضر میں میڈیا کی بہت بڑی اہمیت ہے، میڈیا پر اسلام دشمنوں کے قبضے کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی صورت مسخ کر کے پیش کی جارہی ہے اس لئے میڈیا میں مسلمانوں کی شرکت لازمی اور واجب ہوگئی ہے، کمپیوٹر اور اینی میشن میں مہارت پیدا کر کے ایسی فلمیں، سیریل اور بچوں کے لئے کارٹون فلمیں بنائی جاسکتی ہیں، جو لوگوں کے سامنے اسلامی تعلیمات پیش کرتی ہوں، یا اسلامی دائرے میں رہتے ہوئے جائز سامان تفریح پیش کرتی ہوں۔

۲- سرکاری بینک کم شرح سود لیں یا زیادہ کم مدت کے لئے قرض دیں یا زیادہ مدت کے لئے، وہ خدمت کا دعوی کریں یا نہ کریں، شرح سود کو اجرت خدمت پر محمول نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ بینکوں کا پورا کاروبار سود پر مبنی ہوتا ہے، اور اگر کم شرح سود کو اجر خدمت پر محمول کیا جائے تو زیادہ شرح سود کو کیوں اجرت خدمت پر محمول نہ کیا جائے؟ اس لئے اجرت کم بھی ہوتی ہے اور زیادہ بھی۔

سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ، مناسب حد تک کم ہے یا نامناسب حد تک زیادہ، شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ شرح اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہے اور اگر نامناسب حد تک زیادہ ہے تو ناجائز، دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے (فیصلہ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱ جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص ۱۳۰)۔

۳- اگر کوئی شخص اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے، یا بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل

کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے معاشی حالات اس کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں تو پہلے اس پر واجب ہے کہ کہیں سے بھی قرض بلاسود حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور اگر کہیں سے بھی اس کو قرض بلاسود نہ ملے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھائے، مگر یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھے کہ سود دینا حرام ہے، اس لئے جس قدر ممکن ہو اس لعنت سے بچنے کی کوشش کرتا رہے، اپنے مصارف کو کم سے کم کرے، فضول خرچی نہ کرے، جتنی مقدار میں بلاسودی قرض مل جائے، حاصل کرے اور جس مقدار کی رقم بلاسودی قرض سے حاصل ہوجائے اس مقدار کی رقم اس قرض اسکیم سے نہ لے، مثلاً اس کو تعلیم کے لئے چار لاکھ روپئے کی ضرورت ہے اور اس کو ایک لاکھ کی رقم کہیں سے بطور ہدیہ یا مدد واعانت یا بلاسودی قرض کے طور پر مل جاتی ہے تو وہ صرف تین لاکھ روپئے اس قرض اسکیم سے حاصل کرے۔

اس لئے کہ یہاں دو باتوں کا خیال ضروری ہے: "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" (بقرہ: ۲۸۶) (ہر نفس اپنی وسعت کے بقدر مکلف ہے)۔

اب اگر وہ آدمی جو اعلی تعلیم کا اہل ہے وہ اعلی تعلیم حاصل کر کے امت کی تعمیر وترقی میں ایک اہم رول ادا کرسکتا ہے یا تعمیر وترقی کی ایک اینٹ بھی بن سکتا ہے، اور وہ اعلی تعلیم کے حصول کی کوشش نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہوگا۔

"و أحل اللہ البیع و حرم الربوا" (بقرہ: ۲۷۵) (ربو یعنی سود حرام ہے)۔

ان دونوں باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے امت کو جدید علوم کی ضرورت پر غور کریں تو بدرجہ مجبوری "الضرورات تبیح المحظورات بقدر الضرورات" کے قاعدہ کلیہ کے پیش نظر بقدر ضرورت بینکوں کے قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا۔

۴- اگر خود طالب علم کی معاشی حالت اس کی متحمل نہیں ہے مگر اس کے والد اس کی صلاحیت رکھتے ہیں تو والد صاحب کے صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے اسے صاحب استطاعت نہیں سمجھا جائے گا، اس لئے کہ دونوں کی ذات الگ الگ ہے، جس طرح شوہر کے صاحب

استطاعت ہونے سے بیوی صاحب استطاعت نہیں ہوتی یا بیوی کے صاحب استطاعت ہونے سے شوہر صاحب استطاعت نہیں ہوتا اسی طرح باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے بیٹا صاحب استطاعت نہیں ہوگا، اور نہ بیٹے کے صاحب استطاعت ہونے سے باپ صاحب استطاعت ہوگا، مثلاً اگر بیوی کے پاس زکوۃ کے نصاب کے بقدر مال ہو تو صرف بیوی کو ہی صاحب نصاب مانا جائے گا اور اسی پر زکوۃ واجب ہوگی نہ کہ شوہر پر، اسی طرح اگر باپ کے پاس زکوۃ کے نصاب کے بقدر مال ہو تو صرف باپ کو ہی صاحب نصاب مانا جائے گا اور اسی پر زکوۃ واجب ہوگی نہ کہ بیٹے پر قرض کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا تعلق طالب علم کے اپنے حالات سے ہوگا مگر حرام (یعنی سود دینے) سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کے طور پر طالب علم کے لئے واجب ہوگا کہ وہ اپنے والد ار باپ سے مدد طلب کرے اور صاحب استطاعت باپ پر واجب ہوگا، کہ وہ علم کے حصول جیسے فرض کفایہ کی ادائیگی میں اپنے لخت جگر کی مدد کرے۔

فقہاء نے باپ کے اوپر بچوں کے نفقہ کے وجوب کے ثبوت میں ایک دلیل یہ بھی دی ہے:

''لأنهم جزء منه وإحياء هم واجب كإحياء نفسه '' (الفقہ الإسلامی وأدلتہ رص۸۳۵۹ الجزء العاشر)۔

''لا يكلف الله نفسا إلا وسعها'' (بقرہ:۲۸۶)، ''لا تكلف نفس إلا وسعها'' (البقرہ:۲۳۳)۔

''لينفق مما اتاه الله لا يكلف الله نفسا إلا ماء اتاها '' (طلاق:۷)۔

مذکورہ بالا آیات کا خلاصہ یہی ہے کہ ہر شخص اپنی وسعت کے بقدر مکلف ہے، جس طرح معسر سے چھوٹے نابالغ بچوں کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، فقیر پر زکوۃ اور حج واجب نہیں ہوتا، اسی طرح عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جس قدر مال کی وسعت بڑھتی جائے اسی قدر اس کے اوپر واجب خرچوں کا دائرہ بھی بڑھتا جائے۔

۵- اگر طالب علم خود صاحب استطاعت ہے تو اسے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس قرض اسکیم میں سود دینا پڑتا ہے اور جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے، سود ادا کرنے کی حرمت بذات خود نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ سودخواری کا ذریعہ ہے، اس لئے بعض خاص حالات میں عذر کی بنیاد پر سود ادا کر کے قرض لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے رص ۱۳۸)۔

اور اگر والد صاحب استطاعت ہوں اور وہ اپنے بچوں کی تعلیم میں اپنا پیسہ نہ لگانا چاہیں تو طالب علم بدرجہ مجبوری اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس لئے کہ بعض خاص حالات میں عذر کی بنیاد پر سود ادا کر کے قرض لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے رص ۱۳۸)۔

اور اس لئے بھی کہ اگر انسان جاہل اور بے ہنر رہتا ہے تو مال کی کمی اور فقر کی وجہ سے کئی حرام کاموں میں مبتلا ہوسکتا ہے نہ اپنے لئے کچھ کرسکتا ہے اور نہ اپنی قوم کے لئے، بلکہ ملک و ملت پر وہ ایک بوجھ بن جاتا ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ سود دینے کو حرام سمجھتے ہوئے بدرجہ مجبوری اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے اور محنت و جانفشانی سے علم وہنر حاصل کر کے اپنا اور ملک وملت کا نام روشن کرے۔

☆☆☆

سودی قرض لے کر تعلیم حاصل کرنا

مولانا عبدالتواب ندوی ☆

گزشتہ قوموں میں جب تعلیم کا عروج ہوا تو وہ قومیں بھی ترقی پر ترقی کرتی گئیں، اور جب کوئی قوم تعلیم سے بے نیازی اور لاپروائی کرنے لگی تو وہ تنزلی کا شکار ہوتی گئی حتی کہ اس کا کوئی قومی شعار تک محفوظ نہ رہ سکا، چہ جائیکہ اس کا رعب ودبدبہ۔

آج امت مسلمہ کچھ ایسے ہی حالات سے دوچار ہے، دنیا کے مختلف مقامات پر ان کی حکومت تو ہے لیکن جدید اعلی تعلیم کی قلت کے باعث نفسیاتی طور پر باگ حکومت ان کے پاس نہیں ہے، اور جہاں ان کی حکومت ہی نہیں وہاں تو بس اللہ حافظ ونگہبان۔

اب جبکہ تعلیم کی طرف وہ توجہ اور دلچسپی جو ہونا چاہئے نہ خود حکومت ہی دے رہی ہے اور نہ حکام حکومت کو جو نظام حکومت چلا رہے ہیں وہ یقیناً خلوص کا محتاج ہے لہذا ضرورت ہوئی پرائیوٹ نظام تعلیم کے قیام کی، لوگوں نے اسی بات کو محسوس کیا اور پرائیوٹ نظام تعلیم عمل میں آیا، ظاہر ہے تمام تعلیمی وتعمیری وتنظیمی اور ساتھ ہی اقتصادی اخراجات طالب علم کے ذمہ لازم ہوں گے، اور یقیناً یہ وہ شرح فیس ہوگی جس کا برداشت کرنا ہر کس وناکس کی دسترس سے باہر ہوگا۔

علوم شرعی کا وہ حصہ جس کا حصول تمام افراد مسلمہ کے لئے لازمی اور ضروری ہے اس کو حاصل کر لینے کے بعد تمام علوم شرعیہ ودینیہ کا جس طرح حاصل کرنا فرض کفایہ ہے ٹھیک اسی

☆ جامعہ عربیہ اسلامیہ بھورا پاڑہ۔

طرح علوم عصریہ جدیدہ کا حاصل کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔

البتہ دونوں کے درمیان علت حصول کا فرق ضرور ہے، علوم دینیہ کو برائے ضروریات دین حاصل کیا جاتا ہے اور علوم عصریہ جدیدہ کو برائے ضروریات معاشرہ حاصل کیا جاتا ہے، ہر دو عمود بھی ہیں اور مقصود بھی۔

۱- لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو اولا ضروریات دین سے واقف کرائیں اور تعلیمات اسلامیہ سے بہرہ ور کریں پھر جن بچوں کا ذہن اور طبیعت عصریات اور جدید اعلیٰ تعلیم کی طرف مائل نظر آئے ان کو جدید اعلیٰ تعلیم کی طرف اور جن بچوں میں علوم دینیہ کی طرف رغبت محسوس ہو انہیں دینی اداروں میں داخل کرنا چاہئے تاکہ معاشرہ کو بوقت ضرورت ہر طرح کے افراد مہیا ہوسکیں۔

۲- اگر واقعۃً حکومت کا یہ دعوی صحیح ہے کہ وہ بنام تعلیم زیادہ مدت تک کے لئے عام معمول سے کم شرح سود پر طلباء علوم عالیہ جدیدہ کو قرض دے رہی ہے تو طلبہ علوم عالیہ جدیدہ کو اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا چاہئے، حکومت کا قول کم شرح سود خود اس کے دوسرے قول اس قرض کا مقصد نفع کمانا نہیں، کے متضاد ہے کیونکہ سود کے معنی ہیں قرض پر نفع لینا جو کل قرض جر نفعا کے تحت حرام ہے، اور یہاں خود حکومت یہ دعوی کر رہی ہے کہ اس قرض کا مقصد نفع لینا نہیں ہے بلکہ طلبہ کی اعانت مقصود ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے طویل مدت تک کے لئے دیا جاتا ہے، اور جب مقرض خود یہ دعوی کرے کہ میں مستقرض سے قرض پر نفع نہیں لوں گا اور تعامل اس کا شاہد ہو کہ مدعی اپنے دعوی سے منحرف نہیں ہے تو اس کی بات لائق قبول ہوگی، اب چونکہ قرض لینے والے ایک دو تو ہوں گے نہیں کہ ان کو یادداشت میں محفوظ کرلیا جائے اور مزید علی القرض اخراجات کی ضرورت پیش نہ آئے بلکہ یہاں تو قرض لینے والوں کی تعداد غیر محدود ہوگی ایسی صورت میں باضابطہ ایک ادارہ وآفس کی ضرورت ہوگی کاغذات اور دیگر لوازمات اور یہ ایسی ضروریات ہیں جن کے بغیر

مذکورہ تعاون ناممکن محسوس ہوتا ہے اور اخراجات کا بار جو قطعی ہے قرض دینے والے پر ڈالنا خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے، لہذا اخراجات کو بدرجہ مجبوری الضرورات تبیح المحظورات کے قاعدہ سے قرض لینے والوں کے ذمہ ہی متقاضی قیاس مفہوم ہوتا ہے، لہذا اسے سروس چارج یعنی اجرت خدمت پر محمول کیا جانا چاہئے۔

اور جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا کہ پرائیوٹ اداروں میں جہاں تعلیمی نظام اچھا ہے وہیں پر یہ بات بھی ہے کہ ان کے یہاں تعلیمی فیس اور دوسرے اخراجات بھی کم نہیں ہیں کیونکہ ہر کس وناکس برداشت کرلے بلکہ حکومت کے اس اسکیم کے جاری کرنے کی وجہ ہی یہی ہے کہ ہر خواہش مند طالب علم اتنی خطیر رقم کہاں سے لائے جو ان اداروں میں تعلیم حاصل کرے، اور یہ بات پیش نظر ہے کہ جدید اعلی تعلیم کے حصول کا مقصد تعمیر معاشرہ ہے اور تعمیر معاشرہ تعمیر بیت سے کہیں زیادہ اہم ہے، حالانکہ فقہاء کرام نے تعمیر بیت کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے، لہذا تعمیر معاشرہ کے واسطے جدید اعلی تعلیم کے خواستگار طالب علموں کے لئے بدرجہ اولی سودی قرض لینے کی اجازت ہونی چاہئے۔

اور مذکورہ شکل میں جب سود کا شبہ اجرت خدمت کے تحت دور ہوجاتا ہے تو مذکورہ اسکیم سے استفادہ میں عموم ہونا چاہئے۔

مفتی نظام الدین صاحبؒ نے حکومت سے قرض لینے کا ایک جملہ اس طرح ذکر فرمایا ہے:

''مجبور غریب کا حکومت سے بطور امداد قرض لینا کہ اس میں سے کچھ رقم بینک کے کسی ایسے کھاتہ میں جمع کردی جائے جس سے ملنے پر سود پورے قرضہ کے سود کی ادائیگی کے لئے کافی ہو اور بقیہ رقم اپنے کاروبار میں لگادی جائے جس کو الگ سے نہ ادا نہ کرنا پڑتا ہو تو شرعا یہ حیلہ درست ہے'' (نظام الفتاوی ۱/ ۲۲۲)۔

مستحق طالب علم اگر اس طرح حیلہ سے استفادہ کرنا چاہے تو اس کے لئے بہتر ہوگا،

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ناقابل برداشت مجبوری کے وقت سودی قرض لینے سے گناہ نہ ہونے کی توقع ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۳۷۹)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله فمن اضطر باغ ولا عاد فلا إثم عليه إن الله غفور رحيم" (بقرۃ: ۱۷۳)۔

ضروریات دینیہ کے تکفل کے واسطے علوم دینیہ حاصل کرنے والے طلباء مدارس اسلامیہ بصورت محتاج جب مستحقین زکوۃ وصدقات قرار دیئے جاتے ہیں، اور یہ علوم بھی باعتبار تحصیل فرض کفایہ ہیں تو علوم فرض کفایہ کی قسم ثانی کے طالبین کی محتاجگی اپنے استحقاق سے مستفاد کیوں کر نہ ہو۔

"وفي الاشباه والنظائر قال: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (ص ۱۴۹)۔

"قال الحموي في شرح الأشباه: فهو أن يقرض عشرة دنانير مثلا ويجعل لربها شيئا معلوما في كل يوم ربا–" (ہامش اشباہ النظائر من فن الاولیٰ ص ۱۴۹)۔

وفيه–"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة وهذا جوزت الإجارة على خلاف القياس للحاجة" (اشباہ ص ۱۴۹)۔

سوالنامہ میں مذکور تعلیمی قرض پر شرح سود کو اگر اجرت خدمت مان لیا جائے تو بھی کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا کیونکہ وہاں پر لکھنے پڑھنے کاغذات وغیرہ کی حفاظت پیسوں کے لین دین کا عمل خود موجود ہے اور عمل پر اجرت دینا کوئی معیوب بات نہیں ہے بلکہ اجرت عمل بہر حال جائز ہے۔

صورت مسئولہ کو خواہ قاضی کی اجرت کتابت وثائق اور مفتی کی کتابت فتوی پر قیاس کیا جائے یا اسے اجرت دلال پر قیاس کیا جائے بہر دو صورت عمل پائے جانے کی وجہ سے

صورت مسئولہ کو اجرت خدمت پر محمول کیا جانا چاہئے، کیونکہ اجرت دلال کا جواز بھی عمل ہی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۶۲/۲، المغنی لابن قدامہ ۶۶/۵ ۴، عمدۃ القاری ۶۲۲/۸، اعلاء السنن ۲۸۹/۱۵ ۷، ہندیہ ۴/ ۴۵۰-۴۵۱، المبسوط للسرخسی ۱۱۵/۱۵)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ شامی کی عبارت ''أجرۃ القاضی علی الکتابۃ'' سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ آڑھت میں عمل اور مشقت موجود ہے اس لئے اجرت درست ہے، خواہ عمل بیع کا ہو یا شراء کا مشقت اور عمل دونوں میں ہے اس لئے دونوں کی اجرت لینا درست ہوگا (امداد الفتاوی ۳/ ۳۶۳)۔

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں: دونوں طرف سے دلالی جائز ہے جبکہ عرف ہو اصالۃ دلالی کا معاملہ ناجائز ہے، مگر حاجت اور عرف کی بنا پر فقہاء نے اجازت دی ہے اور یہ اجازت اپنے عموم کی حیثیت سے یک طرفہ دو طرفہ سب کو شامل ہے۔ خواہ اس طرح کی فی صد دس روپیہ یا فی روپیہ ایک آنا اجرت مقرر کی جائے وہ اجرت درست ہے جس قدر بھی ہو (فتاوی محمودیہ ۱۸/ ۶۱۷، ۶۱۹)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

دلال کی اجرت میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، اور فی صد کے حساب سے بھی سمسرۃ کی اجرت لینا جائز ہے (انعام الباری ۶/ ۴۵۷)۔

مذکورہ عبارات وفتاوی سے مستفاد ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں قرض پر بڑھی ہوئی رقم کو اجرت عمل، اجرت خدمت (سروس چارج) پر محمول کیا جائے گا، اسے سود کہنا ہی غلط ہے کیونکہ سوالنامہ میں درج حکومت کا پہلا قول قول ثانی سے باطل ہوجاتا ہے، لہذا وہ سود ہے ہی نہیں اسے سود نہیں کہا جائے گا۔

۳- جو طالب علم اعلی تعلیم کے حصول کا اہل ہے، لیکن معاشی کمزوری کی بنیاد پر اعلی تعلیم کے حصول پر عائد ہونے والے اخراجات کا متحمل نہیں ہے اسے اجازت ہے کہ وہ مذکورہ قرض اسکیم

سے فائدہ اٹھائے۔

۴- جدید اعلیٰ تعلیم کا وقت عموماً ہر آدمی کے حق میں اس وقت شروع ہوتا ہے جب اس کی عمر کا وہ حصہ گذر چکا ہوتا ہے جس کی کفالت والد کے ذمہ ہوتی ہے، یعنی عامۃ بالغ ہونے کے بعد ہی کوئی طالبعلم علوم عالیہ جدیدہ کے درجات تک پہنچتا ہے اور بالغ لڑکے کی کفالت باپ کے ذمہ واجب نہیں ہے، البتہ بالغہ لڑکیوں کی کفالت قبل از نکاح ضرور باپ کے ذمہ ہوتی ہے، لہٰذا طلبہ علوم عصریہ جدیدہ اپنے احوال یعنی باپ کی حالت سے علاحدہ رہیں گے، البتہ طالبات علوم عصریہ جدیدہ اپنے باپ کے احوال کے تابع ہوں گی، لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت امر بھی ضروری ہے کہ مذکورہ تقسیم باحوال عام ہے، صورت مسئولہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیونکہ صورت مسئولہ میں اس وضاحت کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس اسکیم سے تو ہر طالب علم استفادہ کرسکتا ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور اسی طرح خواہ وہ غنی ہو یا محتاج، اس لئے کہ اس اسکیم مذکورہ سے استفادہ سے روکنے والی جو لکیر بنائے شبہ پیدا ہوگئی تھی جب وہ اجرت عمل خدمت (بنام سروس چارج) پر محمول ہوگئی تو اب تمام طلبہ علوم عالیہ جدیدہ کے لئے راستہ بالکل صاف ہے۔ غنی ومحتاج، مذکر و مونث بالغ ونابالغ سب مساوی ہیں، بلافرق مراتب۔

۵- اسی طرح اگر کوئی طالب علم یا اس کے والدین ذی حیثیت ہیں یعنی کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے خرچ سے جدید اعلیٰ تعلیم دلوا سکتے ہیں مگر وہ اپنا مال بچا کر اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو انہیں بھی اجازت ہوگی کیونکہ قرض کا لین دین کوئی امر ممنوع نہیں ہے، رہی مزید کی بات تو وہ اجرت عمل شمار کی جائے گی اور حصول قرض میں غنی ومحتاج میں مساوات ہے، اس لئے قباحت کا کوئی پہلو معلوم نہیں ہوتا۔

☆☆☆

چوتھا باب

مختصر جوابات

تعلیمی قرض کا حکم

مفتی شیر علی گجراتی ☆

۱- نصوص قطعیہ سے سود کا حرام ہونا بالکل واضح ہے، اور اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ دنیا سے تشریف لے گئے لیکن سود کا مسئلہ مجمل رہ گیا، مطلب یہ ہے کہ چھ چیزیں ذکر کردیں، اب سوال یہ ہے کہ ان چھ چیزوں کے ساتھ ہی سود متحقق ہوگا یا ان کے علاوہ کے ساتھ بھی۔

۲- سود کو حرام کرنے سے شریعت کا منشا یہ تھا کہ سرمایہ دار سرمایہ داری کے بل بوتے پر غریبوں کا خون نہ چوسے، اور غریبوں پر ظلم نہ ہو، زیر بحث مسئلہ حکومت اور پبلک کے درمیان سود کا ہے، حکومت پبلک سے زکاۃ، خراج وغیرہ طریقے سے روپیہ وصول کرتی ہے، وصول کردہ رقم رفاہ عام میں خرچ کرتی ہے، نیز احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ لوگوں سے بطور قرض کوئی چیز لیتے تھے اور دوبارہ زائد اچھے طریقے پر ادا فرماتے تھے، حالانکہ بظاہر یہ سود ہے اس لئے حکومت اور پبلک کے درمیان سود کے متحقق ہونے میں شبہ ہے کیونکہ حکومت اور پبلک کے درمیان ہونے والا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ شرکت میں دو شریکوں کے درمیان ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کمی بیشی کے ساتھ اپنا مال بیچ سکتے ہیں اس کو شریعت میں ربا نہیں کہا گیا ہے، جیسا کہ شامی کی اس عبارت ''ولا ربا بین متفاوضین وشریکي عنان إذا تبایعا من مالھا أي من مال الشرکة ......ثمه'' (۷/ ۴۲۲) سے واضح ہے۔

☆ دار العلوم فلاح دارین ترکیسر، گجرات۔

۴- احادیث میں سود کی حرمت چھ چیزوں میں بیان کی گئی ہے، موجودہ دور میں سونا چاندی کی جگہ نوٹوں نے لے لی ہے، نوٹ کو سونا چاندی کے قائم مقام بنانا محل نظر ہے، نیز نوٹ کا سونے کی ایک خاص مقدار کی رسید ہونا بھی محل نظر ہے، کیونکہ ایک ہزار کا نوٹ لے کر حکومت سے کہو کہ اس نوٹ کا سونا دے دو تو حکومت کے لئے سونا دینا مشکل ہے۔

۵- حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دار الاسلام کے علاوہ کہیں سود نہیں ہے، اور مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی کوئی سود نہیں ہے "**ولا ربا بين حربي و مسلم**" (شامی ۷/ ۴۲۲)۔

بطور خاص جبکہ ہم غیر مسلم جمہوریہ ملک میں رہ رہے ہیں ہمارا کوئی قانون نہیں چلتا، اور ہم مکلف ہیں کہ اس کے قوانین کو تسلیم کریں، اور ان کے اصولوں کو رد نہ کریں، ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جب حکومت یہ کہہ رہی ہے کہ ہم خدمت کر رہے ہیں، ہمارا مقصد تعلیم کو ترقی دینا ہے تو جب تمام اصول میں ان کی باتوں پر عمل کرنے پر مجبور ہیں تو یہ بھی (سود کے طریقہ پر قرض لینا) ضرورت کی وجہ سے جائز ہونا چاہئے، فقہ کا قاعدہ ہے: "**الضرورات تبيح المحظورات**" نیز فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ محتاج آدمی سود کے طریقہ پر قرض لے سکتا ہے، جیسا کہ "الاشباہ والنظائر" کی اس عبارت "**يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح**" (رص ۱۴۹) سے واضح ہے، اور جہالت بھی ایک قسم کا احتیاج ہے، شریعت نے ہمیں جہالت سے روکا ہے، ترقی کرنے کی ترغیب دی ہے، پس ماندہ رہنے سے منع کیا ہے، اعلی تعلیم حاصل کرنے کا امر دیا ہے، اور پس ماندہ ہونا ہی غریب بننا ہے، یہ احتیاج کے مرادف ہے، قاعدہ ہے "**الضرر يزال**" اور نیز آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "**لا ضرر ولا ضرار**" (الاشباہ والنظائر رص ۳۰۵)۔

۶- لیکن اس کے باوجود یہ قرض حاصل کرنا مسلم غریبوں کے لئے مشکل ہوتا ہے، اولا تو مسلم غریبوں کو اس کے اصول معلوم نہیں ہے، اگر وہ معلوم کر بھی لیں تو اس کو حاصل کرنے میں بڑی مشقت کا سامنا ہے، قانون کے باوجود مسلمانوں کی رسائی وہاں تک بہت مشکل ہے، بلکہ

اس کو حاصل کرنے کے لئے رشوت وغیرہ دے کر ان کو راضی کرنا پڑتا ہے، لہذا حل یہی ہے کہ مسلم پرائیوٹ اداروں کو یہ کام کرنا چاہئے، اور غریبوں کی مدد کرنا چاہئے، لیکن وہ بھی مفاد پرست ہیں، غریبوں کو کوئی نہیں پوچھتا، ادارے کیا ہیں بلکہ ایک بزنس ہیں۔ حالانکہ یہ ذمہ داری حکومت کی ہے کہ اقلیتوں اور غریبوں کی تعلیم کا مفت انتظام کرے، اور اولیاء اپنے نوجوان کو بھی تربیت دیں اور نوجوان خود محنت کرے اور کوشش کرے، اب حل یہی ہے کہ خود مسلم ادارے ایمانداری کے ساتھ ادارے شروع کریں، اور غریب طلبہ کی مدد فرمائیں، اہل ثروت حضرات غریبوں کے بچوں کی فیس کا انتظام کریں۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کی شرعی حیثیت

مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ☆

اسلام نے علم کی اہمیت کو جس انداز میں اجاگر کیا ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے، وحی الٰہی کا اقراء سے آغاز اور نوع انسانی کے سب سے پہلے (حضرت آدم علیہ السلام) کو خود رب العالمین کا تعلیم دینا اور یہ فرمانا کہ "علم آدم الأسماء کلها" یہ سب چیزیں روشن دلیل ہیں کہ اسلام نے علم کی اہمیت کو سب سے آگے بڑھ کر محسوس کیا ہے، امت محمدیہ کی دیگر تمام امتوں کے مقابلے میں یہ خصوصیت ہے کہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ نے اپنے ارشاد مبارک میں علم کو فرض سے بڑھ کر فریضہ قرار دیا ہے، اور ارباب علم خوب سمجھتے ہیں کہ فرض اور فریضہ میں کیا فرق ہے فرض کبھی ساقط بھی ہوسکتا ہے لیکن فریضہ کسی حال میں چھوڑا نہیں جا سکتا۔

حضور ﷺ نے اپنے مبارک الفاظ میں بارگاہ الٰہی میں یہ دعا فرما کر" اللهم إنى أعوذبک من علم لا ينفع " اس دعا سے واضح ہوتا ہے کہ علم غیر نافع کو چھوڑ کر علم نافع کے حصول میں دینی اور دنیاوی کی کوئی تحدید نہیں ہے۔

یہ ضرور ہے کہ وہ بنیادی علم جس کا تعلق تخلیق انسانی کے مقصد کے ساتھ ہے وہ ہر شخص پر کم سے کم اتنا ضرور لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ذمہ داریوں کو جن کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی سمجھ سکے اور انجام دے سکے۔

امت محمدیہ کا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس کو اپنے منصب کے اعتبار سے خیر امت،

☆ سابق مفتی اعظم پنجاب، مالیر کوٹلہ، پنجاب۔

قوموں کا امام اور رہنما بنایا ہے، یہ منصب جتنا عظیم ہے اس کے لحاظ سے امت محمد یہ علیہ السلام کے کم سے کم ایک قابل ذکر حصے پر دینی اور دنیاوی علوم کے حاصل کرنے میں بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، واقعۃً تو یہ ہے کہ اپنے علمی معیار، فہم فراست اور وسعت وبصیرت کے اعتبار سے امت محمد یہ کو اس مقام پر ہونا چاہئے کہ وہ دوسری قوموں کے لئے ایک نمونہ اور باعث تقلید بن جائے۔

یہ معاملہ صرف ایک فرد کی علمی قابلیت کا نہیں ہے، بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ مجموعی اعتبار سے امت محمد یہ کے ایک اچھے خاصے حصے کا علمی مقام کیا ہونا چاہئے، تاکہ وہ دوسری قوموں کے رہبر و رہنما ہو سکے۔

کاروان تہذیب کی قیادت اگر چہ عملاً اس وقت امت محمد یہ علیہ السلام کے ہاتھوں میں نہیں ہے مگر یہ امت محمد یہ کا حق بھی ہے، مقام بھی ہے اور اسکی ذمہ داری بھی ہے۔

۱- ہم اس سے صرف نظر نہیں کر سکتے کہ قرآن وحدیث میں گہری بصیرت کے ساتھ ساتھ ہمیں جدید اعلیٰ تعلیم میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے، شریعت کا نقطہ نظر اس کے بارے میں یہی ہے اور مسلمانوں کا رویہ بھی اس سلسلے میں سمٹنے والا نہیں بلکہ پھیلنے والا ہونا چاہئے۔

۲- اس میں شک نہیں کہ جدید اعلیٰ تعلیم کے لئے آج کل اخراجات بہت بڑھ چکے ہیں، حتی الامکان یہ کوشش ہو کہ تعلیمی قرض کی ضرورت پڑے تو بلاسودی قرض حاصل ہو سکے، لیکن اگر بدرجہ مجبوری اس کے سوا چارہ کار نہ ہو تو سرکاری کم شرح سود کو اجرت خدمت سمجھ کر گوارا کیا جا سکتا ہے۔

بشرطیکہ طالب علم یہ سمجھ کر اس کو گوارہ کر رہا ہو کہ میں آگے چل کر اس معاشی نظام کو بدلنے کی کوشش کروں گا تاکہ دنیا میں سودی معاشی نظام کے بجائے غیر سودی اور اسلامی معاشی نظام قائم ہو سکے۔

۳- اعلیٰ تعلیم کی اہلیت کے ساتھ اگر معاشی حالات تعلیمی اخراجات اٹھانے کے متحمل نہیں ہیں تو قرض اسکیم سے بقدر ضرورت فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہوگی۔

۴- عام طور پر تعلیم کی ذمہ داری والدین ہی اٹھاتے ہیں اور جب تک طالب علم اپنی تعلیم سے فارغ ہوکر کسی روزگار سے واسطہ نہیں ہوجاتا والد ہی اس کے ذمہ دار سمجھے جائیں گے، اس لئے اگر والد صاحب استطاعت ہیں تو اس تعلیمی قرض سے بچنا چاہئے جس میں کچھ نہ کچھ سود دینا پڑتا ہے۔

۵- اگر والد اپنی ذمہ داری سے گریز کرتے ہیں اور باصلاحیت طالب علم اپنے شوق کی وجہ سے آگے بڑھنا چاہتا ہے تو اس کو قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کا شرعی حکم

مفتی محبوب علی وجیہی ☆

۱- شریعت اسلامی میں جس سختی کے ساتھ سود کے لین دین کی ممانعت کی گئی ہے وہ آپ پر روشن ہے، لیکن حالات کے تغیر وتبدیل ہوجانے کی وجہ سے قوم وملت کے مصالح کو بھی دیکھنا پڑتا ہے، یہ واقعہ ہے کہ آج کل جو تعلیم ترقی حاصل کرنے کے لئے اور دشمنان اسلام کا جواب دینے کے لئے لازم ہے اسے ایک غریب بچہ حاصل نہیں کرسکتا، اسی لئے مسلمان تعلیم کے میدان میں پسماندہ ہیں اور دوسری قومیں اپنی ٹیکنکل اور سائنس میں اعلی تعلیم کی وجہ سے اتنی آگے بڑھ گئی ہیں کہ مسلمان کا باعزت جینا دشوار ہی نہیں ناممکن ہوگیا ہے، اس لئے دشمن طاقتوں کا جواب دینے کے لئے جدید تعلیم کا حاصل کرنا مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری ہے اگر مسلمانوں کو توفیق ہوتی تو اپنے مال کی پوری زکاۃ نکالتے اور ذہین غریب بچوں پر خرچ کرتے تو ہمیں کسی قرض لینے کی ضرورت نہیں پڑتی، لہذا اگر بچہ کے والدین اس کی تعلیم کے مصارف برداشت نہیں کرسکتے اور بغیر سود کے اسے قرض بھی نہیں ملتا تو پھر بدرجہ مجبوری وہ بینک سے قرض لے سکتا ہے، اور اعلی تعلیم حاصل کرسکتا ہے، الاشباہ والنظائر (ص ۱۱۵) پر ہے: ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح و ذلک نحو أن یقترض عشرۃ دنانیر مثلا ویجعل لربھا شیئا معلوما فی کل یوم ربحا'' اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ ضرورت مند سودی قرض لے سکتا ہے۔

۲- حکومت کا دعوی خواہ کچھ بھی ہو وہ سود ہی کہلائے گا کیونکہ اس نے ربح کو مقرر کردیا ہے

☆ دار العلوم فرقانیہ، انگوری باغ، رامپور (یوپی)۔

اور قرض دینے پر ربح کی شرط لگائی ہے جیسا کہ الاشباہ کی عبارت سے اوپر معلوم ہوا، ہاں اگر بغیر تعیین وشرط کے قرض لینے والا اجرت خدمت سمجھ کر کچھ بڑھا کر دے دے تو یہ سود نہیں ہوگا بلکہ حکومت کی خدمت کے عوض تبرع ہوگا جو درست ہے مگر مذکورہ اضافہ کو اجرت خدمت پر محمول نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ اضافہ سود کہلائے گا۔

۳- ایسے طالب کے لئے مذکورہ اسکیم سے فائدہ حاصل کرنا درست ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

۴- اگر طالب علم بالغ ہے تو والدین کے صاحب استطاعت ہونے سے وہ طالب علم صاحب استطاعت نہیں ہوگا، لہذا والدین اس کی تعلیم پر خرچ کریں تو اسے اس اسکیم سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر والدین خرچ نہ کریں تو پھر اس اسکیم سے اسے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور چونکہ نابالغ بچہ والدین کی کفالت میں ہوتا ہے اس لئے اس کے والدین صاحب استطاعت ہیں تو اسے اس اسکیم سے استفادہ کرنا درست نہیں ہے، اور اگر ماں وباپ صاحب استطاعت نہیں ہیں تو نابالغ طالب علم کو مذکورہ اسکیم سے استفادہ کرنا درست ہے، اور اس صورت کو زکوۃ کے مسئلہ پر قیاس کیا جائے گا کہ جس بچہ کے والد صاحب استطاعت ہوں اور وہ بالغ ہو لیکن وہ صاحب نصاب نہ ہو تو اسے زکوۃ دینا درست ہے اور اگر بچہ نابالغ ہے لیکن اس کے والد صاحب نصاب ہیں تو پھر بچہ بھی صاحب نصاب مانا جائے گا اور اسے زکوۃ دینا درست نہیں لیکن اگر بچہ کے والدین اس کی کفالت نہ کریں تو اسے زکاۃ دینا بھی درست ہے اور اس بچہ کو سود پر قرض لینا تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی جائز ہے، شامی (۱۵/۲) پر ہے: "وإذا كان ولده صغيرا فلا بد عن كونه فقيرا ايضا، لان الصغير يعد غنيا بغني ابيه"، اور زکوۃ میں مسئلہ یہ بھی ہے کہ طالب علم اگر صاحب نصاب ہو تو اسے جب بھی زکوۃ لینا جائز ہے لیکن سود پر قرض لینا جائز نہیں ہوگا، پہلے وہ اپنا مال خرچ کرے اس کے بعد بدرجہ مجبوری سود پر قرض لے سکتا ہے، جیسا کہ الاشباہ والنظائر کے حوالہ سے اوپر گذر چکا۔

۵- مذکورہ صورت میں اگر والدین صاحب استطاعت ہوں تو پھر انہیں اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے پہلے اپنا سرمایہ بچہ پر خرچ کریں اس کے بعد اگر ضرورت ہو تو اس اسکیم سے استفادہ کرنا درست ہوگا، ہاں اگر والدین بچہ کی تعلیم پر خرچ کرنا نہیں چاہتے اور نہ اسے پڑھانا چاہتے ہیں اور بچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر اس صورت میں جبکہ وہ خود صاحب استطاعت ہو تو مسئلہ کا وہی حکم ہے جو نمبر ۴ میں گذر چکا ہے، یعنی پہلے اپنا سرمایہ خرچ کرے اس کے بعد ضرورت ہو تو سود پر قرض لے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض-مسائل واحکام

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

۱- اللہ تعالی نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے، وہ اس کا مکلف ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالی کے قانون کو نافذ کرے،خلیفہ ہونے کی حیثیت سے جہاں ایک طرف اس پر یہ واجب ہے کہ اس کو کتاب وسنت کا علم ہو وہیں دوسری طرف یہ بھی اس پر واجب ہے کہ انسانی تمدن سے متعلق علوم پر بھی اس کی گہری نگاہ ہو، خواہ اس کا تعلق حکومت وسیاست سے ہو، یا طب وسائنس سے ہو، تاریخ وجغرافیہ سے ہو یا صنعت وحرفت سے ہو۔

شریعت کی نگاہ میں تعلیم کی جو اہمیت ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سب سے پہلے وحی جو نازل ہوئی اس میں انسان کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا، اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو علم میں اضافہ کی دعا کرنے کا حکم دیا، اہل علم کے درجات کو بلند کیا، آفاق وانفس میں غور کرنے کی دعوت دی۔

شریعت میں ہر علم نافع کو حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، احادیث میں کثرت کے ساتھ اس قسم کے احکام مذکور ہیں، ایک جنگ کے موقع پر حضور ﷺ نے جنگی قیدیوں کا فدیہ ہی یہ مقرر کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔

اللہ تعالی کے قانون کے مطابق معاشرہ میں زندگی گزارنے کے لئے جن چیزوں کا جاننا انسان کے لئے ضروری ہے ان کا جاننا انسان پر فرض عین ہے، اور جن امور کا تعلق

☆ قاضی شریعت امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

براہ راست اس کی ذات سے نہیں ہے لیکن دنیا کا قائم رکھنا ان پر منحصر ہے ان کا جاننا بھی فرض کفایہ ہے۔

''من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد في إقامة دينه وإخلاص عمله لله تعالى و معاشرة عباده، وفرض على كل مكلف ومكلفة بعد تعلمه علم الدين والهداية، تعلم علم الوضوء والغسل والصلوة.....والبيوع على التجار ليحترزوا عن الشبهات والمكروهات في سائر المعاملات وكذا أهل الحرف وكل من اشتغل بشيء يفرض عليه عمله وحكمه ليمتنع عن الحرام فيه.....

و أما فرض الكفاية من العلم فهو كل علم لا يستغنى عنه في قوام أمور الدنيا كالطب والحساب والنحو واللغة.....وأصول الصناعات والفلاحة كالحياكة والسياسة والحجامة.....'' (ردالمحتار ۱/ ۱۲۵-۱۲۶)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید اعلیٰ تعلیم کا حاصل کرنا شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ ہے اور مسلمانوں کو حاصل کرنا چاہئے لیکن یہ بہر حال فرض عین نہیں ہے، بلکہ فرض کفایہ ہوگا۔

۲- سود کی مقدار کم ہو یا زیادہ بہر حال سود ہے، اور اس کی حرمت قطعی ہے، سود کی کم مقدار کو سروس چارج قرار دینا محل غور ہے، اس لئے کہ اگر وہ خدمت کی اجرت ہو سکتی ہے تو قرض کے دس ہزار روپئے ہونے یا بیس ہزار روپئے ہونے میں محنت کم وبیش نہیں ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود اجرت میں فرق ہوجاتا ہے، نیز وقت میں اضافہ کے ساتھ چارج میں اضافہ ہوجاتا ہے، اس لئے اس کو خدمت کی اجرت قرار دینا انتہائی مشکل ہے۔

۳- جدید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا شرعاً مطلوب ہونے کے باوجود اس کو زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ کہا جاسکتا ہے، اس کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، کیونکہ کسی

اچھے مقصد کے حصول کے لئے ذریعہ بھی اچھا ہونا چاہئے ۔

فرض کفایہ کوادا کرنا ان ہی لوگوں پر ضروری ہوتا ہے جو اس کوادا کرنے کے اہل ہوں، مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اعلیٰ تعلیم کے حصول میں ہونے والے اخراجات کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس لئے جو طالب علم اخراجات کا متحمل نہ ہوگا اس پر اس کا حصول واجب نہ ہوگا، لہٰذا اس کو سودی قرض لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

۴، ۵- طالب علم اگر صاحب استطاعت نہ ہو اس کے باوجود اس کو سودی قرض لینے کی اجازت نہیں ہے، تو صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں تو بدرجہ اولی سودی قرض لینا جائز نہ ہوگا۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کا شرعی حکم

مولانا سلطان احمد اصلاحی ☆

۱- جدید اعلی تعلیم کا حصول امت پر فرض کفایہ ہے اور یہ اسی طرح فرض کفایہ ہے جس طرح علوم دینیہ میں مہارت امت پر فرض کفایہ ہے، اسی کے لحاظ سے مسلمانوں کو جس طرح علوم دینیہ کے ماہرین واختصاصین کے پیدا کرنے میں دلچسپی لینا چاہئے، اسی طرح اسے جدید علوم کے ماہرین پیدا کرنے کے لئے بھی پرعزم رہنا چاہئے، اور اس کے لئے شریعت کے حدود کی پابندی کرتے ہوئے جملہ وسائل کو روبکار لانا چاہئے۔

۲- تعلیمی قرض کے لئے سرکاری بینکوں سے استفادہ کرنے میں حکومت کی اس وضاحت کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے کہ اس پر لیا جانے والا اضافہ سود نہیں بلکہ سروس چارج ہے، بینکوں کے مروجہ نظام میں دیئے جانے والے قرض رقرضوں پر جو اضافی رقم سود یا انٹرسٹ وصول کی جاتی ہے اس میں ان کو چلانے کا سروس چارج کا معمولی صرفہ تو شامل ہوتا ہی ہے، اس سے ہٹ کر ان بینکوں کی پالیسی کا یہ مستقل حصہ ہے کہ وہ ہر نوع کے قرض پر کم یا زیادہ متعین انٹرسٹ وصول کرتے ہیں، اس لئے ان بینکوں سے استفادے میں سروس چارج کے نکتے سے جواز حاصل کرنے کا کوئی خاص وزن نہیں ہے، ان سے استفادہ میں ان کی مذکورہ اصل حیثیت کو مدنظر رکھا جانا مناسب ہے۔

۳- فرض کفایہ کے سلسلے میں یہ نکتہ معلوم ومعروف ہے کہ وہ متعین افراد کی نسبت سے فرض

☆ دودھپور، علی گڑھ (یوپی)۔

عین بن جاتا ہے، سوامت کے جو افراد اعلی تعلیم میں مہارت اور اپنے اندر خصوصی رجحان اور اہلیت محسوس کرتے ہوں ان کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر ان کے خود کے وسائل اس کے مصارف کا تحمل نہ کرتے ہوں۔

۴- صحیح بات تو یہ ہے کہ حدود کی رعایت سے مسلمان باپ کی اولاد کو اعلی تعلیم میں بھرپور دلچسپی لینا چاہئے، لیکن اگر کسی وجہ سے استطاعت کے باوجود وہ اس میں دلچسپی نہ لے تو باپ کی استطاعت کو اولاد کی استطاعت نہیں سمجھا جائے گا، اور طالب علم کے لئے ایسی قرض سے استفادہ جائز ہوگا، بالغ ہونے پر اولاد نرینہ کا نفقہ باپ کے اوپر واجب نہیں رہ جاتا، البتہ حالات کے لحاظ سے یہ اس کے لئے مندوب ومستحسن ضرور رہتا ہے، اعلی تعلیم میں مدد اس سے بھی آگے کا مندوب ہے جس کا اس کو پابند نہیں کیا جاسکتا، اس کے لحاظ سے اعلی تعلیم کا خواہشمند لڑکا اس کے لئے اپنے آپ ذمہ دار ہوگا، باپ اس کی ذمہ داری میں لازمی شریک نہیں ہوگا۔

۵- باپ بیٹے کے صاحب استطاعت ہوتے ہوئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا اسی صورت میں جائز ہوگا جبکہ ان کے اوپر بیٹی کی شادی یا اس جیسی کوئی دوسری ذمہ داریاں ہوں جو تعلیم سے اہم تر ہوں، دوسری صورت میں ان کے لئے اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ محذور سے استفادہ کے جواز کے لئے شرط ہے کہ اس سے بقدر ضرورت ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کی شرعی حیثیت

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

۱- حصول علم کے باب میں شریعت کا نقطہ نظر ملاحظہ کیا جائے، اس سلسلہ میں ہمارے رسول اللہ ﷺ نے امت کو یہ رہنمائی فرمائی ہے، "طلب العلم فریضة علی کل مسلم" الحدیث رواہ ابن ماجه والبیهقی فی شعب الایمان (یعنی علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے) اس سے مراد مطلق علم نہیں ہے بلکہ علم شرعی ہے اور اس کا فرض ہونے کے باب میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور جدید اعلی تعلیم کے حصول کے بارے میں علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر علم دین نہ ہو بلکہ دنیاوی ہو تو اس کو اس مقصد کے لئے حاصل کرنا کہ اسے حصول دنیا کے لئے وسیلہ اور ذریعہ معاش بنایا جائے، کوئی برائی نہیں ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ وہ علم ایسا نہ ہو جس کے حصول کو شریعت درست قرار نہیں دیتی جیسے علم نجوم وغیرہ یا دوسرے ایسے علوم جو عقیدہ وعمل پر اثر انداز ہوتے ہوں تو ایسے علوم کے حاصل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ جدید تعلیم جو آج کی دنیا میں رائج ہے اور علم سائنس سے معروف ومشہور ہے، وہ شریعت کے نقطہ نظر سے رخصت کے درجہ میں ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اس میں حرام علوم کی آمیزش نہ ہو۔

۲- سود بہر حال سود ہے کم لیا جائے یا زیادہ وہ بنص قطعی حرام ہے، نیز زیادہ مدت کے لئے دیا جائے یا کم مدت کے لئے وہ سود ہی رہے گا، گو حکومت کا دعوی ہے کہ اس قرض کا مقصد کمانا نہیں

☆ جامعہ مفتاح العلوم ہتاہی کھڑا سکو۔

ہے پھر بھی وہ سود ہی ہے، تو اس کم شرح سود کو سروس چارج (اجرت خدمت) پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

اگر بغیر سود کے قرض لینا ممکن نہ ہو تو یہ یاد رہنا چاہئے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے جدید اعلیٰ تعلیم کا حاصل کرنا مسلمانوں پر فرض نہیں ہے کہ اس کو ضرورت کے درجہ میں رکھ کر ضابطہ ''الضرورات تبیح المحظورات'' سے اس سودی قرض کو جائز کرنے کی کوشش کی جائے، لہذا اس کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اس میں تو غیروں سے مرعوب ہو کر حرام کو حلال کرنے کی کوشش ہے جو حرام ہے، اگر جدید اعلیٰ علوم حاصل کرنے پر مسلمانوں کو ابھارنا ہے تو اس کے لئے کوئی فلاحی ادارہ قائم کیا جائے جس سے مسلمان طلبہ کی تعلیمی کفالت کی جائے۔

۳- اگر کوئی شخص اعلیٰ تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے یا وہ بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے معاشی حالات اس خرچہ کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں تو علماء کرام و مفتیان عظام نے اس قرض کی اس اسکیم سے جس میں مبلغ چار لاکھ روپے ہیں اور اس میں قرض نہیں ہوتا فائدہ اٹھانے کی اجازت دے سکتے ہیں لیکن سودی قرض کی اجازت نہ دیں۔

۴- اگر خود طالب علم کی معاشی حالت تعلیم کے خرچ کی متحمل نہیں لیکن اس کے والدین میں اس کی صلاحیت ہے تو والد صاحب کے صاحب استطاعت ہونے سے لڑکے کو صاحب استطاعت نہیں سمجھا جائے گا، کیونکہ شریعت اسلامیہ نے اصول فروع کو زکاۃ دینے سے منع کیا ہے، لہذا ایسی صورت میں باپ اپنی اولاد سمجھ کر اس کی تعلیم میں اس کی امداد کرے، اور قرض کے جائز ہونے کا تعلق طالب علم کے اپنے حالات سے ہوگا تو اس کے متحمل نہ ہونے کی وجہ سے ارباب افتاء اس کو اس قرض کی اس اسکیم سے جو چار لاکھ روپے ہیں، سے بغیر سود کے فائدہ اٹھانے کی رخصت دے سکتے ہیں، یا پھر کوئی مسلم تنظیم اس کی تعلیم کے خرچ کا بوجھ برداشت کر سکتی ہے۔

۵- اگر طالب علم صاحب استطاعت ہو اس کے باوجود فی الحال تعلیم میں اپنا پیسہ نہ لگانا

چاہے تو ایسا کرنا درست نہیں ہے اور اس کے لئے اس قرض کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا، کیونکہ قرض لینے کے لئے وہ مجبور نہیں ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کا شرعی حکم

مولانا نورالحق رحمانی☆

انسان کو اللہ رب العزت نے روئے زمین کی خلافت عطا کی ہے، وہ اس روئے زمین کی آبادکاری اور اس کے نظام کو اللہ تعالیٰ کے منشا ومرضی اور اس کے احکام کے مطابق چلانے کا مکلف ہے، اس کے لئے ایک طرف دینی وشرعی علم ضروری ہے تو دوسری طرف وہ تمام علوم و فنون بھی شرعاً مطلوب ہیں جن کی ضرورت انسانی تمدن کو ہے، اس لئے کتاب وسنت کے علم کے ساتھ طب، سائنس، سیاسیات، اقتصادیات ومعاشیات، سماجیات، ارضیات، فلکیات، تاریخ، جغرافیہ، حساب، صنعت وحرفت اور دیگر تمام مفید اور عصری علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے، شریعت کا اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے جس سے وہ اپنی ذات سے متعلق اللہ کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کر سکے اور اپنی انفرادی واجتماعی ذمہ داریوں کو انجام دینے کا اہل بن سکے، اس کے علاوہ دیگر مفید علوم وفنون اور پیشہ ورانہ تعلیم حسب استطاعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، اس لئے ہر وہ علم جس کو انسان کو ضرورت ہے، ملک اور سماج میں ان کے جاننے والوں کی ایک جماعت کا ہونا فرض کفایہ ہے، تاکہ کائنات کا نظام صحیح طور پر چل سکے اور ہر طرح کے ضروری امور انجام پاسکیں۔

۱- جدید اعلیٰ تعلیم کا حصول شرعاً مطلوب ہے اور اس سلسلے میں مسلمانوں کو اپنی وسعت و استطاعت کے بقدر ان کے حصول کی کوشش کرنا چاہئے، لیکن جو لوگ وسائل کی کمی اور معاشی

☆ استاذ المعہد العالی امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

حالت کی کمزوری کی وجہ سے جدید اعلی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے شرعاً ان کے لئے اس کی اجازت نہیں ہو سکتی کہ وہ سرکاری سودی قرض لے کر جدید اعلی تعلیم حاصل کریں، اگر مذہبی وملی مصالح اس کے متقاضی ہیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس مقصد کے لئے کوئی اجتماعی فنڈ قائم کریں اور اس سے ایسے ہونہار مسلم طلبہ کی اعانت کریں جو اس میدان میں آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا کم از کم انہیں ایسی تعلیم کے لئے غیر سودی قرضے فراہم کریں جنہیں وہ برسر روزگار ہونے کے بعد ادا کریں۔

۲- یہ صحیح ہے کہ سرکاری بینک عام معمول کے برخلاف تعلیمی قرضوں میں کم شرح سود لیتے ہیں اور یہ قرض زیادہ مدت کے لئے دیا جاتا ہے، حکومت کا یہ دعوی بھی صحیح ہے کہ اس قرض کا مقصد نفع کمانا نہیں، لیکن شرح سود کے کم یا زیادہ ہونے کی وجہ سے حکم شرعی نہیں بدلتا، شرح سود کم ہو یا زیادہ بہر حال وہ سود ہے اور سرکاری بینک سود ہی کے نام پر لین دین کرتا ہے اور سود از روئے شرع نہ صرف حرام ہے بلکہ وہ سب سے بدتر کمائی ہے، شرعی اصول کی رو سے بطور قرض جو رقم لی گئی ہے، اس رأس المال پر کوئی اضافہ خواہ وہ ایک فیصد ہو یا ایک فی ہزار ہو یا ایک فی لاکھ ہو وہ سب سود ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

''یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربا إن کنتم مؤمنین، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله و رسوله وإن تبتم فلکم رؤس أموالکم لا تظلمون ولا تظلمون'' (سورۂ بقرہ: ۲۷۸-۲۷۹) (اے ایمان والو! اللہ تعالی سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالی سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ، ہاں اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے)۔

معلوم ہوا کہ قرض دینے والے کا رأس المال کی واپسی کے علاوہ کوئی حق نہیں بنتا اور اگر وہ کوئی اضافی رقم لیتا ہے تو خواہ اس کی مقدار کتنی ہی کم ہو وہ شرعاً سود ہے اور بینک سود ہی کے

نام پر اضافی رقم وصول کرتا ہے تو پھر اس کم شرح سود کو سروس چارج (اجرت خدمت) پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے؟ بلاشبہ یہ ایک سودی معاملہ ہے جس کی اجازت شرعاً نہیں دی جا سکتی۔

۳- کسی اچھے مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ بھی صحیح ہونا چاہئے اس لئے ایسا شخص جو تعلیم کے لئے کسی شعبے میں داخلہ کا اہل ہے یا وہ بیرون ملک جا کر اعلی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے معاشی حالات اس خرچ کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں تو ایسے شخص کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہو سکتا جس کی بنیاد سود جیسی خبیث اور قبیح معصیت پر ہو جس کے ارتکاب پر اللہ رب العزت کی طرف سے اعلان جنگ ہے، جن لوگوں کی معاشی حالت اس قابل ہو کہ وہ اس خرچ کو برداشت کر سکیں انہیں اس کے لئے آگے بڑھنا چاہئے، جو لوگ ذاتی اعتبار سے اس کے متحمل نہیں ہیں وہ شرعاً اس کے مکلف بھی نہیں ہیں، ایسے علوم کا حصول زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے، فرض عین بہر حال نہیں ہے کہ اس کے لئے سود کی لعنت مول لی جائے۔

۴- والد اگر اپنے لڑکے کو اعلی تعلیم دلانے کی استطاعت رکھتے ہوں اور وہ بطیب خاطر اس خرچ کے لئے تیار ہوں تو فبہا ورنہ یہ ایسی ضرورت نہیں ہے کہ جس کے لئے طالب علم کو سودی قرض لینے کی اجازت دی جائے۔

۵- صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی تو کسی صورت میں اجازت نہیں دی جا سکتی۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کی حقیقت

مفتی انور علی اعظمی ☆

۱- جدید اعلی تعلیم کے حصول کے بارے میں شریعت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسلمان اپنے بنیادی عقائد اور شرعی احکام کی رعایت وحفاظت کرتے ہوئے سائنس اور ٹیکنالوجی کے سارے علوم حاصل کر سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ علم میں کوئی تقسیم نہیں اور علم کسی کی میراث نہیں ہے، شریعت مطہرہ نے ضروری علوم حاصل کرنے پر کہیں روک نہیں لگائی ہے قرآن وحدیث میں اس کے اشارے موجود ہیں، سیدنا داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

''وعلمناه صنعة لبوس لكم لتحصنكم من بأسكم فهل أنتم شاكرون''(ہم نے داؤد کو زرہ سازی کا فن سکھایا تاکہ وہ تم کو لڑائی سے بچائے تو کیا تم لوگ شکر ادا کروگے)۔

اس کے ساتھ "أعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوا الله و عدوكم" کو بھی ملا لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے لئے ہر وہ علم حاصل کرنا ضروری ہے جس سے وہ دنیا میں بڑی بڑی عسکری قوت کا مقابلہ کرنے کے اہل بن سکیں، اگر غیر مسلم ممالک سائنس اور ٹیکنالوجی کے بل ایٹم بم، بی باون اور ایف سولہ وغیرہ بنا کر اپنی دھاک دنیا پر جما سکتے ہیں تو مسلمانوں کو اس سے طاقتور سامان بنانے کے لئے ان سے زیادہ اونچا علم حاصل کرنا چاہئے اور علم وتحقیق کے میدان میں ان سے زیادہ محنت کرنی چاہئے تب جا کر

☆ مفتی دار العلوم مئو، مئو۔

وہ اللہ کے دشمنوں کو ڈرانے کی پوزیشن میں آ سکتے ہیں، امریکہ اور روس نے ۱۹۴۹ سے پہلے ایٹمی راز حاصل کر لئے اور ہم نے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے اس علم سے کنارہ کشی اختیار کر لی، علمی اور عسکری کمزوری کی وجہ سے ہم بجائے ڈرانے کے ڈرنے کی پوزیشن میں مبتلا ہیں۔

اسی طرح سائنس اور ٹیکنالوجی کا گہرا ربط صنعتی امور سے ہے، مغرب کے صنعتی انقلاب نے ساری دنیا کو متاثر کیا، اس انقلاب میں بنیادی دخل برقی توانائی اور مشینوں کی ایجادات کا ہے اور اس کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم ہی بنیاد ہے، سائکل سے لے کر ہوائی جہاز تک بنانے کے لئے ان علوم کی ضرورت ہے۔

آج کے صنعتی اور مشینی دور میں لوہا بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اس دھات کا ذکر کیا اور حضرت داؤد کے لوہے کو موم کر دیا، قابل ذکر بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں الحدید کے نام سے ایک سورہ ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ دھات اس دور میں کچھ خاص اہمیت رکھتی ہے۔

عسکری، اقتصادی، اور صنعتی میدانوں کے علاوہ زندگی کے مختلف شعبوں میں جدید تعلیم کا پورا پورا دخل ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس کے بغیر چارہ نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ مسلمان قرون اولی کے سائنسدانوں کی طرح یہ سارے علوم اسلام کے دائرہ میں رہ کر حاصل کریں، ان کے حصول کے لئے دین وایمان کی قربانی نہ دیں۔

۲- اس سوال کے جواب کے لئے سب سے پہلے یہ عرض ہے کہ سود نص قطعی سے حرام ہے، اللہ تعالی نے اس کو مٹانے کا اعلان کیا ہے، حدیث پاک میں جان بوجھ کر ایک درہم سود کھانے کو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت گناہ کہا گیا ہے، مشکوۃ شریف میں ہے:

''عن عبد الله بن حنظلة غسیل الملائكة قال: قال النبي ﷺ: درهم ربوا یاكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلثين زنيه'' (رواہ احمد، دار قطنی وروی البیہقی فی شعب الایمان عن ابن عباس ۱/۶ ۴۴-۴۴۵)۔

اس صورت حال میں معمولی شرح سود کو سروس چارج قرار دے کر سود کا دروازہ کھولنا ایک بہت بڑا افساد ہے اور اس کی اجازت دینا اسلام اور مسلمانوں کے لئے کسی طرح مفید نہیں۔

تجربہ بتاتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی کاروباری ترقی کے لئے جہاں سودی کاروبار کو اپنایا، ان کی صنعت تباہ ہوگئی، گورکھپور کے علاقہ میں مسلمانوں نے سرکاری لون لے کر پاورلوم لگایا، وہاں کی پوری صنعت ختم ہوگئی، مئو کے مسلمانوں نے ۱۹۷۰ء کے آس پاس بڑے پیمانے پر بینکوں سے لون لئے علما کے روکنے پر ان کا مذاق اڑایا نتیجہ کے طور پر ان کا سارا کاروبار تباہ ہوگیا، اس لئے مسلمانوں کو اپنی تعلیمی ضرورت کے لئے سودی قرض کے بجائے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

سوال میں یہ کہا گیا ہے کہ تعلیمی قرض میں سرکاری بینک بہت کم سود لیتے ہیں جبکہ آپ کے مرسلہ مضمون میں انجینئر طارق سجاد صاحب لکھتے ہیں: چار سے دس لاکھ میں بینک کی شرح ۱۲ فیصد اور ۱۰ فیصد ہوتی ہے، اور دس لاکھ سے اوپر قرض لینے پر ۱۲ فیصد اور ۱۴ فیصد تک ہوجاتی ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعلیمی قرض میں شرح سود بھرپور رہتی ہے، اور بینک سرکار کی ہدایات پر عمل نہیں کرتے۔

الغرض شرح سود کم ہو یا زیادہ ہم دونوں صورت میں مسلمانوں کے لئے اس کو جائز نہیں سمجھتے۔

۳- اگر ایک شخص اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے یا وہ بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے معاشی حالات اس کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں تو بھی اس کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

۴- طالب علم کے معاشی حالات اس کے متحمل نہیں لیکن اس کے والد اس کی صلاحیت رکھتے ہیں تو والد کے صاحب استطاعت ہونے سے طالب علم صاحب استطاعت نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ طالب علم کی ذاتی حالات کو دیکھا جائے گا کیونکہ شریعت میں بالغ ہوجانے کے بعد

غنی اور فقیر ہونے کے مسئلہ میں لڑکے اور لڑکی مستقل حیثیت رکھتے ہیں، البتہ نابالغ بچے فقر و غنی کے معاملہ میں باپ کے تابع ہوتے ہیں، لیکن تعلیم کے مسئلہ میں سودی قرض کا حکم وہی ہوگا جو اوپر مذکور ہے یعنی طالب علم اس کے لئے غیر سودی قرض حاصل کرے، مسلم تنظیمیں ہونہار غریب طالب علموں کے لئے وظیفہ کا بندوبست کریں کیونکہ یہ ایک ملی ضرورت ہے، یا سرکار سے مطالبہ کریں کہ مسلمان لڑکوں کو اعلی تعلیم کے لئے غیر سودی قرضے دیئے جائیں۔

۵- اگر طالب علم یا والد صاحب استطاعت ہوں اس کے باوجود فی الحال تعلیم میں اپنا پیسہ نہ لگانا چاہیں تو اس اسکیم سے اٹھانا بدرجہ اولی ناجائز ہوگا۔

☆☆☆

قرض لے کر تعلیم حاصل کرنا

قاضی محمد ہارون مینگل ☆

۱- شرعاً کسی بھی کمال کے حصول میں کوئی ممانعت نہیں ہے، بشرطیکہ وہ کمال یا علم دین اور شریعت سے بے گانہ کرنے کا سبب نہ بنے، خدا فراموشی اور دین اسلام سے تنفر تک پہنچانے والے علوم کے حصول کی اسلام اجازت نہیں دیتا ہے۔

لارڈ میکالے کے لائے ہوئے نظام تعلیم کا مقصد وحید ایک خاص قسم کی ذہنیت کے سرکاری ملازم پیدا کرنا تھا، اس لئے اس نظام اور نصاب کے تحت تعلیم پانے والے افراد کا مقصد ملازمتوں کے سوا کچھ نہیں وہ اس تعلیم کے ذریعہ ایک اچھا ذریعہ معاش پیدا کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں، انہیں اپنے عقائد اور دین سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے، حالانکہ تعلیم کا مقصد صرف حصول معاش نہیں بلکہ تعلیم کا مقصد ذات کی تکمیل، اعلی انسانی اوصاف کا حصول، پوشیدہ صلاحیتوں کا نکھار اور حقائق اشیاء (انفس و آفاق) پر غور وتدبر کی صلاحیت پیدا کرنا ہے اگر یہ نظریہ مسلمان طالب علم کے مدنظر ہو تو اسے اعلی تعلیم حاصل کرنے سے اسلام نہیں روکتا۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے دین اور انسانی خدمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعلی تعلیم حاصل کریں، نہ صرف معاش یا ملازمت حاصل کرنے کی خاطر۔

۲- ساری دنیا کے نہ صرف علماء کرام بلکہ ماہرین معاشیات اور مسلم بینکرز اس بات پر متفق

☆ کوئٹہ بلوچستان۔

ہیں کہ بینکنگ انٹرسٹ بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح عام قرضوں کے لین دین پر سود حرام ہوتا ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی کے تقریباً ۴۵ ممالک کے علماء نے بالاتفاق یہ فتوی دیا کہ بینکنگ انٹرسٹ بالکل حرام ہے اور اس کے جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

یہ بھی ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ ''ما حرم کثیرہ حرم قلیلہ''۔

اور شریعت ان چیزوں کو حرام قرار نہیں دیتی ہے جو ناگزیر ہو، ''لا یکلف اللہ نفساً الا وسعها''۔

اگر اس قسم کی ضروریات کی بنیاد پر حرمات قطعیہ کو ہم جائز قرار دیں تو ایک لا تنحل دروازہ کھل جائے گا۔

جہاں تک سروس چارج کا معاملہ ہے تو وہ ان قرضوں کے وجود اور عدم وجود سے قطع نظر وہ مقرر ہے، جو علاحدہ وضع کیا جاتا ہے، لہذا میرے نزدیک یہ حیلہ درست نہیں ہے۔

۳- ہرگز نہیں، اعلی دنیوی تعلیم کے لئے بیرون ملک جانا نہ شرعی ناگریزات میں سے ہے اور نہ ہی شرعاً اعلی دنیوی تعلیم حاصل کرنا لابدی ہے، آج کل دنیوی تعلیمات کی اکثریت معاشی ضروریات میں ہیں نہ کہ دینی، اس لئے ان کے لئے محرمات کے جواز کی تلاش درست نہیں ہے۔

۴،۵- کا جواب بھی آ گیا کہ اس سے جواز ثابت نہیں ہوتا ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض اور اسلام

مولانا عبدالحی مفتاحی ☆

جدید اعلی تعلیم کا حصول قاعدہ فقہیہ ”الاصل فی الاشیاء الاباحة“(قواعد الفقہ رص ۵۹) کے پیش نظر بغرض صحیح مباح بلکہ مستحسن ہے، نیز یہ تعلیم معاشرتی زندگی میں خوشگواری اور روشن مستقبل کا پیش خیمہ ہے، اس لئے مسلمانوں کو اسے حاصل بھی کرنا چاہئے۔

جدید اعلی تعلیم کے حصول کے لئے تعلیمی قرض چاہے کم شرح سود کے ساتھ ہو یا زیادہ شرح سود کے ساتھ، بیرون ملک جاکر ہو یا اندرون ملک طالب علم کی معاشی حالت تعلیم کے اخراجات کے متحمل ہو یا نہ ہو سرپرست صاحب استطاعت ہوں اور تعلیمی اخراجات کا تحمل کرسکیں یا نہ کرسکیں بہرصورت یہ ربو النسیہ ہی کی ایک شکل ہے اور ربو النسیہ مطلقا (بلا کسی تفصیل قلیل وکثیر اور شرط) قرآن وحدیث کے فیصلے کے مطابق حرام ہے اس لئے سوالنامہ میں مذکور اسکیم سے فائدہ اٹھانا حرام اور ناجائز ہوگا۔

مقدمہ اول کی دلیل ربو النسیہ کی حقیقت پر موقوف ہے، اس لئے پہلے ربو النسیہ کی تعریف درج کی جاتی ہے:

۱- محمد علی الصابونی ربو النسیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”فهو الذی کان معروفا في الجاهلية وهو أن يقرضه قدرا معينا من المال إلى زمن محدد کشهر أو سنة مثلا مع اشتراط الزيادة فيه نظير امتداد

☆ مدرسہ منبع العلوم، خیرآباد مئو۔

الاجل" (روائع البیان ۱/ ۳۹۱)۔

۲-علامہ ابن قیم الجوزیہ ربو النسیہ کی تعریف میں رقم طراز ہیں:

"فربوا النسية وهو الذي كانوا يفعلو نه في الجاهلية مثل أن يؤخر دينه ويزيده في المال و كلما أخره زادوا في المال حتى تصير المأة عنده آلافا مؤلفة" (اعلام الموقعین ۲/ ۱۳۹)۔

۳-امام فخر الدین رازی ربو النسیۃ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

"أما ربوا النسية فهو الأمر الذي كان مشهورا في الجاهلية وذلک أنهم كانو يدفعون المال على أن ياخذوا كل شهر قدرا معينا ويكون رأس المال باقيا ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال إن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق و الاجل" (التفسیر الکبیر ۴/ ۷۵)۔

مذکورہ بالا تعریفات سے مشترکہ طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ربوا النسیۃ کے لئے عقد قرض کے وقت زیادتی کی شرط ہونی چاہئے اور زیر بحث مسئلہ تعلیمی قرض میں بھی یہ بات موجود ہے۔

مقدمہ ثانی کی دلیل ملاحظہ ہو:

۱-باری تعالی کا ارشاد ہے:"أحل الله البيع و حرم الربوا" (بقرۃ:۲۷۵)۔

اس آیت میں بلا کسی تفصیل قلت وکثرت اور شرط کے ربوا کی حرمت وارد ہوئی ہے اور ربوا سے مراد ربوا النسیہ ہے، جیسا کہ امام فخر الدین رازی آیت مذکورہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"إنما يتناول العقد المخصوص الذي كان مسمى فيما بينهم بأنه ربوا وذلک هو ربوا النسية فكان قوله تعالى "حرم الربوا" مخصوصا بالنسية" (التفسیر الکبیر ۴/ ۷۵)۔

۲-"یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربوا إن کنتم مؤمنین" (بقرہ ۲۷۸)۔

۳-"یا أیها الذین آمنوا لا تأکلوا الربوا أضعافا مضاعفة واتقوا الله لعلکم تفلحون" (آل عمران/ ۱۳۳)۔

۴-عن عبد الله بن حنظلة قال قال رسول الله ﷺ: "درهم ربا یاکله الرجل وهو یعلم أشد من ستة و ثلاثین زنیة" (مسند احمد ۶/ ۳۹۴ رقم حدیث ۲۱۴۵۰)۔

۵-"عن جابر قال: لعن رسول الله ﷺ آکل الربوا وموکله و کاتبه و شاهلیه وقال وهم سواء" (رواہ مسلم اکمال المعلم بفوائد مسلم ۵/ ۲۸۳)۔

۶-قال محمد رحمه الله تعالی فی کتاب الصرف: "أن أباحنیفة کان یکره کل قرض جر منفعة۔ قال الکرخي: هذا إذا کانت المنفعة مشروطة في العقد" (المحیط البرہانی ۸/ ۲۴۴)۔

مذکورہ بالا تمام قرآنی نصوص احادیث کریمہ اور فقہی روایات ربو النسیئۃ کے مطلقا (بلا کسی تفصیل قلت وکثرت) حرام ہونے کو بتاتی ہیں لہذا زیر بحث اسکیم سے فائدہ اٹھانا خواہ کم شرح سود ہو جائز نہیں ہوگا اور کم شرح سود کو اجرت خدمت پر محمول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ربو النسیئۃ کا قلیل وکثیر سب حرام ہے۔

عبداللہ بن حنظلہ کی حدیث کے لفظ "درهم ربا الخ" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قلیل وکثیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور جہاں تک علامہ ابن نجیم مصری کے قول "یجوز للمحتاج بالربح الاستقراض" (الاشباہ مع الحمو ۱/ ۲۹۴) سے استدلال کرتے ہوئے جدید اعلی تعلیم کے حصول کو حاجت قرار دے کر زیر بحث مسئلہ کو جائز قرار دینے کی بات ہے تو وہ درست نہیں ہے، کیونکہ جدید اعلی تعلیم کا حصول حاجت نہیں ہے جیسا کہ حاجت کی فقہی تعریف سے سمجھ میں آتا ہے۔

حاجت کی تعریف میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی عبارت یوں درج ہے:

''حاجت کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ ممنوع چیز استعمال نہ کرے تو ہلاک نہیں ہوگا مگر مشقت اور تکلیف شدید ہوگی (اور ظاہر ہے کہ جدید اعلیٰ تعلیم کے عدم حصول سے مشقت اور تکلیف شدید نہیں ہے، لہذا یہ حاجت میں سے نہیں ہے)، یہ صورت اضطرار کی نہیں اس لئے اس کے واسطے روزہ، نماز، طہارت وغیرہ کے بہت سے احکام میں رعایت اور سہولت تو دی گئی ہے مگر اس حالت میں حرام چیزیں نص قرآنی کے تحت حلال نہیں ہوں گی'' (جواہر الفقہ ۲/ ۲۸ بحوالہ شرح الاشباہ والنظائر للحموی)۔

معلوم ہوا کہ نشان زدہ اسکیم سے فائدہ اٹھانا سوالنامہ میں مذکور تمام صورتوں میں ناجائز اور حرام ہے۔

☆☆☆

تعلیم کے لئے قرض حاصل کرنا

مفتی سراج احمد ملی ☆

۱- شریعت اسلامیہ کسی بھی شعبہ میں اختصاص رکھنے والے اسکالر کی رائے کا اس کے شعبہ اختصاص میں اعتبار کرتی ہے، اور ضرورت و اہمیت کے مطابق کبھی اس اسکالر میں مسلم و متدین ہونے اور کبھی ایک سے زائد کی رائے کے تطابق کی قید لگاتی ہے اور کبھی نہیں لگاتی، مثلاً پانی کی مقدار کے بارے میں "فیوخذ بقول رجل له بصارة في الماء" کی نظیر کتب فقہ میں موجود ہے۔

فقہاء کرام کا یہ موقف اس امر پر شاہد ہے کہ جدید اعلی تعلیم کے حصول کے بارے میں شریعت کا نقطۂ نظر نہ صرف جواز کا ہے، بلکہ ایک طرح سے ان کی اہمیت افزائی کا ہے، اس لئے کسی بھی جدید اعلی تعلیم کے حصول میں جبکہ وہ عام انسانیت کے لئے ممد ومعاون ہو اور اسلامی تعلیمات ونظریات سے متصادم نہ ہو مسلمانوں کا رویہ موافقانہ ہی ہونا چاہئے۔

۲- محض اس بنا پر اسے سروس چارج قرار دینا مناسب نہیں ہے، وہ سود ہے سود ہی قرار دیا جائے، معاملے کو سودی تسلیم کرتے ہوئے بھی ضرورت مندوں کے لئے راہ "ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" موجود ہے، سروس چارج قرار دینے میں دیگر امور میں بھی اس علت کا تعدیہ کیا جائے گا، اس طرح حرمت ربوا جو اسلام کا ایک امتیازی حکم ہے کا ختم کرنا لازم آئے گا۔

☆ مالیگاؤں، مہاراشٹرا۔

۳- اگر کوئی شخص اعلیٰ تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے، یا بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کے معاشی حالات اس کے متحمل نہ ہوں اور کہیں سے اس مقصد کے لئے اتنی مدت تک کے لئے غیر سودی قرض نہ مل سکے تو اس کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

۴- اگر خود طالب علم کی معاشی حالت اس کی متحمل نہیں ہے، اس کے والد اس کی صلاحیت رکھتے ہیں مگر وہ اس خرچ کو برداشت کرنے سے انکار کردیں تو چونکہ یہ طالب علم شرعاً بالغ ہے، اس لئے اس کے والد کے صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے طالب علم کو صاحب استطاعت نہیں سمجھا جائے گا، یعنی والد کے انکار پر قرض کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا تعلق طالب علم کے اپنے حالات سے ہوگا۔

۵- اگر کوئی قانونی دشواری ہو کہ ٹیکس کی بہتات ہو جائے گی اس سے بچنے کے لئے ایسا کریں، یا مستقبل قریب میں کسی اور معاملہ کے لئے روپیہ کو مختص کر رہے ہوں، اس لئے فی الحال اس کام میں روپیہ نہ لگانا چاہ رہے ہوں تو بھی اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہونا چاہئے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض سے فائدہ حاصل کرنا

مولانا عطاء اللہ قاسمی ☆

بلاشبہ افراد و اقوام کی عزت وسر بلندی تعلیم کے ساتھ وابستہ ہے، اسلام دین فطرت ہے وہ اس حقیقت کو نظر انداز کیسے کرسکتا ہے؟ چنانچہ اسلام میں دینی تعلیم تو مطلوب ہے ہی ساتھ ہی ہر علم نافع، نفع بخش علم وہنر اور باعزت پیشہ کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، اور ان کے حصول کی ترغیب اوروں سے زیادہ ہی دی ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کا سکہ چل رہا ہے، سرمایہ دارانہ ذہنیت کا چلن عام ہے، ہر چیز ہر کام یہاں تک کہ تعلقات کو نفع نقصان کے معیار سے ناپنا اور اس کا خاصہ ہے، کسی بھی چیز کی اچھائی اور برائی نفع نقصان کی بنیاد پر ہی طے ہورہی ہے، موجودہ دور کی تعلیم جو درحقیقت پیشہ وہنر کسب وتجارت کی تعلیم ہے اگر اس ذہنیت نے تجارت کی تعلیم کو تجارت بنادیا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، جو اسے بدقسمتی کہا جائے۔

یہ تعلیم اگر تجارت نہ ہوتی تو بینک اس میں ہاتھ کیوں ڈالتے؟ بینک تعلیم کے لئے جو قرض دیتے ہیں چاہے وہ کسی نام سے دیں وہ بہر حال سودی قرض ہے، تعلیم کے لئے سودی قرض ضرورت واضطرار کے دائرہ میں نہیں آتا، اس لئے اس کے جواز کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، سودی قرض کے جواز کی بنیادی شرط ضرورت و اضطرار ہے، "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الاشباہ والنظائر)۔

☆ جامعہ عربیہ امداد العلوم کوپاگنج، مئو۔

تعلیمی قرض کے جواز وعدم جواز سے قطع نظر حصول قرض کے مختلف مراحل پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بجائے خود ایک مسئلہ ہے جو امیدوار کی تعلیمی حرج کا سبب بن سکتا ہے نہ کہ مسئلہ کا حل۔

حصول قرض کی اسکیموں کی جانکاری حاصل کی جائے پھر بینکوں سے رجوع کیا جائے، بینک مسلم امیدواروں کے معاملہ میں ٹال مٹول کرتے ہیں، کوشش پیروی سے درخواست منظور ہوگئی تو پھر ضمانت دار (جو اولا کہ اس کے والدین ہی ہوں گے) کی آمدنی کی تحقیق وتفتیش ہوگی، اس مرحلہ میں درخواست عموما نامنظور ہوجاتی ہے، خوش قسمتی سے یہ مرحلہ سر ہوگیا اور قرض حاصل ہوگیا اور امیدوار تعلیم مکمل کرنے کے بعد قرض کی ادائیگی نہیں کرپاتا ہے تو بینک اس کے ضمانت دار سے وصولی قرض کا حقدار ہوگا۔

کیا ہماری ملی غیرت وحمیت اس کی اجازت دیتی ہے کہ ہم اپنے بہترین دماغ اور اعلی استعداد کے ہونہاروں کو یونہی بے یارومددگار چھوڑ دیں اور سود خوار بینک ان کا استحصال کریں، کھلی ہوئی بات ہے کہ ملت اسلامیہ میں جدید اعلی تعلیم کے ماہرین کا وجود ایک ملی ضرورت ہے تو ملی تنظیموں کو مخصوص چندوں سے یا پھر اوقاف کو منظم کرکے انہیں مہنگی لیکن ضروری تعلیم کا انتظام کرنا چاہئے اور کم از کم ان طلبہ کی بھرپور مدد کرنی چاہئے۔

جوابات:

۱- انسانیت کے لئے نفع بخش اور مفید اعلی تعلیم کا حصول ایک ملی ضرورت (فرض کفایہ) ہے، اس کے تئیں مسلمانوں کا رویہ مثبت ہونا چاہئے۔

۲- بینک اور سود لازم وملزوم ہیں، بغیر سود کے بینک کا تصور نہیں ہوسکتا، سود کو سروس چارج پر ہرگز محمول نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ حق الاجرت محنت کے مطابق ہوا کرتی ہے، نہ کہ ہر حال میں یکساں، جبکہ سود کی شرح متعین اور ہر حال میں یکساں رہتی ہے۔

۳- اگر ایک شخص اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے، اس لئے وہ بیرون ملک تعلیم

حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے معاشی حالات اس کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں تب بھی اس کے لئے اس قرض کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

کیونکہ یہ سودی قرض ہے، اور اس صورت میں اس کے جواز کی شرطیں مفقود ہیں۔

۴- اگر خود طالب علم کی معاشی حالت اس کی متحمل نہیں لیکن اس کے والد صاحب استطاعت ہیں تو اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کے لئے والد کا صاحب استطاعت ہونا متبادل موجود ہے، اس کی موجودگی میں سودی قرض جائز نہیں ہوگا۔

۵- اگر طالب علم یا والد صاحب استطاعت ہوں، اس کے باوجود تعلیم میں پیسہ نہیں لگانا چاہتے تو اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ مبتلی بہ صاحب استطاعت ہونے کے سبب اضطراری صورت حال کے دائرہ سے باہر ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض

مفتی اسماعیل بھڈکودروی ☆

۱- دینی اور دنیوی روحانی اور جسمانی ضرورتوں سے متعلق جتنے علوم رائج ہیں ان کا حصول مسلمانوں کے لئے فرض کفایہ کے درجہ میں ہے اور اس سلسلے میں ہر علاقہ کے مسلمانوں میں چند افراد ایسے ہونے چاہئے جو ان علوم کو حاصل کریں تا کہ فرض کفایہ کی ادائیگی بھی ہو جائے اور مسلمانوں کی ضرورتیں بھی پوری ہوں۔

"واعلم ان تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه وفرض كفاية وهو مازاد عليه لنفع غيره (در) قوله و فرض كفاية الخ عرفه في شرح التحرير بالمتحتم المقصود حصوله من غير نظر بالذات إلى فاعله قال فيتناول ما هو ديني كصلاة الجازه و دنيوى كالصنائع المحتاج اليها...... قال في تبيين المحارم وأما فرض الكفاية من العلم فهو كل علم لا يستغنى عنه في قوام أمور الدنيا كالطب والحساب والنحو واللغة والكلام والقراآت وأسانيد الحديث وقسمة الوصايا والمواريث والكتابة والمعاني والبديع والبيان والأصول ومعرفة الناسخ والمنسوخ والعام والخاص والنص والظاهر وكل هذه آلة لعلم التفسير والحديث وكذا علم الآثار والأخبار والعلم بالرجال وأساميهم وأسامي الصحابة وصفاتهم والعلم بالعدالة في الرواية والعلم

☆ دارالعلوم کنتھاریہ بھروچ گجرات۔

بأحوالهم ليتميز الضعيف من القوى والعلم بأعمارهم وأصول الصناعات والفلاحة كالحياكة والسياسة والحجامة" (شامی نعمانیہ ۲۹/۱، ۳۰ مطلب فی فرض الکفایۃ و فرض العین)۔

۲- سود کی قرآن وحدیث میں صریح حرمت وارد ہوئی ہے اور اس پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں اور اسی وجہ سے ربا اور شبہ ربوا سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے اور سود کی قلیل وکثیر مقدار کی حرمت میں شریعت نے کوئی فرق بیان نہیں کیا ہے، لہٰذا سرکار کے تعلیمی قرض کے قلیل شرح سود کو سروس چارج پر محمول کرنا درست معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ تعلیمی قرض پر سود کے نام سے دی جانے والی زائد رقم پوری انتظامی خرچ میں استعمال ہوجاتی ہے یا کچھ بچ بھی جاتی ہے، قرض لینے والے کو اس کا علم نہیں ہوسکتا۔

۳- چونکہ یہ اسکیم سودی قرض پر مشتمل ہے اور اعلیٰ تعلیم کے خواہش مند کے لئے اعلیٰ تعلیم اس کی ضرورت شدیدہ نہیں ہے، لہٰذا اس کے لئے سودی قرض کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

۴، ۵- اس کا جواب- نمبر ۳ سے واضح ہوجاتا ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کا حصول اور اس سے استفادہ

قاضی محمد زاہد حسین قاسمی ☆

مذہب اسلام نے علم کا حاصل کرنا ہر انسان کے لئے فرض قرار دیا ہے جبکہ دوسرے مذاہب نے حصول علم کو ہر انسان کا بنیادی حق قرار دیا ہے، حق اور فرض کے درمیان جو فرق ہے اسے ہر ذی شعور جانتا اور سمجھتا ہے کہ حق کو صاحب حق چھوڑ بھی سکتا ہے مگر فرض کو نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔

حصول علم کی اس اہمیت کے باوجود آج قوم مسلم کا تعلیمی میدان میں جو حال ہے وہ ناقابل بیان ہے، جب کہ حضور علیہ السلام نے علم نافع کی دعا کر کے امت کو سبق دیا کہ ہر وہ علم جو نافع ہو اسے حاصل کرو۔

بدقسمتی سے اس دور مادیت نے ہر شی کو مادیت کا جامہ پہنا دیا جس سے تعلیم وتعلم کا شعبہ بھی محفوظ نہیں رہ سکا، نتیجۃً علم کا حصول مشکل اور دشوار ہو گیا کہ کیا دینی علوم کیا جدید اعلیٰ تعلیم دونوں کا حصول درجہ بدرجہ دشوار ہے۔

آج دنیا جس کو جدید اعلیٰ تعلیم کہہ رہی ہے مثلاً انجینئرنگ، میڈیکل، زراعت، مینجمنٹ، کمپیوٹر سائنس وغیرہ ان سب کے حصول کا مقصد طلب معاش ہے، اور اسلام نے طلب معاش کی نہ صرف ترغیب دی ہے بلکہ حکم دیا ہے کیونکہ معاشی زندگی میں خوش گواری کے اثرات انسان کے عبادات، عقائد ومعاملات اور اعمال واخلاق پر پڑتے ہیں:

☆ امارت شرعیہ، پلانٹ سائٹ روڈ، راورکیلا۔

''كاد الفقر أن يكون كفرا'' (مشکوۃ شریف ۴۲۹)۔

حضور ﷺ نے فرمایا:''إذا صليتم الفجر فلا تنوموا عن طلب أرزاقكم'' (کنز العمال)۔

(جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی طلب کو چھوڑ کر سونے کی کوشش نہ کرو)۔

دوسری طرف ملکی وغیر ملکی سطح پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا رویہ جدید علوم کے حصول کے تئیں بیحد افسوسناک ہے، جس کی جہاں بہت ساری وجوہات ہیں ان میں ایک بہت بڑی وجہ مالی دشواری ہے۔

اس لئے میری ناقص رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایسے جدید علوم کو حاصل کرنا چاہئے جو نفع بخش ہوں اور مالی مشکلات کو دور کرنے کے لئے سرکاری بینک سے تعلیمی قرض لینا چاہئے۔

اب رہی بات یہ کہ اس قرض پر جو زائد رقم بینک لیتی ہے وہ سود ہے یا سروس چارج۔

تو میری ناقص رائے یہ ہے کہ اس زائد رقم کو سود پر محمول نہ کیا جائے بلکہ اسے سروس چارج اور اجرت خدمت پر محمول کیا جائے، کیونکہ تعلیم کی اصل ذمہ داری تو حکومت کی ہے، جس سے وہ راہ فرار اختیار کرتے ہوئے صرف رقم کا انتظام بطور طویل المیعاد قرض کے کرتی ہے، جس کی فراہمی و ادائیگی وغیرہ کے لئے دفاتر کا قیام اور ملازمین کا انتظام کرنا پڑتا ہے جس پر اخراجات آتے ہیں جس کو پورا کرنے کے لئے مدیون سے کچھ زائد رقم بینک وصول کرتا ہے، لہذا یہ زائد رقم اجرت خدمت ہے نہ کہ سود۔

چنانچہ مفتی نظام الدین فرماتے ہیں:

''آج کل حکومت نے اقتصادی ترقیات کے لئے جو مختلف محکمے کھول رکھے ہیں ان میں عموماً حکومت کا مقصود سودی کاروبار کرنا یا زراندوزی وغیرہ کا مقصد نہیں ہوتا بلکہ محض عوام کا اقتصادی و معاشی سدھار اور عوامی بے روزگاری اور پریشان حالی دور کرنے میں سعی کے درجہ کی ایک چیز ہے، جیسے پروجیکٹ وغیرہ کے محکمے اور اسی وجہ سے جب کوئی شخص محکمہ سے محض قرض

طلب کرتا ہے جب بھی بسا اوقات محکمہ نقد قرض نہیں دیتا بلکہ اس کے کاروبار اور روزگار کی تحقیق و تفتیش کے بعد اس کے مناسب حال مشین ودیگر سامان وغیرہ بہت سستے داموں پر چھوٹی قسطوں پر ادھار دیتا ہے اور نقد بہت تھوڑی مقدار کام چلانے کے لئے دیتا ہے جیسا کہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے پھر اس شخص کے کاروبار کی نگرانی بھی محکمہ کرتا ہے اور اس کاروباری کو رہنمائی اور مفید مشورے بھی کاروبار کے سلسلے میں دیتا رہتا ہے پھر ان کاموں کے لئے اور اپنی دی ہوئی رقم ٹھکانے لگتی ہے کہ نہیں اس کا انتظام درست رکھنے کے لئے بہت سے ملازمین کلرک انسپکٹر وغیرہ بھی رکھنے پڑتے ہیں دفاتر بھی قائم کرنے پڑتے ہیں پھر ان اخراجات کو پورا کرنے اور درست رکھنے کے لئے دیئے گئے ادھار سامان کی قسطوں کے ساتھ کچھ رقم سود کے نام سے وصول کرتی ہے۔

پس اگر یہ بات صحیح ہے تو اس زائد رقم کو سود کا نام دینا شرعا ضروری نہ ہوگا، بلکہ انتظامی اخراجات کی فیس بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ محکمہ چونکہ مسلم نہیں ہے اس لئے وہ شرعی اصطلاحی الفاظ بولنے کا نہ تو پابند ہے اور نہ اس کا پابند کیا جاسکتا ہے (منتخبات نظام الفتاوی ۲۱۸/۱)۔

اگر کوئی شخص اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے یا وہ بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے معاشی حالات اس کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں تو اس کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا، اگر چہ اس کے والد صاحب استطاعت ہوں، اور قرض کے جائز ہونے اور نہ ہونے کا تعلق طالب علم کے اپنے حالات سے ہوگا۔

البتہ اگر طالب علم صاحب استطاعت ہو، اس کے باوجود فی الحال تعلیم میں اپنا پیسہ نہ لگانا چاہتا ہو تو اس کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا۔

جیسا کہ الاشباہ والنظائر مع الحموی مطبوعہ مکتبہ فقیہ الامت دیوبند کے اس قاعدہ ''الحاجة تنزل منزل الضرورة'' (الاشباہ والنظائر مع الحموی رص ۳۲۷) سے معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو طالب علم صاحب استطاعت نہ ہو اس کے لئے تعلیمی قرض لینا جائز ہوگا اور جو صاحب استطاعت ہو اس کے لئے نا جائز ہوگا۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کا حکم

مولانا اشتیاق احمد اعظمی ☆

۱- کوئی بھی مسلمان اپنے بنیادی عقائد اور شرعی فرائض و واجبات کی مخالفت کرتے ہوئے جدید تعلیم حاصل کرسکتا ہے، علم میں کسی طرح کی تقسیم نہیں اور نہ علم کسی کی میراث ہے، شریعت نے ضروری علوم حاصل کرنے پر کہیں کوئی پابندی نہیں لگائی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالی نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''**وعلمناه صنعة لبوس لكم لتحصنكم من بأسكم**'' (سورۂ انبیاء/ ۸۰)، اس آیت میں اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو آلات حرب کی صنعت کا علم حاصل کرنا چاہئے، دوسری جگہ قرآن میں وارد ہے:

''**وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم**'' (انفال: ۶۰)، اس آیت میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو بھرپور جنگی تیاری کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے جس کے ذریعہ وہ اللہ اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کرسکیں۔

حدیث میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے: ''**قال: سمعت رسول الله ﷺ وهو على المنبر يقول: وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة، ألا إن القوة الرمي ألا إن القوة الرمي، ألا إن القوة الرمي**'' (رواہ مسلم)۔

حضور ﷺ نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے صحابہ کو جنگی قوت حاصل کرنے پر کافی زور

☆ استاذ دار العلوم مئو۔

دیا اور من قوۃ کی تفسیر اپنے زمانہ کے لحاظ سے رمی ((تیر اندازی) سے کی اور تاکید تین بار فرمائی، آج کے دور میں جو جدید اسلحے اور جدید ٹیکنالوجی ہے جنگی ہوائی جہاز، ایٹم بم کی قوت حاصل کرنا، یہ سب امور مسلمانوں کو حاصل کرنا نہایت ضروری ہیں، اس کے بغیر دشمن کو مرعوب نہیں کیا جا سکتا۔

صنعتی انقلاب نے دنیا میں دھوم مچا رکھی ہے، مسلمانوں کو اس فلڈ میں بھی آگے آنے کی ضرورت ہے، صنعتی اور حربی میدانوں کے علاوہ دیگر جدید تعلیمی میدانوں میں مسلمانوں کو گھسنا ضروری ہے مگر ایک چیز ضروری ہے وہ جو کچھ پڑھیں یا سیکھیں اپنے اپ کو مسلمان رکھتے ہوئے سیکھیں اور دوسروں کو بھی سکھائیں۔

۲- اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ سود نص قطعی سے حرام ہے، قرآن پاک میں سود لینے اور دینے والوں پر اللہ تعالی نے لعنت کی ہے، اور اس کو مٹانے کا اعلان کیا ہے:

"أحل الله البيع وحرم الربوا"، دوسری جگہ ارشاد ہے: "يمحق الله الربوا ويربي الصدقات"۔

حدیث میں ایک درہم سود جان بوجھ کر کھانے کو ۳۶ بار زنا کرنے سے زیادہ سخت قرار دیا ہے، مشکوۃ شریف (۱/ ۲۴۵) پر یہ روایت مذکور ہے:

"عن عبد الله بن حنظلة -غسيل الملائكة- قال قال النبي ﷺ: درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلثين زنية"، ایسی صورت میں معمولی شرح سود کو سروس چارج قرار دے کر سود کا دروازہ کھولنا بالکل ناجائز ہے، مسلمانوں کو اپنی تعلیمی ضرورت کے لئے سودی قرض کے بجائے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

۳- چونکہ یہ قرض سود پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے کسی بھی صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

۴- قرض کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا تعلق طالب علم کے ذاتی حالات سے ہوگا نہ کہ اس

کے والد کے صاحب استطاعت ہونے یا نہ ہونے سے ہوگا، کیونکہ بلوغت کے بعد غنا اور فقر کے تعلق سے لڑکا اور لڑکی مستقل حیثیت کے مالک شرعا ہوا کرتے ہیں، البتہ نابالغ بچہ فقر وغنی کے معاملہ میں باپ کے تابع ہوا کرتا ہے۔

بنابریں مذکورہ صورت میں بھی طالب علم کے لئے سودی قرض لینا جائز نہیں، کہیں سے غیر سودی قرض لے کر تعلیم کو جاری رکھے، مسلم تنظیمیں ایسے غریب اور نادار طلبہ کے لئے وظیفہ کی اسکیمیں جاری کریں اور ملت کی خدمت کریں، یا کم از کم سرکار سے یہ مطالبہ کریں کہ مسلمان طالب علموں کی اعلی تعلیم کے لئے غیر سودی قرض کا بندوبست کیا جائے۔

۵- چونکہ یہ قرض اسکیم سود پر مشتمل ہے، اس لئے کسی بھی صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا۔

☆☆☆

تعلیمی قرض اور اس کے احکام

مولانا ارشد مدنی چمپارنی ☆

۱ – مذہب اسلام کی نگاہ میں تعلیم کی اہمیت دیگر چیزوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ اسلام کی نظر میں تعلیم خود مقصود ہے۔ وسیلہ اور سبب نہیں۔ اسلام پہلا مذہب اور تمدن ہے، جس نے تعلیم کو ہر انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیا ہے۔ مولانا سید عزیز الرحمن نے مختلف حوالوں کی روشنی میں لکھا ہے کہ تعلیم کے متعلق اسلام کا جو نظریہ ہے وہ اس سے قبل متصور نہ تھا۔ اسلام کے قبل ہر معاشرہ اور قبیلہ صرف اپنے اعلی طبقے کی تعلیم پر قانع تھا، اور وہ قبیلے کے سردار اور امراء وغیرہ اور مذہبی پیشواؤں کی تعلیم وتربیت کو ضروری قرار دیتا اور اس کا اہتمام کرتا تھا۔ عام افراد اس تعلیمی نظام سے خارج سمجھے جاتے تھے، انہیں طبقۂ اشرافیہ کی طرح تعلیم حاصل کرنے کا حق نہ تھا۔ یہاں تک کہ یونان اور چین کے ہاں بھی، جنہوں نے علم وتمدن کے میدان میں نمایاں بلکہ غیر معمولی ترقی کی، تمام انسانوں کی تعلیم کا کوئی تصور نہ تھا۔ بلکہ وہ اہل علم کے ایک خاص طبقے کی تعلیم کے محرک اور داعی تھے، افلاطون بھی فلاسفہ اور اہل نظر کے ایک مخصوص طبقے ہی کو اس امتیاز سے نوازتا ہے (تعلیمات نبوی اور آج کے زندہ مسائل/ ۲۵۶ بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا ۱۹۸۴ء ۶/ ۱۸-۳۱۷، اسلامی نظریہ حیات/ ۴۲۰)۔

مذہب اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے، جس نے سب سے پہلے بلاتفریق طبقات وقبائل وبلاتخصیص مرد وزن سب کے لئے بلا امتیاز وبلااختصاص عام تعلیم کی آواز بلند کیا۔ اور

☆ جامعہ ابن تیمیہ، چمپارن۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:" طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم"(علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد وعورت) پر فرض ہے)۔

اس حدیث میں تعلیم حاصل کرنا ہر چھوٹے بڑے، امیر وغریب ،مرد وعورت اور کالے وگورے پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں ہر وہ علم وفن حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہو، اسلام کی نگاہ میں ہمہ وقت ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو تعلیم وتربیت یافتہ ہو اور وہ انسانی ضروریات کی تکمیل کرے۔ اس ضمن میں تمام وہ علوم وفنون آتے ہیں، جن کی مسلمانوں کو ضرورت ہو۔

اسلام کی نگاہ میں عام تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلی تعلیم کی اہمیت بھی مسلم ہے۔قرآن کریم نے اس کی اہمیت کی جانب توجہ دلائی ہے۔" فلو لا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین"(التوبۃ:۱۲۲)۔

بلاشبہ اس آیت میں اعلی تعلیم حاصل کرنے اور مخصوص فنون میں اختصاص پیدا کرنے کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

عصر حاضر میں اعلی تعلیم حاصل کرنے کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔آج ضرورت کے مطابق مختلف علوم وفنون کے ماہرین تیار کرنا امت مسلمہ کی ناگزیر ضرورت ہے۔ کیونکہ جہاں امت مسلمہ کو اعلی تعلیم کے حاملین کے ذریعہ بہت سی خدمات لینے کی ضرورت ہے، وہیں دفاعی پوزیشن سنبھالنے کی ذمہ داری موجودہ زمانے میں عظیم ہے۔

جدید اعلی تعلیم کے حصول کے سلسلہ میں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟ یہ نقطہ یقیناً ارباب دانش وبینش کی توجہ کا طالب ہے۔عصر حاضر میں چوں کہ عصری فکر وثقافت کی وسیع تر معلومات کو دعوت وتبلیغ کے میدان کے لئے بھی ضروری قرار دیا جا تا رہا ہے۔لہذا چند ایک کو چھوڑ کر ہندوستان کے تقریبا سارے اہم مدارس نے عصری علوم کو اپنے نصاب کا جزء بنایا ہے اور پچھلی صدی کی آخری دہائی میں قائم ہونے والے بعض اداروں نے تو تقریبا مساوی طور پر عصری

واسلامی علوم کو اپنے نصاب میں جگہ دی ہے اور کامیابی کے ساتھ اس کا تجربہ بھی کیا جارہا ہے۔

۲- سرکاری بینک ہو یا غیر سرکاری، اس کے کاروبار کا دارومدار سود پر ہے۔ یہ مختلف ہوسکتا ہے کہ بعض کاروبار میں سود کی شرح کم ہو اور بعض میں زیادہ۔ کم شرح سود کے کاروبار میں سے ایک تعلیمی قرض بھی ہے۔ گرچہ یہ قرض زیادہ مدت کے لئے دیا جاتا ہے۔ اسلام میں قرض لینے اور دینے کی اجازت موجود ہے۔ مگر اسلام ہر اس کاروبار سے منع کرتا ہے، جس میں سود ہو اور چونکہ تعلیمی قرض میں واضح طور پر سود دیا جاتا ہے، لہذا ایک مسلمان کے لئے سود پر مشتمل معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔ حکومت کا یہ دعوی کہ تعلیمی قرض کے اجراء کا مقصد نفع کمانا نہیں۔ جھوٹ ہے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ کفالت عامہ کے تمام فرائض سرانجام دے، جن میں سے ایک اعلی تعلیم کا مسئلہ بھی ہے۔ اب اپنی اس ذمہ داری کو نہ ادا کر کے بینک سے تعلیمی قرض دینا اور اس پر سود (چاہے شرح سود کم ہی کیوں نہ ہو) وصول کرنا اور یہ کہنا کہ اس کا مقصد نفع کمانا نہیں۔ یہ بات ناقابل فہم ہے۔ بینک تعلیمی قرض پر جو شرح سود لیتا ہے، اس کو سروس چارج (اجرت خدمت) پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بینک بھی اس کو سروس چارج نہیں سمجھتا۔

۳- مذہب اسلام میں تعلیم حاصل کرنے کی تاکید آئی ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ برابر نہیں ہوسکتے "قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون" رسول کریم ﷺ نے متعدد احادیث کے اندر حصول علم کی تاکید فرمائی ہے۔ مگر واضح رہے کہ دینی علم کا حاصل کرنا ہر مرد وعورت پر فرض ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" (ابن ماجۃ ۲۲۴) یعنی علم (دین) کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ وغیرہ نے باضابطہ صراحت کی ہے کہ علم دین کا حاصل کرنا ہر مرد وعورت پر فرض ہے۔ اور علم دین کے علاوہ دیگر وہ سارے علوم، جن کی تحصیل کی ضرورت قیامت تک مسلمانوں کو پڑے، ان کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔

اس نظریہ کی رو سے ایسے اشخاص، جن کے معاشی حالات ان کے اعلیٰ تعلیم کے اخراجات کے برداشت کرنے کے متحمل نہ ہوتو اولاً ان پر اعلیٰ تعلیم کا حصول فرض نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہ حاصل کرنا چاہتے ہوں تو تعلیمی قرض (جو سودی کاروبار پر مشتمل ہے) سے استفادہ کئے بغیر سماجی ورفاہی تنظیموں اور جمعیتوں سے ان کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔ قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا ازروئے شرع جائز نہیں۔

۴- طالب علم کے والد اس کے تعلیمی اخراجات کو برداشت کرنے کی استطاعت رکھتا ہوتو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے لڑکے کو اعلیٰ تعلیم دلائے، اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو اس کا ذمہ دار باپ ہوگا، البتہ باپ کے صاحب استطاعت ہونے پر بیٹے کو صاحب استطاعت نہیں سمجھا جاسکتا۔ کیونکہ شریعت میں باپ کے مال کا حقدار بیٹا باپ کے انتقال کے بعد ہوتا ہے۔ لہٰذا قرض کے جائز ہونے اور نہ ہونے کا تعلق طالب علم کے اپنے حالات سے ہوگا۔

۵- چوں کہ تعلیمی قرض سے فائدہ اٹھانے میں سود کا معاملہ کرنا لازم آتا ہے۔ جو شریعت میں جائز نہیں، لہٰذا طالب علم کا صاحب استطاعت ہونے کے باوجود اپنے مال کو تعلیمی اخراجات پر نہ لگا کر اسکیم سے فائدہ اٹھانا کسی بھی طور پر جائز نہیں۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کی حیثیت اسلامی نقطہ نظر سے

مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، اندور

۱- یہ امر مسلم ہے کہ علم تو اصل معرفت الٰہی کا علم ہے جو صرف اور صرف علوم دینیہ اور اسلامیہ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اس کے علاوہ جتنے علوم ہیں وہ اصلا علم نہیں بلکہ وہ ہنر اور معلومات کے زمرے میں آتا ہے۔

اس لئے اہل علم نے علم کی دو قسمیں کی ہیں: ۱-علم الادیان، ۲-علم الابدان۔

لیکن علم دینی ہو یا دنیاوی شرعا دونوں کا سیکھنا سکھانا درست اور مستحسن ہے، علم دین کے علاوہ دیگر علوم وفنون وہنر کے میدان میں اہل ایمان کا ہونا ضروری ہے، تاکہ ان کے ذریعہ اسلام کا تعارف اور دین کی تبلیغ ہو۔

ایمان کی حفاظت کے ساتھ عصری علوم میں ترقی وکمال کی اسلام میں کوئی ممانعت نہیں اور نہ کوئی حد، بلند سے بلند مقام اور اعلی سے اعلی مرتبہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۲- علم وہنر سے ہر شخص کو فائدہ پہنچے تاکہ جہالت وغربت دور ہو اور خوشحالی آئے حکومت نے اس پالیسی کے تحت ایسے طلبا کو جو اپنی پڑھائی جاری رکھنا چاہتے ہیں لیکن معاشی حالت درست نہ ہونے کی بنا پر وہ رک جاتے ہیں ان کے لئے یہ سہولت ومدد کی شکل جاری کی ہے۔

الف- اس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ قرض دے کر اس کا ایک حصہ حکومت معاف کردیتی ہے، لیکن وصولیابی کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے کہ اس میں سود جوڑ کر وصول کرتی ہے، لیکن وہ

شرح سود منہا کرنے کے بعد بھی وہ رقم اسی مقدار کے برابر ہوتی ہے جتنی دی تھی، اس کے درست وجائز ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔

ب- مذکورہ صورت جس میں بینک وہ قرض ایک مدت کے بعد وصول کرتا ہے لیکن اس میں وہ سود بھی جوڑتی ہے، اس لئے عام مسلم طلباء کے لئے یہ درست نہیں، اگر چہ شرح سود انتہائی قلیل ہو۔

۳- اگر معاشی حالت اس کا متحمل نہ ہو تو اس قرض سے سود مند ہونا شرعاً درست ہوگا، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے تحریر فرمایا ہے: **"یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"**۔

۴- مالی استطاعت ومعاش میں شرعاً عاقل بالغ طالب علم کی حالت کا اعتبار ہوگا۔

۵- اگر بفضلہ تعالیٰ خود صاحب استطاعت وحیثیت ہونے یا والدین واولیاء کی طرف سے مکمل اخراجات کی پیش کش ہو یا مطالبہ پر والدین برداشت کرسکتے ہوں تو سود کی لعنت سے بچنا و بچانا ضروری ہے، اس صورت میں فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کے مسائل

مولانا حافظ شیخ کلیم اللہ عمری ☆

۱- ''قال النبی ﷺ طلب العلم فریضة علی کل مسلم'' (ابن ماجہ) (علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

اسلام کا نقطۂ نظر علم کے تعلق سے یہ ہے کہ افضل العلوم واشرف العلوم علوم شریعت ہیں جن کا حاصل کرنا اولین فریضہ ہے۔

اسی طرح ہر وہ علم جو کائنات اور انسانیت کے لئے اور خدمت خلق کے لئے مفید ہو اس علم کا حاصل کرنا بھی مشروع ہے لیکن فرق مراتب کے ساتھ، علوم شریعت پہلے نمبر پر ہیں اور عصری علوم جن سے اسلام اور انسانیت کا فائدہ مقصود ہو دوسرے نمبر پر، دور حاضر میں عصری علوم کی ضرورت وافادیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۲- سرکاری بنک کا سود پر قرض دینا خواہ کم شرح ہی میں کیوں نہ ہو سود ہی ہے اور ہر وہ قرض جس سے نفع کمایا جاتا ہو وہ سود کے حکم میں ہی داخل ہے، ''کل قرض جر نفعا فھو ربا'' سودی قرض کو اجرت خدمت پر محمول نہیں کیا جا سکتا جبکہ سود کی حرمت پر نصوص شرعیہ صریحہ وارد ہیں، لہذا تاویل نہ کرنا تقوی کا عین تقاضا ہے۔

۳- اعلی تعلیم کا حصول فرض کفایہ ہے وسائل وذرائع مہیا ہوں تو ضروری تعلیم حاصل کی جائے ورنہ نہیں، سود کا حکم سب کے لئے عام ہے، البتہ لوگوں سے تعاون حاصل کر کے یا لوگوں کی

☆ مفتی جامعہ دار السلام عمر آباد تامل ناڈو۔

زکاۃ وصدقات کے ذریعہ یا بیت المال کے تعاون سے یا مراکز اسلامیہ یا تحریکات اسلامیہ کی طرف رجوع کرے اور سود سے ہر حال میں دوری لازم ہے۔

۴- طالب عالم کی کفالت بلوغت تک اس کے والدین پر ہے اور یہ کفالت واجبی ہوگی، البتہ بلوغت کے بعد والد کے ذمہ تطوعاً یہ ذمہ داری ہوگی اور والد کے صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے طالب علم کو صاحب استطاعت نہیں خیال کیا جائے گا۔

۵- اگر والد صاحب استطاعت ہوں تو بھی شرعاً والد کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ والد کی کفالت بلوغت تک ہی لازم ہے، اس لئے طالب علم کا مستطیع ہونے کے باوجود اپنا پیسہ نہ لگا کر اس قرض اسکیم سے مستفید ہونا شرعاً وعقلاً درست نہیں ہے کیونکہ یہ قرض سود پر مبنی ہے جو کہ حرام ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض اسلامی نقطہ نظر سے

مولانا محمد سلمان (گھلی) پالنپوری ☆

۱- اسلام بنیادی طور پر علم وفن کا حامی ہے نہ کہ مخالف، اسلام میں دینی تعلیم تو مطلوب ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ ہر علم نافع کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور اسلام نے اس کے حصول کی ترغیب دی ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ مذاہب عالم میں اس کا امتیاز ہے تو غلط نہ ہوگا، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ علم انسانیت کے لئے نفع بخش اور مفید ہو، عصری اور جدید علوم بھی زیادہ تر نفع بخش اور فائدہ مند ہے، اور ان کے ذریعہ انسانیت کی خدمت سرانجام پاتی ہے، اس لئے ایسی عصری علوم جو نافع ہوں، اگر شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ مسلمان حاصل کریں تو کچھ حرج نہیں، بلکہ اچھے مقاصد اور نیک نیتی کے ساتھ ان کی تحصیل نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور باعث اجر وثواب ہے۔

۲- قرض جاری کرنے اور اس کا حساب وکتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں، سرکاری بینک کے لئے اپنے قرض داروں سے بطور ''سروس چارج'' کے ان کو وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ رقم واقعی ان اخراجات سے تجاوز نہ کرے، جو قرض کے اجراء کے لئے پیش آتے ہیں اور اگر قرض کے اجراء کے لئے پیش آنے والے واقعی اخراجات کا اندازہ مشکل ہو، تو اس صورت میں بینک کے لئے ان واقعی اخراجات کے طلب کرنے کے بجائے قرض جاری کرنے سے پہلے اور بعد میں کی جانے والی دفتری کاروائی کی اجرت وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ

☆ مفتی مدرسہ جامعہ خلیلیہ ماہی، پالنپور، تحصیل وڈگام ضلع بناس کانٹھا، شمالی گجرات۔

اجرت اس قسم کے کاموں پر آنے والی اجرت مثل سے زیادہ نہ ہو، اس لئے کہ قرض دینے کا عمل بذات خود ایک ایسا عمل ہے جس پر نفع کا مطالبہ کرنا یا اجرت کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز نہیں، لہذا قرض جاری کرنے پر آنے والے مصارف کو اندازے سے لمسم وصول کرنا یا اجرت خدمت، اجرت مثل سے زیادہ لینا کسی طرح جائز نہیں ورنہ "کل قرض جر نفعا" کے تحت داخل ہو کر یقینی طور پر حرام ہوجائے گی۔

یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ بینکوں کا بنیادی مقصد سودی کاروبار ہے، حکومت نے تعلیم کی سہولت فراہم کرنے کے لئے جس خصوصی قرض (ایجوکیشن لون) کا نظم کیا ہے یقیناً اس قرض پر عام قرضوں کے مقابلہ میں کافی کم شرح سود عائد کی گئی ہے، نیز حکومت کا یہ دعوی بھی ہے کہ اس کا مقصد سود حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ تعلیم میں تعاون کرنا ہے، لیکن پھر بھی اس کم شرح سود کے قرض کے اجراء کے لئے پیش آنے والے واقعی اخراجات یا اجرت مثل سے زیادہ ہونے کا بہرحال احتمال باقی رہتا ہے، اس کم شرح سود کو "سروس چارج" پر محمول کرنے سے یہ احتمال ختم نہیں ہوتا، محض نام وصورت بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی ہے اور فقہاء کرام کی یہ صراحت موجود ہے:

"الشبهة كالحقيقة في باب الربا" (سود کا احتمال بھی حقیقی سود کی طرح حرام ہے)، لہذا اس کم شرح سود کو بغیر تحقیق کے (کم شرح سود واقعی اخراجات یا مثل کے برابر ہے یا زائد) سروس چارج پر محمول کر دینا درست نہیں ہے۔

۳- اعلی تعلیم کی تحصیل ایسی ضرورت ومجبوری نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اس قرض اسکیم سے جس میں احتمال سود موجود ہے، فائدہ اٹھانا جائز ہو، لہذا اعلی تعلیم کی تحصیل کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا، جائز نہیں ہے۔

۴،۵- ان جزئیات کا جواب جز ۴ و ۵ کے جواب سے واضح ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کا حکم

مفتی شاہد علی قاسمی ☆

۱- کسی صاحب نظر اور اہل دانش پر یہ بات مخفی نہیں کہ فی زمانہ جدید اعلیٰ تعلیم کی بڑی اہمیت ہے، اس کی اپنی ایک طاقت ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو قوم جدید اعلیٰ تعلیم سے لیس ہے آج اس کی حکمرانی ہے، یہ دور دور علم و تحقیق ہے، جو قوم اس میدان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے وہ ترقی کی سمت گامزن ہے، آج امریکہ اور برطانیہ اس لئے حاکم اعلیٰ مانا جاتا ہے کہ اس کے پاس ایڈوانس سائنس وٹکنالوجی ہے، اور اس کی مدد سے اس نے عسکری طاقت میں بے پناہ اضافہ کرلیا ہے۔

فی زمانہ عسکری طاقت میں بالادستی اس قوم کو حاصل ہوسکتی ہے جو سائنس وٹکنالوجی میں پیشوائی کا مقام رکھتی ہو، اور جو قوم اس سے تہی دامن ہو وہ ہرگز اقوام عالم پر اثر انداز نہیں ہوسکتی، اس لئے بہ تقاضائے آیت کریمہ ''**واعدوا لهم ما استطعتم من قوة**'' مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ جدید اعلیٰ تعلیم خصوصا سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں آگے آئیں، اس کے علاوہ دوسرے جدید علوم چاہے میڈیکل سے متعلق ہو یا انجینئرنگ سے، ان سب میں مسلمانوں کو بالادستی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

بہرحال! راقم الحروف کے نزدیک جدید اعلیٰ تعلیم خصوصا سائنس وٹکنالوجی کی تعلیم حاصل کرنا اگر واجب لعینہ نہیں تو کم از کم ''واجب لغیرہ'' ضرور ہے۔

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

۲- تعلیمی قرضوں پر بینک جو معمولی سود لیتا ہے اس کو سروس چارج قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ وہ سود ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ جتنا زیادہ قرض لیا جاتا ہے اسی حساب سے سود میں بھی اضافہ کیا جاتا ہے، مثلاً بکر نے اگر پانچ ہزار روپے قرض لئے اور بینک نے شرح سود ایک فیصد ماہانہ کے اعتبار سے لگایا تو بکر کو ایک مہینہ میں پچاس روپیہ بطور سود دینا پڑے گا، اور اگر خالد ایک لاکھ روپے قرض لئے تو بینک اس سے پچاس روپیہ کے بجائے ایک ہزار روپے لے گا، اگر بینک تمام قرض خواہ سے ایک متعین رقم لیتا قرض کی مقدار میں کمی زیادتی کا اعتبار نہیں کرتا تو اسے سروس چارج کہا جاسکتا تھا، لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے، اس لئے کم شرح سود ہونے کے باوجود وہ سود ہی رہے گا، جو بہ نص قطعی حرام ہے۔

۳- اعلی تعلیم کی تحصیل وقت کا ایک اہم تقاضا ہے، اور مسلمانوں کو اس میدان میں ضرور آگے بڑھنا چاہئے، اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ فی زمانہ اعلی جدید تعلیم کی تحصیل "واجب لغیرہ" کے درجہ میں ہے، یہ ایک ایسی مصلحت ہے جس کے لئے ہندوستان جیسے ملک میں قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا، فقہاء نے اصول پیش کیا ہے:

"إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب اخفهما" (الاشباہ والنظائر ۱۴۵/۱)۔

(جب دو مفسدہ کا تعارض ہو جائے تو ان میں بڑے مفسدہ کی رعایت کرتے ہوئے کم تر مفسدہ کا ارتکاب کیا جائے گا)۔

۴- اگر خود طالب علم کی معاشی حالت اس کی متحمل نہیں ہے اور اس کے والد کو اس کی صلاحیت ہے تو ایسے طالب علم کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر لڑکا طلب علم میں لگا ہو اور اس کی وجہ سے کمائی نہ کر پاتا ہو تو باپ پر اس کا نفقہ واجب ہوگا، چنانچہ علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

"وكذا تجب (النفقة) لولده الكبير العاجز عن الكسب كأنثى

مطلقا.....وطالبعلم لا یتفرغ للملک کذا في الزیلعي والعیني" (الدرالمختار ۱/۲۷۳)۔

لہذا صورت مسئولہ میں باپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اس بیٹے کی تعلیم پر خرچ کرے اور اسے سود میں ملوث ہونے سے بچائے۔

۵- اگر طالب علم یا والد صاحب استطاعت ہو اور فی الحال تعلیم میں اپنا پیسہ لگانا نہ چاہتے ہوں اور اس کے بجائے قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے کے خواہش مند ہوں تو اس کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا آخری مجبوری کے درجہ میں ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کا شرعی حکم

مفتی ظہیر احمد قاسمی ☆

۱- جدید اعلیٰ تعلیم کا حصول بھی فرض کفایہ ہے، اور موجودہ دور میں ضرورت کے درجہ میں ہے، جس کے حصول کے بغیر چارہ نہیں، ورنہ مسلمان ہر میدان میں تخلف کا شکار ہو جائیں گے، اس لئے مسلمانوں کو پوری تندہی کے ساتھ دینی تعلیم کے علاوہ دنیاوی اعلیٰ تعلیم کے حصول کی بھی پوری کوشش کرنی چاہئے، اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کو اپنے لئے لازم سمجھنا چاہئے۔

۲- سودی معاملہ بہر حال سودی معاملہ ہے اس کو سروس چارج پر محمول نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں رقم پر اضافہ مدت کے مقابلہ میں ہوتا ہے، جو ربو النسیہ ہے، شرح سود چاہے زیادہ ہو یا کم وہ بہر حال سود ہی کہلائے گا۔

۳- ان حالات میں اس کو قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا بالکل درست ہے۔

۴- طالب علم کے اپنے حالات کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ والدین کے احوال کے اعتبار سے جیسا کہ اور دیگر معاملات میں۔

۵- اگر طالب علم صاحب استطاعت ہے تو اس کو پھر بغیر حاجت اور ضرورت کے سودی قرض لینا درست ہوگا، لیکن اگر اس کے والد تو صاحب استطاعت ہیں مگر وہ خرچ کرنا نہیں چاہتے تو پھر طالب علم حصول تعلیم کے لئے سودی قرض لے سکتا ہے، اگر وہ خود صاحب استطاعت نہ ہو۔

☆☆☆

☆ مدرسہ اشاعت العلوم، کانپور۔

تعلیمی قرض کا شرعی حکم

مولانا اقبال احمد قاسمی ☆

۱- جدید اعلیٰ تعلیم کے بارے میں شریعت کا نقطہ نظر:

شرعی نقطہ نظر سے جدید اعلیٰ تعلیم فرض کفایہ ہے، اور مسلمانوں کو اس میں پیش قدمی کرنا وقت کا تقاضا ہے، امام نووی فرماتے ہیں:

''واما ما ليس علما شرعا ويحتاج إليه في قوام أمر الدنيا كالطب والحساب ففرض كفاية أيضا نص عليه الغزالي'' (کتاب المجموع للنووی ۱/ ۵۱) (اور جو علوم شرعیہ نہیں ہیں ان کی ضرورت دنیاوی معاملات کے نظام میں ہوتی ہے، مثلاً فن طب، حساب وغیرہ تو یہ بھی فرض کفایہ ہے، امام غزالی نے اس کی صراحت فرمائی ہے)۔

جدید اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی معاشرہ میں جو افادیت ہے اور ہر لائن میں ماہرین کی جو اہمیت ہے اس کے پیش نظر ایسے فرض کفایہ کے حصول میں شرکت دین و دنیا دونوں اعتبار سے نہایت ضروری ہو جاتی ہے، جیسا کہ علامہ نووی لکھتے ہیں:

''واعلم ان للقائم بفرض الكفاية مزية على القائم بفرض العين لانه أسقط الحرج عن الامة'' (المجموع للنووی ۱/ ۵۲) (جاننا چاہئے کہ فرض کفایہ کی بجا آوری کی زیادہ فضیلت ہے بہ نسبت فرض عین کے بجالانے کے، کیونکہ فرض کفایہ کو انجام دینے والا پوری امت سے حرج کو دور کر رہا ہے)۔

☆ صدر مدرس و مفتی مدرسہ مظہر العلوم ٹیکس گنج کانپور۔

یہاں یہ شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے کہ یہ علوم پہلے کہاں تھے، جس کو آج فرض کفایہ ثابت کیا جارہا ہے وجہ یہ ہے کہ علوم جدیدہ کا ارتقاء ہر زمانہ میں حسب ضرورت ہوتا رہا اور ماضی میں بھی یہ علوم بتقضائے وقت موجود تھے اور قرآنی اشارات ہر زمانہ کے لئے مؤید رہے ہیں، اس لئے گذشتہ صدیوں میں ہر قسم کے علوم و اکتشافات اور تحقیق و ایجادات میں مسلمان سرگرم عمل رہے ہیں، غلام احمد کاملی نے اپنی کتاب مسلمانوں کے سائنسی ایجادات وانکشافات میں ثابت کیا ہے کہ کوئی ایسی ایجاد نہیں ہے جس میں مسلمانوں نے سبقت نہ کی ہو مگر عالم اسلام کے انتشار اور اغیار کی سازشوں نے مسلمانوں کو اس میدان میں بھی پیچھے ڈھکیل دیا ہے۔

۲-تعلیمی قرض کی شرعی حیثیت:

چونکہ حکومت غیر مسلم ہے اور وہ سود کی قباحت تو کیا اس کی تعریف سے بھی ناآشنا ہے، ورنہ اس تعلیمی قرض پر ملنے والی مزید رقوم کو وہ سود نہ کہتی اور تعلیمی قرض کے ضابطے بھی سود جیسے نہ بنائے جاتے، لہذا یہاں اس معمولی شرح سود کو ''لأمور بمقاصدہا'' کے تحت سروس چارج (اجرت خدمت) پرمحمول کرلیا جائے تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

لیکن احقر کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ قرض کے طور پر فراہم کی گئی رقم کی واپسی کے موقع پر جو زائد رقم حکومت وصول کرتی ہے وہ سود ہی ہے اور ''**کل قرض جر نفعا فھو ربا**'' کے تحت داخل ہے لیکن چونکہ معاملہ یہاں سود کھانے کا نہیں بلکہ سود لینے کے بجائے دینے کی نوبت ہے اور اس معمولی سودی معاملہ کے ذریعہ ایک فرض کفایہ کی انجام دہی مقصود ہے جو عام حالات میں اس قرض کے بغیر ناممکن ہے اس لئے اس قرض کو حاصل کرنے کی شرعا گنجائش ہوگی، جیسا کہ بہت سی ضرورتوں کے تحت لون حکومت سے لینا مجبوری ہوگئی ہے، مثلاً گاڑی یا مہنگا مکان وغیرہ بغیر لون کے لیا جائے تو مشکل کھڑی ہوجاتی ہے اس لئے اس کی اجازت دی گئی ہے، ایسے ہی اس مسئلہ میں ضرورت ومجبوری کے پیش نظر اجازت دی جائے گی۔

۳۔تعلیمی قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا:

اگر کوئی شخص اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے، یا وہ بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے معاشی حالات اخراجات کے برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں تو ایسی صورت میں قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز رہے گا۔

کیونکہ تعلیم انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے اور اعلی تعلیم بھی فرض کفایہ ہے، اس لئے لائق حضرات جو سرمایہ سے مجبور ہیں تو وہ اعلی تعلیم موقوف کرنے کے بجائے مذکورہ قرض اسکیم سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں، بشرطیکہ نیت فرض کفایہ کے قیام وحصول کی ہو۔

"یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الاشباہ) (محتاج شخص کے لئے نفع (شرح سود) کے ساتھ قرض حاصل کرنے کی اجازت ہے)۔

اس مسئلہ کی تائید مولانا تقی عثمانی صاحب کے اس فتوی سے بھی ہوتی ہے جس میں ضروری اعلی تعلیم جو مخلوط اجتماع مردوزن کے درمیان میں حاصل ہوسکتی ہے، اس کے ترک کرنے کے بجائے بدرجہ مجبوری اس کو گوارہ کرنے اور احتیاط برتنے کا حکم دیا ہے، فرماتے ہیں:

"مسلم معاشرہ کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ مخلوط تعلیم کے بجائے لڑکوں کے لئے الگ اور لڑکیوں کے لئے الگ تعلیمی ادارے قائم کریں لیکن جب تک ایسا انتظام نہ ہو تو چونکہ میڈیکل تعلیم حاصل کرنا ایک ضرورت ہے اور اس میدان میں متدین افراد کی کمی ہے جسے دور کرنے کا یہی راستہ ہے کہ متدین افراد میڈیکل تعلیم حاصل کریں، اس لئے اگر اس تعلیم کے حصول کا وہ راستہ نہ ہو جو اوپر ذکر کیا گیا تو اس شرط کے ساتھ تعلیم کے حصول کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ حتی الامکان اپنے آپ کو بے پردہ نامحرم خواتین سے دور رکھیں اور اپنی نگاہ و دل کی حفاظت کریں (فتاوی عثمانی ۱/۱۹۲)۔

۴۔ اگر طالب علم کی خود معاشی حالت اعلی تعلیم کے اخراجات کی متحمل نہیں تو محض اس کے والد کے مستطیع ہونے سے طالب علم کو صاحب استطاعت نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ جس طرح

قربانی، زکوۃ، فطرہ میں بالغ اولاد باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے مستطیع نہیں ہوتی اسی طرح یہاں بھی باپ کی مالداری سے اولاد مالدار نہیں کہلائے گی بلکہ مالدار باپ کے بالغ (غریب) بیٹے کو زکوۃ دینا جس طرح جائز ہے اسی طرح یہاں قرض کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا تعلق طالب علم کے اپنے حالات سے ہوگا، چنانچہ اگر وہ غریب ہے اور تعلیم کے لئے قرض کا محتاج ہے تو باپ کی استطاعت کے باوجود وہ قرض اسکیم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کی شرعی حیثیت

مولانا محمد ابوبکر قاسمی ☆

جن اوصاف وکمالات کی وجہ سے انسان کو دوسرے مخلوقات پر خصوصی امتیاز، تفوق اور برتری حاصل ہے ان میں تعلیم کو بنیادی حیثیت اور سب سے نمایاں مقام حاصل ہے، تعلیم ہی کی وجہ سے انسان مسجود ملائکہ ہوا، نیز تعلیم ہی کے سبب انسان دینی ودنیاوی حقوق فرائض کو ادا کر سکتا ہے، اسی لئے مذہب اسلام نے نبی علیہ السلام پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی میں سب سے پہلا حکم "اقرأ باسم ربک" نازل فرما کر تعلیم ہی کا حکم صادر فرمایا، نیز حضور علیہ السلام کو قرآن کریم کے ذریعہ حکم دیا گیا کہ "قل هل يستوى الذين يعلمون و الذين لا يعلمون إنما يذكر أولو الألباب" (سورۂ زمر: ۹)۔

تعلیم کی ضرورت واہمیت انفرادی واجتماعی ہر حیثیت سے مسلم ہے، اور مذہب اسلام کی رو سے ایک مسلمان کے لئے تعلیم کا حاصل کرنا صرف مطلوب ومحبوب اور مرغوب ہی نہیں بلکہ اس کے اوپر سب سے اولین فریضہ ہے، اسی لئے ایک حدیث میں صاف فرمایا گیا: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" (ابن ماجہ ۱/ ۲۰)۔

ضروری تعلیم دینا علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت شہری ہو یا دیہاتی فرض ہے۔

کیونکہ بغیر تعلیم کے کوئی مسلمان خدائے تعالی کا محبوب ومکرم بندہ نہیں بن سکتا، کتابی

☆ مفتی مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھروارہ، دربھنگہ۔

تعلیم ہو یا زبانی تعلیم، الغرض جو بھی صورت ہو اس کو اختیار کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

۱- جدید اعلی تعلیم اگر مفید ہو معاشی و اقتصادی اعتبار سے یا دینی وسماجی اعتبار سے، بہرحال اس کی تحصیل شرعا درست ہے، اور مسلمانوں کو اس میں حصہ لینا چاہئے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "كلمة الحكمة ضالة المومن حيثما وجدها فهو أحق بها" (ابن ماجہ ۳۰۷/)۔

حضور اکرم ﷺ نے غزوہ بدر کے قیدیوں سے جو فدیہ کی رقم ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے ان سے مالی فدیہ لینے کے بجائے دس دس بچوں کو لکھانے و پڑھانے کا کام لیا، اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم اساتذہ سے مفید تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے۔

۲- سرکاری بینک کے ذریعہ کم شرح سود پر جو زیادہ مدت کے لئے تعلیمی قرض دیا جاتا ہے، وہ بھی شرعا سود ہے، اگر چہ حکومت کا ادعاء ہو کہ اس قرض کا مقصد سود کمانا نہیں ہے، کیونکہ حدیث نبوی ہے: "كل قرض جر منفعة فهو ربا" (جامع صغیر)۔

مندرجہ حدیث نبوی کی روشنی میں بلاشبہ تعلیمی قرض بھی شرعی سود کے دائرہ میں آتا ہے، لہذا اس شکل میں شرح سود کو سروس چارج قرار دینا درست نہیں ہے، البتہ جو شخص پریشان ہو اس کے پاس اگر اتنی رقم نہ ہو کہ وہ خود اپنی رقم سے جدید اعلی تعلیم حاصل کر سکے تو اس کے لئے حکومت کی تعلیمی قرض والی اسکیم سے فائدہ اٹھانا درست ہے، رہا اس تعلیمی قرض پر جو سود کی رقم وصول کی جاتی ہے اس کو کیا نام دیا جائے تو اس سلسلہ میں کفایت المفتی جلد ہشتم جواب ۱۵۵ کے تحت قرض دینے کو کاغذ خریدنے کے ساتھ معلق کرنے کی ایک صورت کا ذکر کیا گیا ہے (دیکھئے: کفایت المفتی ۱۳۰/۸، ۱۳۱ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)۔

کفایت المفتی کی مندرجہ بالا فتوی کی روشنی میں اگر بینک مدیون سے سند قرض کو فروخت کرے، اور پھر سند قرض کو مدیون کے خریدنے کے بعد اس کو ایک خاص مدت کے لئے

بلاسودی قرض دے، اور پھر مقررہ مدت کے پورا ہونے پر دیئے گئے تعلیمی قرض کو وصول کرلے اور سندقرض کی فروختگی کے منافع کو بینک کے عملہ کے سروس چارج ادا کرنے کے بعد غربا پر تقسیم کردے تب تو بینک کے وصول کردہ شرح سود کو سندقرض کی قیمت قرار دے کر بیع جر نفعا کا نام دیا جا سکتا ہے لیکن مندرجہ بالا شرائط پر حکومت غیر مسلمہ میں عمل کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے بینک کا وصول کردہ شرح سود قرض جر نفعا کی ایک شکل ہے، جو شرعا تو جائز نہیں لیکن ضرورت مند اشخاص کے لئے قرض کی اس شکل سے فائدہ اٹھا کر اپنی ضرورت کی تکمیل کرنا جائز ہے۔

۳- اگر کوئی شخص جدید اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا امیدوار ہے، یا بیرون ملک جا کر جدید تعلیم حاصل کرنے کا متمنی ہے لیکن اس کے معاشی حالات اس تعلیم کے اخراجات کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں، اور وہ اس سلسلہ میں بے حد پریشان ہے تو ایسے پریشان شخص کے لئے کم شرح سود پر تعلیمی قرض کی اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا شرعا جائز ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصری نے الاشباہ والنظائر میں یہ صریح جزئیہ لکھا ہے:

''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح '' (الاشباہ،ص ۹۲) (محتاج شخص کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے)۔

۴- اگر اعلی تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کے متمنی طالب علم کے والد کے حالات تو بہتر ہیں لیکن خود طالب علم کی معاشی حالت بہتر نہیں ہے، اور تعلیم کے اخراجات کو برداشت کرنے کی متحمل نہیں ہے تو جواز قرض کے لئے شریعت میں مبتلی بہ کے حال کا اعتبار کیا جائے گا، اس کے والد کے احوال کو نہیں دیکھا جائے گا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:''لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا'' (بقرہ: ۲۸۶) (اللہ تعالی نے کسی نفس کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر کام کرنے کا مکلف نہیں بنایا ہے)۔

اسی طرح خداوند قدوس کا فرمان ہے:''لینفق ذو سعة من سعته '' (طلاق: ۷)

(گنجائش والے شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنی گنجائش کے مطابق نان ونفقہ اورخرچہ کی ادائیگی کرے)۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے کسی انسان پر کسی ذمہ داری کے عائد کرنے میں اس کی گنجائش کا لحاظ کیا ہے۔

۵- اگر خود طالب علم کو استطاعت ہو اور وہ اعلی تعلیم حاصل کرنے کا متمنی بھی ہے تو اس پر لازم ہے کہ خود اپنی ذاتی رقم خرچ کر کے تعلیم حاصل کرے، لیکن اگر وہ اپنا پیسہ خرچ نہ کرنا چاہتا ہو اور ساتھ ہی تعلیم حاصل کرنے کا آرزومند بھی ہو تو ایسے شخص کے لئے سودی قرض لے کر اپنی تعلیم کے اخراجات کو پورا کرنا شرعا جائز نہیں ہے، کیونکہ سودی قرض لے کر ضرورت کو پورا کرنے کی اجازت حالت اضطرار میں ہے حالت اختیار میں نہیں، جیسا کہ اوپر الاشباہ والنظائر کا صریح جزئیہ پیش کیا گیا۔

اور استطاعت کی صورت میں قرض دے کر سود حاصل کرنا یا قرض لے کر سود دینا دونوں صورتیں شرعا ناجائز ہیں، حضور ﷺ کا فرمان ہے: عن جابر مرفوعا "لعن رسول الله ﷺ آکل الربا وموکله وکاتبه وشاهديه وقال هم سواء" (رواہ مسلم،مشکوۃ ۱/ ۲۴۴)۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کی حیثیت

مولانا مفتی لطیف الرحمٰن فلاحی، ممبئی

تعلیمی قرض کے لینے کا جواز:

شریعت کی نگاہ میں تعلیم کی بڑی اہمیت ہے، اور تعلیم کے فروغ میں حکومت کے ذمہ ہر ممکن تعاون لازم اور ضروری ہے اور حکومت اس میں قاصر ہے تو اب اگر سرکاری بینک تعلیمی قرض دیتی ہے اور اس پر دوسرے قرضوں کے مقابلہ میں بہت کم شرح سود لیتی ہے تو تعلیم کے حصول کی اہمیت کے پیش نظر بدرجہ مجبوری اس قرض سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہوگی، جیسا کہ ''الاشباہ'' کے اس جزئیہ "ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (۱/ ۳۲۷ القاعدۃ الخامسہ) سے معلوم ہوتا ہے، اور اس زائد رقم کو سود کا نام نہیں دیا جائے گا بلکہ انتظامی اخراجات کی فیس بھی قرار دیا جاسکتا ہے، اس پر حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ کا فتوی بھی موجود ہے (نظام الفتاوی ۱/ ۱۱۸)۔

مجبور طالب علم کے لئے اس قرض سے فائدہ اٹھانے کا جواز:

لہذا اگر ایک شخص تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہے، یا وہ بیرون ملک جاکر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، اور معاشی حالات تعلیمی بوجھ کو اٹھا نہیں سکتے تو وہ شخص تعلیمی قرض بدرجہ مجبوری لے سکتا ہے۔

اگر والدین تعلیم دلوانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، مگر خود طالب علم کے معاشی حالات

اس گراں تعلیم کا بوجھ اٹھانے کا تحمل نہیں رکھتا تو دو شرط پر والدین کو تعلیمی خرچ برداشت کرنے کا مکلف قرار دیا جا سکتا ہے:

۱- وہ طالب علم ''علم نافع'' کے حصول کا ارادہ رکھتا ہو، علم رکیک اور علم فلاسفہ میں مشغول نہ ہو۔

۲- اور پھر وہ واقعی میں علم نافع میں اپنے اوقات کو لگا بھی رہا ہو اور پوری یکسوئی سے اس کے حصول کی کوشش میں مصروف ہو اگر یہ دونوں شرطیں پائی جاتی ہیں تو پھر وہ صحیح معنی میں ''عاجز عن الکسب'' کے درجہ میں ہوگا ورنہ نرینہ اولاد میں جب کمانے کی لیاقت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ اولاد باپ کی کفالت سے نکل کر خود مختار ہو جاتی ہے، البتہ اگر وہ اولاد حصول علم میں مشغول و مصروف ہو تو شریعت حد کسب کے درجہ پر پہنچنے کے باوجود باپ کو متکفل قرار دیتی ہے اور اولاد کو عاجز مانتی ہے، عالمگیری کی عبارت ملاحظہ ہو: ''الذکور من الاولاد''۔

☆☆☆

عصری تعلیم کا شرعی حکم

مولانا محمد فاروق☆

۱- جدید تعلیم کے حصول کے بارے میں شریعت کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ تمام علوم عصریہ جو امور دنیویہ کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اس کا حصول فرض کفایہ ہے، اس سلسلے میں تمام مسلمانوں کو عموما اور اہل حل وعقد کو خصوصا متفکر رہنا چاہئے۔

۲- کم شرح سود والے بینک سے تعلیمی قرض لینا جبکہ دیگر جائز صورتیں مفقود ہوں شرائط مذکورہ کے مطابق درست ہے اور اس کم شرح سود کو بعض ارباب افتاء کے مطابق سروس چارج قرار دیا جاسکتا ہے۔

۳- ایسا طالب علم جو اعلی تعلیم کا اہل ہو، لیکن معاشی حالات اس کے صرفہ کو برداشت نہ کرسکتے ہوں تو اس قرض اسکیم سے کچھ شرائط کے ساتھ فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔

۴- صاحب استطاعت والد کے ہوتے ہوئے، طالب علم کی ذاتی حالت معتبر نہیں، بلکہ اس صورت میں نفقات والد پر واجب ہونے کی وجہ سے طالب علم کو بھی صاحب استطاعت سمجھا جائے گا، "**كما في البحر من كان منهم حسن السيرة، مشتغلا بالعلوم النافعة يجبر الآباء على الانفاق عليهم**"۔

۵- اگر والد یا طالب علم صاحب استطاعت ہوں اس کے باوجود اپنا پیسہ نہ لگانا چاہتے ہوں تو ان کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، کیونکہ فائدہ اٹھانے کی اجازت ضرورۃً ہے، اور یہاں ضرورت مفقود ہے۔

☆ جامعہ دارالاحسان باڑدولی، سورت، گجرات۔

تعلیمی لون کی گنجائش ہے

مفتی عبدالرشید قاسمی ☆

تعلیمی لون کے بارے میں بھی ضرورت کچھ اس قسم کی محسوس ہورہی ہے، دور حاضر کی طاقت تعلیم ہی ہے، اس کے حصول کے لئے انشورنس کی طرح گنجائش ہونی چاہئے، خصوصا جبکہ خود حکومت یہ دعوی کررہی ہے کہ اصل مقصد سود حاصل کرنا نہیں بلکہ تعلیم میں توازن پیدا کرنا ہے گویا انہوں نے سود نام رکھ دیا ورنہ اس کا نام سروس چارج بھی رکھا جاسکتا تھا، لہذا ''الأمور بمقاصدها'' کے تحت اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

سوالات کے جوابات:

۱- شرعی نقطہ نظر سے جدید اعلی تعلیم فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے، اور مسلمانوں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے، یہ خدشہ کہ علوم جدیدہ کے ماہر بعض مسلمان گمراہ نظر آتے ہیں، درست نہیں کیونکہ یہ خود ان کا قصور ہے، ورنہ تعلیم گمراہ یا دہریہ نہیں بناتی۔

۲- حکومت غیر مسلم ہے، وہ سود کی قباحت کا اعتقاد نہیں رکھتی ورنہ شاید اس کا نام سود نہ رکھا جاتا، اور تعلیمی قرض کے ضابطے بھی سود جیسے نہ بنائے جاتے نیز خود حکومت کا ادعا ہے کہ اس قرض کا مقصد سود کمانا نہیں ہے، ایسے حالات میں اگر اس کم شرح سود کو ''الأمور بمقاصدها'' کے تحت سروس چارج (اجرت خدمت) پر محمول کرلیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، خصوصا

☆ مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور، کانپور۔

ایسے حالات میں جبکہ مسلمانوں کے خلاف ان کو ہر میدان میں کمزور اور پیچھے رکھنے کی منصوبہ بند کوششیں ہورہی ہوں۔

۳- اگر کوئی شخص اعلیٰ تعلیم کے کسی شعبہ میں داخلہ کا اہل ہے، یا وہ بیرون ملک جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن اس کے معاشی حالات اس کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں تو اس کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا۔

۴- قرض کے جائز ہونے اور نہ ہونے کا تعلق طالب علم کے اپنے حالات سے ہوگا، والد کے صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے بیٹے کو شرعاً صاحب استطاعت نہیں سمجھا جائے گا۔

۵- اگر طالب علم خود صاحب استطاعت ہے لیکن وہ فی الحال تعلیم میں اپنا پیسہ لگانا نہیں چاہتا تو ایسی صورت میں اس کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا، البتہ اگر باپ صاحب استطاعت ہے اور وہ اپنا پیسہ لگانا نہ چاہے تو طالب علم کے لئے اس قرض اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہوگی، کیونکہ باپ کے صاحب استطاعت ہونے سے بالغ بیٹا ازروئے شرع صاحب استطاعت نہیں سمجھا جاتا۔

☆☆☆

تعلیمی قرض کا شرعی حکم

مولانا محمد اشرف ☆

۱- وہ تمام علوم عصریہ نافعہ جو امور دنیویہ کی انجام دہی میں معین ہوں، ان کا حصول مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔

۲- دیگر جائز صورتوں کے فقدان کی صورت میں کم شرح سود والے بینک سے شرائط کے مطابق تعلیمی قرض لینا جائز ہے، اور اس کم شرح سود کو سروس چارج قرار دیا جاسکتا ہے۔

۳- ایسا طالب علم جو اعلی تعلیم کا اہل ہو، لیکن اس کی معاشی حالت اخراجات کی متحمل نہ ہو تو چند شرائط کے ساتھ قرض اسکیم سے وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

۴- طالب علم کی ذاتی حالت معتبر نہیں، چونکہ نفقات والد پر واجب ہوتے ہیں، اس لئے والد کے صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے طالب علم بھی مستطیع سمجھا جائے گا۔

۵- صاحب استطاعت ہونے کے باوجود اگر پیسہ نہیں لگانا چاہتے تو اس قرض کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں

☆☆☆

☆ جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات۔